اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ بنام

اَلْحَقُّ مُرٌّ

اہلسنت اور نجدی

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے:

مصنف

ڈاکٹر مفتی علی نواز قادری

مکتبہ دارالسنہ دہلی

کتاب کا نام	:	اَلْحَقُّ مُرٌّ: اہلسنت اور نجدی
مصنف	:	ڈاکٹر مفتی علی نواز قادری
صفحات	:	336
سن طباعت	:	DEC 2023
تعداد	:	1100
ناشر	:	مکتبہ دار السنہ دہلی
باہتمام	:	الحاج محمد رحمت نواز انصاری نقشبندی حیدرآبادی
رابطہ نمبر	:	+918808693818

پتا

فیضان مدینہ، نگلہ میواتی، تاج نگری 2 تاج گنج آگرہ 282001

+16304796643	CHICAGO, CANADA, MEXICO, AMERICA USA

فہرست


اصلاحی و تبلیغی خُطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ
خُطباتِ مصطفائی
و
خُطباتِ شفیقی
خطیبِ اوّل
مبلّغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مُصطفائی
خطیب ثانی و مرتب
مولانا محمد شفیق خاں عطّاری مدنی فتح پوری
حصہ اول
مکتبہ دار السنہ، دھلی

مصنف کا تعارف

علامہ ڈاکٹر مفتی قاری حافظ علی نواز قادری صاحب پاکستان کے صوبے سندھ کے ضلع دادو کی تحصیل جوہی کے علاقے کاچھو کے قصبہ ڈرگھ بالا کے نزدیک گاؤں محمد حسن گرمانی میں ۲۸ فروری ۱۹۸۱ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ڈرگھ بالا میں حاصل کی۔ اسکول ٹیچر سائیں غلام شبیر سُرھیَو کی ترغیب سے حفظ قرآن شروع کیا اورڈھائی سال میں حفظ قرآن مکمل کر لیا۔

میٹرک کے بعد کراچی میں واقع دعوت اسلامی کے مدرسۃ المدینہ میں ایک سال تجوید القرآن کی تعلیم حاصل کی بعد ازاں دارالعلوم نعیمیہ جو کہ مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں چل رہا ہے میں قرآن پاک کی دوھرائی کی، اسی دوران مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا اوران کے مشورہ سے جامعہ تجوید القرآن کارساز کراچی میں قاری اسماعیل سیالوی صاحب سے تجوید القرآن کا دوسالہ کورس میں داخلہ لیا۔ تجوید کا کورس مکمل کرنے کے بعد استاذ قاری اسماعیل سیالوی صاحب کے مشورہ سے درس نظامی کی تعلیم کے لئے جامعہ نضرۃ العوم رنچھوڑلائن کراچی میں داخلہ لیااورشام کو قاری اسماعیل سیالوی صاحب کی زیر نگرانی ناظرہ کلاس جامعہ تجوید القرآن کارساز میں لیتے رہے۔ تین سال جامعہ نضرۃ العلوم میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد پنجاب کے شہر فیصل آباد میں جامعہ قادریہ رضویہ میں ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ کو داخلہ لیا۔ اور یہیں درس نظامی کی تعلیم مکمل کی۔ اسی دوران ۲۰۰۷ میں فیصل آباد کی مشہور جی سی یونیورسٹی میں ایم اے اسلامیات میں داخلہ لیا، ایم اے مکمل کرنے کے بعد فیصل آباد کی ایجوکیشن یونیورسٹی سے بی ایڈ اسپیشل ایجوکیشن میں داخلہ لیا۔ بی ایڈ کرنے کے بعد ۲۰۱۱ میں ایک بار پھر جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد میں دورہ حدیث کیا۔

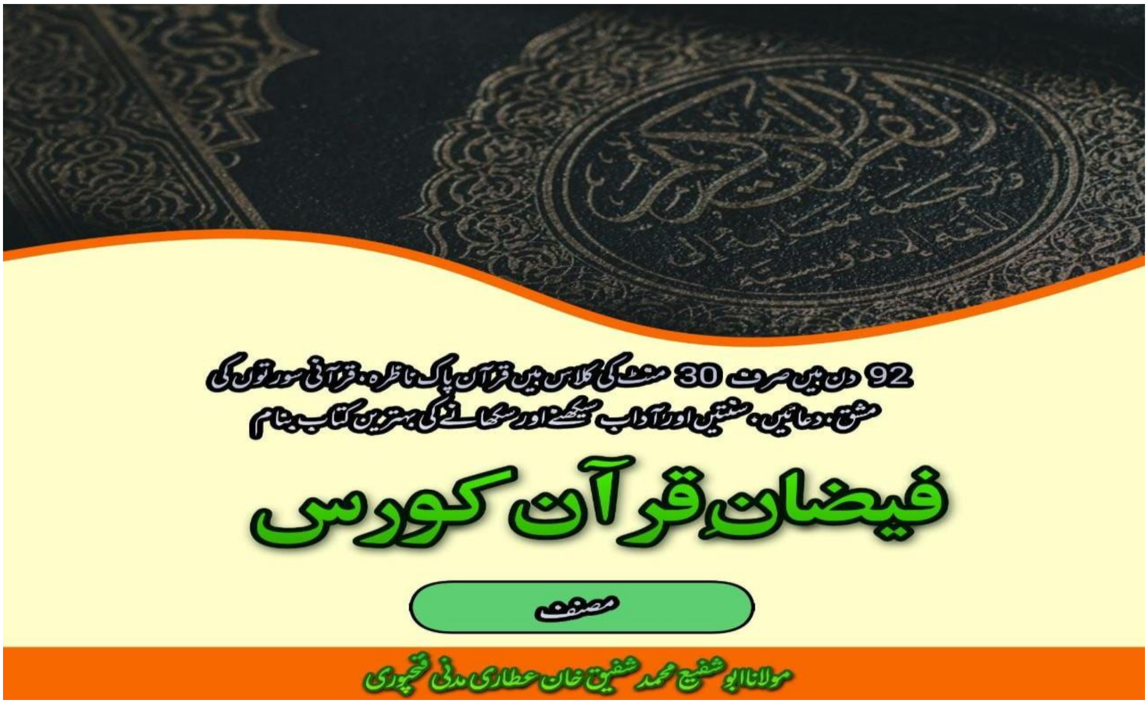
۲۰۱۳ میں تخصص فی الفقہ الاسلامی یعنی مفتی کورس میں داخلہ لیا مفتی کورس کی تکمیل کے بعد ۲۰۱۵ میں دی یونیورسٹی آف فیصل آباد میں ایم فل اسلامیات میں داخلہ لیا۔ ایم فل کی تکمیل کے بعد ۲۰۱۸ کے اواخر میں دی یونیورسٹی آف فیصل آباد میں پی ایچ ڈی اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ لیا۔ کرونا کی وبا کی وجہ سے تعلیمی اداروں کی بندش کی وجہ سے کچھ عرصہ تاخیر سے ۲۰۲۳ میں پی ایچ ڈی کی تکمیل ہوئی الحمدللہ۔ فیصل آباد میں رہائش کے دوران ۲۰۰۵ میں ملت

روڈ پر واقع گاؤں چک نمبر ۱۱۱ ج ب ڈھولنوال میں امامت وخطابت کے فرائض سر انجام دینے لگے جو کہ تاحال جاری ہیں۔ الحمدللہ

۲۰۱۳ میں مسجد کے ساتھ مدرسہ فاطمۃ الزہراء للبنات کی بنیاد رکھی جس میں بچوں اور بچیوں کو ناظرہ قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا، اور بچیوں کے لئے درس نظامی شروع کی جو کہ الحمدللہ تاحال جاری ہے اور جس میں کافی تعداد میں بچیاں عالمہ کورس مکمل کر چکی ہیں۔

جی سی یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران کمپیوٹر کی تعلیم بھی جاری رکھی جس میں ایم ایس آفس، فوٹوشاپ، ویڈیو ایڈیٹنگ، کورل ڈراو غیرہ سیکھے، شروع میں فیس بک پر کام کیا بعد ازاں یوٹیوب چینل بنایا جس میں اصلاحی ویڈیوز کے ساتھ مسائل بھی بیان کیے جاتے رہے۔ بعد ازاں کچھ فتنوں اور جھوٹے لوگوں کو بے نقاب کرنے کے لئے دو نئے چینل بنام 'علی نواز آن لائن، ڈاکٹر مفتی علی نواز شامل ہیں۔

الحمدللہ والدین زندہ ہیں ایک بھائی دو بہنیں اور پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔



کلماتِ مسرت

الحمد للہ عزوجل مجھے یہ کلمات لکھتے ہوئے بیحد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میرے مشفق و معاون الحاج **محمد رحمت نواز انصاری نقشبندی** حیدرآبادی حال مقیم شکاگو امریکہ نے میری اس تصنیف کو پسند فرمایا اور عوامِ ملّتِ اسلامیہ کے سامنے منظرِ عام پر لانے کے لئے طباعت کے تمام تر اخراجات اپنے ذمے لے کر اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

اللہ الکریم کی بارگاہِ عظیم میں دعاگو ہوں کہ موصوف اور ان کی نیک سیرت زوجہ **"اسماء نکہت قادریہ"** کی اس کوشش کو قبول فرما کر بہترین جزا عطا فرمائے اور دین و دنیا کی بھلائیاں عطا فرمائے، زمینی و آسمانی بلاؤں سے حفاظت فرمائے اور ان کی بے حساب مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

نوٹ: میں اپنے جملہ قارئین سے التجا کرتا ہوں کہ اس کتاب کی کمپوزنگ سے لے کر تصحیح تک کے سارے مراحل بنظرِ غائر طے کئے گئے ہیں لیکن بتقاضائے بشریت غلطی کا امکان موجود ہے لہذا جو بھی اس کتاب کی اغلاط سے مطلع ہو وہ اس میل ایڈی پر ضرور اطلاع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

ALINAWAZ111313@GMAIL.COM

اظہارتشکر

میں سب سے پہلے اللہ رب العزت کا بے حد شکر گزار ہوں اوراس کے پیارے رسول ﷺ کی بار گاہ میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں کہ جن کی نظر التفات سے مجھے اس مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا ہوئی۔

اس کے بعد اپنے معزز والدین کا بے حد ممنون ہوں جن کی شفقتوں اور دعاؤں نے ہمیشہ میرے ہم قدم رہتے ہوئے مجھے اس منزلِ مقصود تک پہنچنے میں مدد دی کی کہ آج مقالہ کی تکمیل پر میں عالمِ مسرت میں اظہار تشکر کر رہا ہوں۔

اپنے شفیق اساتذہ کرام میں سے بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر مطلوب احمد صاحب (صدر شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ دی یونیورسٹی آف فیصل آباد) ڈاکٹر محمد رمضان نجم باروی صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر دی یونیورسٹی آف فیصل آباد) ڈاکٹر مفتی محمد سلیم صاحب (ریسرچ آفیسر جی سی یونیورسٹی فیصل آباد) ڈاکر مفتی اعجاز احمد صاحب (مدرس جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد) جنہوں نے اپنے محققانہ اندازِ تربیت سے قدم قدم پر میری علمی رہنمائی فرمائی۔ان کے ساتھ ساتھ جملہ اساتذہ کرام کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

بالخصوص دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان حضرات کا میں مشکور ہوں جنہوں نے پی ایچ ڈی میں میرے معاون ومدد رہے جن میں سر فہرست حاجی محمد ارشد اچھی بھائی چیئرمین الحمرا ٹرسٹ، شیخ محمد جاوید ارشد ڈائیرکٹر الحمرا قرآن اکیڈمی، محمد افضل سعید چیئرمین البرھان انٹرنیشنل فیصل آباد، سیف اللہ چاچڑ ایڈمن الحمرا قرآن اکیڈمی فیصل آباد، اللہ کریم انہیں دارین میں خوشیاں عطا فرمائے۔

ان کے علاوہ اپنے تمام دوست واحباب بالخصوص ڈاکٹر مفتی خالد رضا صاحب، ڈاکٹر ظہیر اعظم صاحب (امام وخطیب ڈی ایچ اے لاہور)، علامہ کاشف مدنی صاحب، مفتی راشد محمود رضوی صاحب ودیگر کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دورانِ پی ایچ ڈی میری ہر ممکنہ مدد کی اللہ کریم ان کو فوز دارین نصیب کرے۔ آمین

علی نواز

دی یونیورسٹی آف فیصل آباد

مقدمہ

الْحَمد لله، ونحمده وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ،وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شَهَادَةً تَكُونُ لِلنَّجَاةِ وَسِيلَةً، وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِيلَةً، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ،فشيد صلوَات الله وسلامة عَلَيْهِ

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے معافی چاہتے ہیں۔ میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ایسی گواہی جو نجات کا وسیلہ اور بلندی درجات کا ضامن ہے۔ اور گواہی دیتاہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ حضور ﷺ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہوں۔

موضوع کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے جب اس دنیا کو تخلیق کیا تو اس کی بقا کا انتظام بھی ساتھ ہی کر دیا۔ بقا سے مراد صرف یہ نہیں کہ بنو آدم کے کھانے کے لئے خوراک اور پینے کے لئے پانی مہیا کیا اس کی دنیاوی واخروی کامیابی کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء ورسل کو کتب وہدایت دے کر بھیجا۔ کتب کا یہ سلسلہ قرآنِ مجید پر اختتام پذیر ہوا جب کہ رسالت کا سلسلہ نبی آخر الزمان ﷺ پر اپنی انتہا کو پہنچا۔ چنانچہ اب ہر طرح کی رہنمائی کے لئے ہمیں ان دو بنیادی ذرائع کی ہی طرف رجوع کرنا پڑے گا یعنی قرآن وسنت رسول ﷺ۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی بھی درپیش مسئلہ کے بارے میں آپ ﷺ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''معلم الکتاب والحکمۃ'' کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا ہے اور آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**۔ (الاحزاب ۳۳:۲۱) ترجمہ: تمہارے لئے نبی کی زندگی بہترین نمونہ ہے

ایمان والوں کے لئے کامیابی کی ضمانت آپ ﷺ کی پیروی کو قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کے ہر عمل کو حسنہ فرما کر ایک سند عطا کر دی کہ آپ ﷺ کا عمل خیر ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کی تعلیمات جو کہ احادیثِ کریمہ کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں اور ان میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن کو سنداً محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن انہی محدثین نے ان روایات پر عمل کر کے واضح کر دیا کہ ضعیف یا سند میں کسی کمی کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ یہ ناقابلِ عمل ہیں۔ ان پر اِن محدثین نے عمل کر کے مسلمانوں کو بتایا کہ نبی ﷺ کا ہر فعل قابل تقلید ہے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت

اللہ کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں۔ اوران کے ہر قول فعل پر عمل پیرا ہوں جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ-(الاحزاب ۲۱:۳۳) ترجمہ: تمہارے لئے نبی کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

مزید فرمایا: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ-(النساء ۸۰:۴) ترجمہ: جس نے رسول کی اتباع کی اس نے میری اتباع کی۔

اب مسلمانوں پر لازم تھا کہ ہر فعل و قول کو حجت مانتے ہوئے اس پر عمل کریں۔ لیکن مسلکی تعصب کی بناپر کچھ محققین رسول اللہ ﷺ کے معمول بہاافعال کو ناقابلِ عمل بتاتے ہیں۔ جبکہ انہی افعالِ مبارکہ کی صحابہ وتابعین اور محدثین کرام نے پیروی کی ہے اورانہیں اپنا معمول بنایا ہے۔ لہٰذا دلائل کے ذریعے ایسے لوگوں کو دعوتِ حق دینے اوران پر اتمامِ حجت اوران کی دیگر اہل اسلام عوام الناس کی خیر خواہی کے لئے صراطِ مستقیم، مذہب اسلام، قرآن وحدیث اور محدثین کے معمول بہا کو بیان کیا جائے گا۔

سابقہ کام کا جائزہ

۱۔ میری معلومات کے مطابق اس پروجیکٹ پر کسی اور یونیورسٹی میں ایم فل اور پی ایچ ڈی لیول پر کوئی کام نہیں کیا گیا۔
۲۔ حدیث نبوی ﷺ پر بہت کام ہوا ہے لیکن معمول بہا احادیث پر اعتراضات کے جوابات پر میری نظر سے کوئی کام نہیں گزرا۔

فرضیۂ تحقیق / بنیادی سوال:(Hypothesis/Basic Question)

معمول بہا احادیث پر اعتراضات اسلاف امت کے طریقہ کے خلاف مبنی بر تعصب ہے۔

منہجِ تحقیق:(Research Methodology)

۱۔ مقالے کی تحقیق کے دوران طرزِ تحقیق تجزیاتی وتنقیدی اختیار کیا گیا ہے۔
۲۔ حوالہ جات اور دیگر طریقۂ تحقیق میں دی یونیورسٹی آف فیصل آباد کے طہ شدہ Research Method کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

۳۔ مصادر و مراجع میں الف، بائی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور یونیورسٹی کے فارمیٹ پر عمل کیا گیا ہے۔

وسائلِ تحقیق:(Research Sources & Aids)

مقالے کے موضوع کے تقاضے کے مطابق لائبریریوں میں موجود ایسی کتب کا مطالعہ کیا گیا ہے، جو کہ اس سے متعلق ہیں۔ اور شیخ زبیر علی زئی کی کتب کا مطالہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتب حدیث اور شروحاتِ کتبِ حدیث کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ نیز محدثین کے اقوال سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔



باب اول

حدیث کا تشریعی مقام

فصل اول: حدیث کا معنیٰ و مفہوم اور اس کی ضرورت واہمیت

فصل دوم: حدیث کی جمع و تدوین

فصل سوم: حجیت حدیث

فصل چہارم: اقسامِ حدیث اور ان کا دائرہ کار

فصل اول

حدیث کا معنیٰ ومفہوم اوراس کی ضرورت واہمیت

حدیث کی تعریف

حدیث کی لغوی تعریف:

حدیث کا لفظ لغت میں جدید اور خبر کے معنٰی میں آتا ہے۔

الحدیث: نقیض القدیم، و الحدیث: الخبر یاتی علی القلیل و الکثیر، و یجمع علی احادیث علی غیر قیاس۔

حدیث، قدیم کی ضد ہے اور حدیث کا خبر پر اطلاق کیا جاتا ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور اس کی جمع خلافِ قیاس احادیث آتی ہے۔

قرآن کریم میں حدیث کا لفظ متعدد معانی میں ملتا ہے۔

(۱)۔۔۔اخبار و آثار: أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ۔ کیا تم انہیں خبر دیتے ہو جو اللہ نے تمہارے اوپر کھولا۔

(البقرہ۷۶:۲)

(۲)۔۔۔قول اور کلام: وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا۔ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔(النسا۸۷:۴)

(۳)۔۔۔قرآن: فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ۔ تو اس جیسا قرآن تو لے آئیں۔(الطور۳۴:۵۲)

(۴)۔۔۔عبرت والا قصہ: اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ۔ اللہ نے بہترین قصہ نازل فرمایا۔(الزمر۲۳:۳۹)

(۵)۔۔۔عبرت: فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ۔ تو ہم نے انہیں کہانیاں بنادیا۔(سبا۱۹:۳۴)

حدیث کی اصطلاحی تعریف:

ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر او وصف خلقی او خلقی او اضیف الی الصحابی او التابعی۔ ہر وہ قول، فعل، اقرار یا خِلقی اور خُلقی وصف جس کی نبی کریم ﷺ یا صحابی یا تابعی کی طرف نسبت ہو۔

(عتر، نور الدین، الدکتور: منہج النقد، دار الفکر دمشق، ۱۹۷۹ء، ص:۲۷)

سنت کی تعریف:

سنت، لغت میں طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں، خواہ اچھی ہو یا بری ہو۔

السنة :الطريقة ,والسنة السيرة حميدة كانت اوذميمة والجمع سنن مثل غرفة وغرف۔ سنت لغت میں طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں خواہ اچھی ہو یا بری اور جمع اس کی سنن ہے۔(الحموی، احمد بن محمد بن علی، الفیومی، المصباح المنیر، مکتبہ لبنان، ۱۹۸۷ء، ۱۱۱/۲)

حدیث رسول ﷺ میں بھی سنت کا طریقہ پر اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ» جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس طریقے کا اور جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے، سب کے برابر اسے ثواب ملے گا، اور ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی، اور جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا تو اس برے طریقے کا اور جتنے لوگ اس برے طریقے پر عمل کریں گے سب کا گناہ اس پر ہو گا، اور ان کے گناہوں میں کمی نہیں ہو گی۔

(القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ، مکتبہ دارالسلام، ریاض، ۲۰۱۰ء، رقم الحدیث:۱۰۱۷)

سنت کی اصطلاحی تعریف:

محدثین کی اصطلاح میں سنت، حدیث کا مترادف ہے یعنی دونوں کی ایک ہی تعریف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:والمراد بالسنة ماجاءعن النبی ﷺ من اقواله وافعاله وتقریره وماهم بفعله۔ اور سنت سے مراد وہ اقوال، افعال، تقریرات اور ارادے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔(ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، الحافظ،: فتح الباری شرح صحیح البخاری، المکتبۃ السلفیہ، س ن، ۲۴۵/۱۳)

اور بعض محدثین نے سنت کی تعریف میں صحابہ و تابعین کے اقوال کا اضافہ کر کے سنت کو بالکل حدیث کی تعریف کے مساوی بنادیا ہے چنانچہ ڈاکٹر ابو شھبہ لکھتے ہیں:وزادبعضهم :واقوال الصحابة والتابعین وافعالهم۔ اور بعض، صحابہ و تابعین کے اقوال وافعال کا (سنت کی تعریف میں) اضافہ کرتے ہیں۔

(ابو شھبہ، محمد بن محمد، الدکتور: الوسیط فی علوم ومصطلح الحدیث، مکتبہ عالم المعرفہ ۱۹۸۳ء، ۲۶)

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ سنت اور حدیث ایک شئ ہیں لہٰذا جو تعریف حدیث کی ہو گی وہی سنت کی بھی تعریف ہو گی۔

خبر کی لغوی تعریف:

لغت میں خبر اس شئ کو کہا جاتا ہے جسے نقل کیا جائے اور بیان کیا جائے۔ جیسے المصباح المنیر میں ہے:

اسم ماينقل ويتحدث به خبر،والجمع اخبار۔ایسااسم جسے نقل کیاجائے اوربیان کیاجائے،اوراس کی جمع اخبارہے۔(الحموی،احمد بن محمد،الفیومی:المصباح المنیر، مکتبۃ لبنان،۱۹۸۱ء،۱/ ۱۶۲)

خبر کی اصطلاحی تعریف میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول:

جمہور محدثین کے نزدیک خبر اور حدیث میں ترادف ہے یعنی دونوں کامطلب ایک ہے،جیساکہ نزہۃ النظر میں ہے: (الخبر)عندعلماء هذاالفن مرادف للحديث۔لھٰذااس قول کے اعتبار سے جو حدیث کے اطلاقات ہوں گے وہ خبر کے بھی ہوں گے۔(ابن حجر عسقلانی،احمد بن علی،الحافظ ،العسقلانی:نزھۃ النظر، مکتبۃ البشریٰ،۲۰۱۱ء،ص۳۴)

دوسرا قول:

بعض کے نزدیک خبر اور حدیث میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جیساکہ حافظ ابن حجر نے کہا:

وقيل بينهماعموم وخصوص مطلق فكل حديث خبرمن غيرعكس۔اور بعض نے قول کیاکہ ان (خبر اور حدیث) کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے،لھٰذاہر حدیث خبر توہے لیکن ہر خبر حدیث نہیں ہے۔

(ابن حجر عسقلانی:نزھۃ النظر، ص۳۷)

یعنی حدیث خاص ہے اور خبر عام ہے،حدیث، رسول ﷺ کے اقوال اورافعال وغیرہ کو کہتے ہیں جبکہ خبر کااطلاق آپ ﷺ کے اقوال وافعال کے علاوہ صحابہ وتابعین کے اقوال پر بھی ہوتاہے۔

تیسرا قول:

اور بعض خبر اور حدیث کے درمیان مباینت کے قائل ہیں،یعنی حدیث کااطلاق نبی ﷺ سے مروی پر ہوتاہے جبکہ خبر کااطلاق رسول اللہ ﷺ کے غیر سے مروی پرہوتاہے،حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:وقيل:الحديث ماجاءعن النبی ﷺ والخبر ماجاءعن غيره۔اور بعض کاکہناہے کہ حدیث نبی کریم ﷺ سے مروی کو جبکہ خبر آپ ﷺ کے غیر سے مروی کو کہاجاتاہے۔(ابن حجر عسقلانی:نزھۃ النظر، ص۳۴)

اس قول کی تائید میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ومن ثم قیل لمن یشغل بالتواریخ وماشاکلھا الاخباری ولمن یشغل بالسنة النبویة المحدث۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ تاریخ اور اس جیسے امور میں شغل رکھنے والے کو اخباری اور سنت نبویہ میں شغل رکھنے والے کو محدث کہا جاتا ہے۔ (ابن حجر عسقلانی: نزھۃ النظر، ص ۳۴)

اثر کی تعریف:

اثر لغت میں شی کے باقی رہ جانے والے نشان کو کہا جاتا ہے، اور اس کی جمع آثار آتی ہے۔

والاثر (بتحریک ثاء) مابقی من رسم الشیٔ۔ اور اثر (ثاء کی حرکت کے ساتھ) شیٔ کے باقی ماندہ نشان کو کہتے ہیں۔

(ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی: لسان العرب، دار صادر، س ن، ۴/ ۵)

اثر کی اصطلاحی تعریف: مصطلح الحدیث میں اثر کے دو طرح کے اطلاقات ملتے ہیں:

پہلا اطلاق:

اثر، حدیث کا ہم معنٰی ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ محدثین نے خود کو اثری کا لقب دیا ہے چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ویسمیٰ المحدث اثریا نسبة للاثر۔ اور محدث کو اثر کی نسبت سے اثری کہا جاتا ہے۔

(السیوطی، جلال الدین، الحافظ: تدریب الراوی، مکتبۃ الکوثر، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۱۴ھ، ص ۲۹)

اسی طرح حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب کا نام نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر اور امام طحاوی نے مشکل الآثار رکھا ہے۔

دوسرا اطلاق:

دوسرے اطلاق کے مطابق اثر اور حدیث میں فرق ہے، حدیث نبی کریم ﷺ سے منقول اقوال اور افعال وغیرہ کو کہا جاتا ہے جبکہ اثر کا اطلاق صحابہ و تابعین کے اقوال وافعال پر کیا جاتا ہے، اسی لئے شرح نخبۃ الفکر میں ہے: (ویقال للآخرین) ای الموقوف والمقطوع (الاثر)۔ (۱۸) اور دوسروں نے کہا کہ اثر کا اطلاق صحابہ و تابعین اقوال پر کیا گیا ہے۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الحافظ: نزہۃ الفکر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، مکتبۃ سفیر، الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۲ھ، ص ۱۴۵)

حدیث نبوی کی ضرورت و اہمیت:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ تمام شعبہ ہائے حیات میں کامیاب عملی رہنمائی کا نظام ہے۔ اسلام ہی اللہ رب العزت کے ہاں مقبول دین ہے۔ اس دین کے علاوہ دوسرا کوئی نظام اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں۔ قرآن کریم میں رب العالمین

کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے وہ اس سے دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔ (آل عمران ۸۵:۳)

اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اس نظریاتی و عملی دین کا مکمل نمونہ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسلام کے اساسی اصول اور بنیادی تعلیمات تو قرآن میں موجود ہیں جبکہ اس کی تشریح و توضیح رسول اللہ ﷺ کی سنت اور احادیث مبارکہ ہیں یہ تشریح و توضیح آپ کی ذاتی سوچ و فکر پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بھی الہامی ہے۔

حدیث اور علم حدیث کا موضوع رسول کریم ﷺ کی ذات جامع صفات ہے جملہ احادیث نبویہ میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور حالات و اسوہ کا بیان ہے جبکہ اس علم حدیث کے حاصل کرنے کی غرض و غایت اطاعت رسول ہے، جس کا حکم اللہ کریم نے خود قرآن میں دیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ۔ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل مت کرو۔ (محمد ۳۳:۴۷)

نبی علیہ السلام کے ارشادات آپ ﷺ کی ذات کی طرح ہی واجب الاحترام ہیں۔ قرآنی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر کا اپنے اپنے دور میں یہی مقام رہا ہے۔ جیسا کہ رب کائنات کا ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ اور ہم نے رسول اسلئے بھیجے ہیں کہ ان کی اللہ کے اذن سے اطاعت کی جائے۔ (النساء ۶۴:۴)

ہر پیغمبر اسی لیے مبعوث کیا جاتا ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے بعض انبیاء پر الہامی کتب نازل ہوئیں جیسے توریت، زبور، انجیل، قرآن اور بعض پر صرف احادیث نازل ہوئیں۔

وہی ان کی شریعت تھی جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یونس علیہ السلام، لوط علیہ السلام، ھود علیہ السلام اسی قسم کے انبیاء تھے جن پر بظاہر احادیث کے سوا کچھ بھی نازل نہیں ہوا۔ ان احادیث کی روگردانی کی وجہ سے ان امتوں پر عذاب نازل کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف ان دونوں قسموں کی وحی نازل فرمائی گئی ہے: إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ۔ ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح نوح اور ان کے بعد آنے والے انبیاء پر نازل ہوئی۔ یعنی قرآن بھی نازل فرمایا گیا اور حدیث و سنت بھی۔ (النساء ۱۶۳:۴)

قرآن مجید میں اکثر، اللہ کی اطاعت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو بھی ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور کہیں صرف رسول کی اطاعت و پیروی کا ہی حکم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دینی نقطہ نظر سے قرآن کے پہلو بہ پہلو اسلام اور فقہ تقنین

کا دوسرا سرچشمہ یا مصدر ثانی جس سے ایمان و عمل کے تقاضے مکمل ہوتے ہیں وہ اطاعت رسول ﷺ ہے۔ جس کا واحد ذریعہ ہمارے پاس احادیث رسول ﷺ ہیں۔

حدیث کا مقام و مرتبہ:

ہم تک پہنچنے میں حدیثِ رسول ﷺ کے مقام و مرتبہ میں کئی چیزیں آجاتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر درج ذیل ہے۔

حدیث وحی الٰہی ہے:

حدیث رسول کی الہامی حیثیت مسلم ہے۔ جس پر قرآن خود شاہد ہے کہ رسول ﷺ کے فرامین بھی وحی الٰہی ہیں۔ سورہ النجم میں فرمان باری ہے: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۔ رسول اکرم ﷺ اپنی خواہش سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ ﷺ پر بھیجی جاتی ہے۔ (النجم ۴،۳:۵۳)

اس کی وضاحت میں مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: دین کے باب میں (رسول اللہ ﷺ) جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی کے بغیر نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی ہے اور واجب الاتباع ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علماء نے قرآن کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہا ہے۔

(الفلاح، محمد عبدہ: تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف، ناشرانِ قرآن مجید و تاجران کتب، لاہور، س ن، ص ۶۲۸)

وحی متلو اور وحی غیر متلو:

وحی متلو سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جائے یعنی قرآنی متن کی صورت میں ہے۔ جبکہ وحی غیر متلو وہ وحی ہے جس کی باقاعدہ تلاوت نہ کی جائے اور یہ نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا رضائے الٰہی کے مطابق کلام ہو۔ وحی کی ان دونوں قسموں کا نبی کی زبان سے ادا ہونے کے بعد ایک مسلمان سے تقاضا ہے کہ ان دونوں پر نظریاتی اور عملی ایمان لائے کیونکہ جیسے قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے ویسے ہی اس کی مثل پر بھی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ، وَمِثْلَهُ مَعَهُ سن لو مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے۔ (ابوداود، سلیمان بن اشعث: سنن ابی داؤد، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۴۶۰۴)

رسول اکرم ﷺ کا منصب قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ اسی طرح ہم نے تم میں بھیجے ہیں رسول جو تم پر ہماری

آیات تلاوت کرتے ہیں اور تمہارا تزکیہ نفس اور تمہیں کتاب و حکم سکھاتے ہیں اور وہ سکھاتے ہیں جس علم کو تم نہیں جانتے تھے۔(البقرہ۱۵۱:۲)

یہاں چار واضح اور جداگانہ فرائض کی ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو سونپے گئے ہیں:

ا۔ تلاوتِ آیات:

رسول اللہ ﷺ کا پہلا فرض بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات قرآنی کو جوں کا توں بندگانِ خدا تک پہنچادیں۔ یہ فریضہ تلاوت آیات کی دائیگی اللہ تعالیٰ کو قاصدانہ انداز میں مطلوب نہیں کہ ایک ڈاکیہ کی طرح پیغام کی ترسیل کی جائے بلکہ پیغمبرانہ اور داعیانہ انداز سے اس کی ادائیگی مطلوب ہے کیونکہ اگر نبی کی پوزیشن محض پیغام پہنچانے کی ہوتی تو بس ان کا کام یہیں ختم ہوجاتا اور آگے کی ساری ذمہ داریاں مخاطبین پر عائد ہوجاتیں لیکن اس کے ساتھ اور کام بھی مطلوب ہے اور وہ ہے تعلیم کتاب۔

۲۔ تزکیہ نفس:

تلاوتِ آیات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں لوگوں کا تزکیہ نفس بھی شامل کیا گیا تھا۔ جس کا ذکر کئی مقامات پر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے تربیت اور تزکیہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حالات میسر آنے کے باوجود لوگ اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہونے سے حتی الوسع بچائے رکھتے، جیسے حضرت ابومرثد غنوی کو اندھیری رات کی تنہائی میں دعوتِ برائی ملی تو انہوں نے اسی تربیت کے نتیجہ میں صاف انکار کردیا بلکہ اگر کبھی کسی سے گناہ سرزد ہوجاتا تو علی الاعلان انی قدزنیت و انا اریدان تطھرنی۔ میں نے زنا کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے پاک کردیں۔ کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے دنیا کی سزا کو آخرت پر ترجیح دیتا۔(احمد بن حنبل، امام: مسند احمد، دارالفکر بیروت، س ن:۵/ ۳۴۷)

آج ہمارے پاس اس تربیت و تزکیہ کا ذکر کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے جس کے ذریعے ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرے کی اصلاح کرسکتے ہیں۔

۳۔ تعلیم کتاب:

قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز اس بات کی مقتضی ہے کہ اس میں اسراف الفاظ نہ ہو۔ چنانچہ تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کا تذکرہ اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ ان دونوں کی حیثیت اور نوعیت میں فرق ہے۔ تلاوتِ آیات سے سادہ زبان اور دل نشین انداز میں پیغامِ الٰہی کو بندوں کے پردہ سماعت تک پہنچا دیا گیا۔

اب ایک معلم کا کام صرف یہ نہیں کہ لوگوں کی اس سماعت کے بعد وہ ان کو تعلیم دینے کے بارے میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں ہو گیا ہے بلکہ معلم اس مطلوب تعلیم کو مخاطبین کی ذہنی سطح کے پیش نظر، مختلف اسالیب سے قابل قبول بنا کر لوگوں کے دلوں میں اتارتا ہے۔ اور اس کے متعلق تمام شکوک و شبہات کا حل پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس حقیقت کا فہم حاصل ہو جائے۔

قرآن مجید نے وحی غیر متلو کو الحکمۃ سے تعبیر کیا ہے۔ الحکمۃ (حدیث) کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں ارشاد ہے: وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْکَ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْکَ عَظِيمًا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اتاری (قرآن) اور حکمت (حدیث) اور تمہیں وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔ (النساء ۱۱۳:۴)

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے حدیث پاک (الحکمۃ) کو منزل من اللہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاذْکُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْکُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْکُمْ مِنَ الْکِتَابِ وَ الْحِکْمَةِ يَعِظُکُمْ بِهِ۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا اس کو یاد کرو۔ اور جو تم پر کتاب اور حکمت (سنت، یعنی حدیث) تمہارے سمجھانے کے لیے اتاری۔ (البقرہ ۲۳۱:۲)

محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: یہاں الحکمت سے مراد سنت ہے یعنی کتاب و سنت کی جو نعمت تم پر نازل کی ہے، اسے مت بھولو۔ یہ دونوں وحی الٰہی ہیں اور دلیل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ لھٰذا منکرِ حدیث کا وہ حکم ہے جو منکرِ قرآن کا ہے۔
(الفلاح: تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، البقرہ: ۲۳۱)

۴۔ تعلیمِ حکمت:

تعلیم حکمت کو رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں گردانا گیا ہے یہ کتاب کے ساتھ تو حکمت کا لفظ قرآن پاک کی متعدد آیات میں آیا ہے، بلکہ اسے الگ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں حکمت سے مراد سنت نبوی لیا گیا ہے۔ چنانچہ قتادہ سے مروی ہے: الحکمۃ ای السنۃ۔ ترجمہ: حکمت سے مراد سنت ہے۔

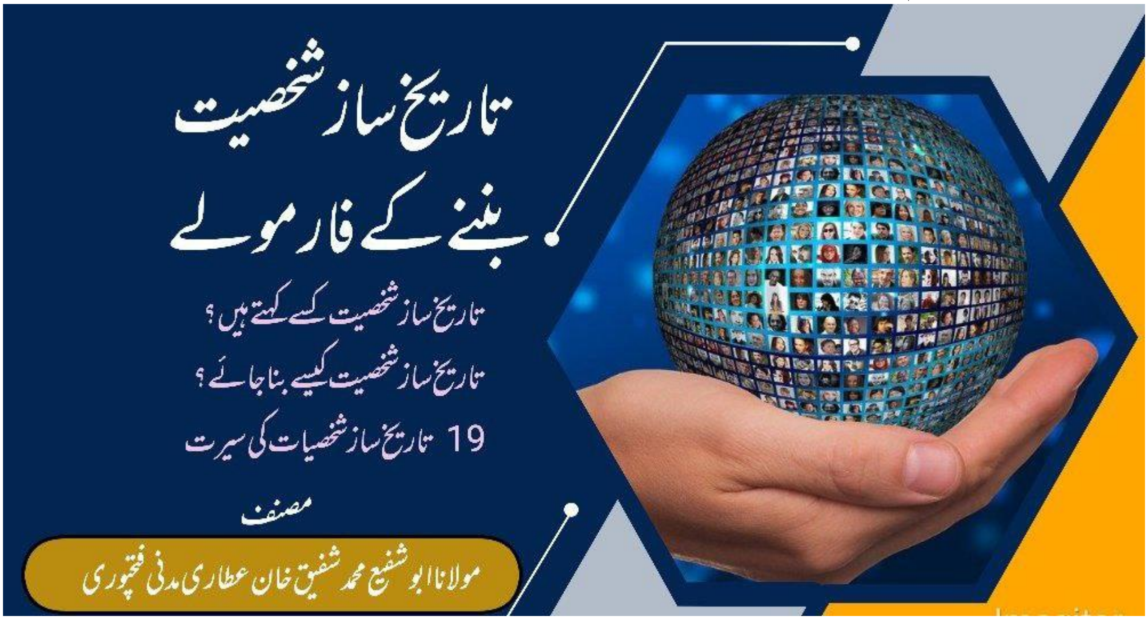
(الطبری، محمد بن جریر: جامع البیان المعروف تفسیر طبری، المکتبۃ التجاریہ، قاہرہ، س ن، ۳۴۷/۳)

امام شافعی فرماتے ہیں: سمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن ان يقول الحكمة سنة رسول الله ـ ترجمہ: میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جنہیں میں پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت ہی ہے۔

(شافعی، محمد بن ادریس، امام: ارسالہ، دارالتراث، قاہرہ، ۱۹۸۵ء، ص ۷۸)

خلاصہ تحقیق:

- اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اس نظریاتی و عملی دین کا مکمل نمونہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات گرامی ہے۔
- حدیث کا لفظ لغت میں جدید اور خبر کے معنیٰ میں آتا ہے۔
- ہر وہ قول، فعل، اقرار یا خِلقی اور خُلقی وصف جس کی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یا صحابی یا تابعی کی طرف نسبت ہو، وہ حدیث ہے۔
- حدیث اور علم حدیث کا موضوع رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات جامع صفات ہے
- نبی علیہ السلام کے ارشادات آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات کی طرح ہی واجب الاحترام ہیں۔
- سنت، لغت میں طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں، خواہ اچھی ہو یا بری ہو۔
- جمہور محدثین کے نزدیک خبر اور حدیث میں ترادف ہے یعنی دونوں کا مطلب ایک ہے۔
- اثر، حدیث کا ہم معنیٰ ہے۔



فصل دوم

حدیث کی جمع وتدوین

شریعتِ اسلامیہ کا ماخذ:

حدیث رسول ﷺ شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا قانونی ماخذ ہے۔ قرآنِ مجید پڑھنے سے کئی مقامات پر حدیثِ رسول ﷺ کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی طرح اس کی حیثیت بھی مسلم ہے۔اس کا انکار گویا قرآنِ مجید کا انکار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ وہ انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ (البقرہ ۲:۱۲۹)

حکمت سے یہاں حدیثِ رسول ﷺ ہی مراد ہے۔ اکثر ائمہ حدیث اور علمائے سلف نے یہی مراد لی ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب الرسالہ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وحی کی اطاعت فرض کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع ضروری قرار دی ہے۔ آیتِ قرآنی ربنا وابعث فیھم رسولا میں اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت (حدیث) ہے۔ (شافعی، محمد بن ادریس: الرسالہ، دارالتراث، القاہرہ، ۱۳۵۸ھ، ص:٦٧)

ایک اور مقام پر رب العلمین نے فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم ۵۳:۴) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (النجم ۵۳:۴) وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے وہ تو ایک پیغام ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۵۹:۷)۔ اور جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں رُک جاؤ۔

اس قسم کی کئی اور آیات قرآنی سے احادیث رسول ﷺ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ محدثین عظام اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث کی کتابت رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور آپ ﷺ ہی کے حکم سے شروع ہو گئی تھی۔ اس مضمون میں پیغمبر اسلام ﷺ کی کراہت کتابت حدیث اور اباحتِ کتابتِ حدیث سے متعلق ارشادات درج کیے گئے ہیں اور ان پر فنی نکتہ نگاہ سے بحث کر کے دونوں حکموں میں تطبیق دی گئی ہے۔ سب سے پہلے وہ احادیث درج کرتے ہیں جن میں کتابت کے بارے میں کراہت پائی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے سن کر قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو۔ کسی نے قرآن کے علاوہ کوئی چیز لکھی ہو وہ مٹا دے۔ ہمام کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے متعمدا فرمایا یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

(القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء:: رقم الحدیث:۱)

عدمِ کتابتِ حدیث کی سب سے بڑی دلیل مندرجہ بالا حدیث ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین اس کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول بتاتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے: **منهم اعل حديث ابی سعيد و قال الصواب وقفه علی ابی سعيد قاله البخاری۔** (ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ۱، ۱۸۵)

کچھ لوگوں نے حدیثِ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ و کو معلول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابی سعید رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یہ بات امام بخاری نے کہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ بات نہ ہو تو بھی الفاظِ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے قرآن کے ساتھ کسی بھی چیز کو ملا کر نہ لکھا جائے تا کہ خلط ملط نہ ہو جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر احادیث بھی بیان کر دی جائیں۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اور سند کے ساتھ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ یہی حدیث اور مقام پر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ (ترمذی، ابوعیسی، محمد بن عیسیٰ: سنن ترمذی، المیزان، لاہور، ۲۰۰۴ء، ۲، ۱۰۶)

علامہ خطابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ انکے الفاظ یہ ہیں: ایک صفحہ میں قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے اس لیے منع فرمایا تا کہ التباس نہ ہو اور قاری پر مشتبہ نہ ہو۔ (الخطابی، ابوسلیمان احمد بن محمد البُستی: معالم السنن، دار معرفۃ، بیروت ۱۴۰۰ھ، ۱، ۲۴۶)

اس بارے میں ابن صلاح کا مؤقف بھی واضح ہے: میرا خیال ہے کہ آغازِ ہجرت میں ممنوع تھا بالخصوص اس وقت جب کہ اس میں لگ کر قرآن سے ہٹ جانے کا امکان تھا۔ (ابن صلاح، عثمان بن عبدالرحمٰن: علوم الحدیث، فاروقی کتب خانہ، ملتان، س ن، ص ۹)

صحیفہ ہمام بن منبہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے: کہ یمن سے نومسلموں کی جماعت آئی۔ ان میں سے کچھ نے احادیث کو اپنے ان اوراق پر لکھ لیا جن پر قرآنِ مجید کی سورتیں لکھی تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے علاوہ (جو کچھ لکھا) اس کو مٹا دو۔ یہ بات واضح ہے کہ نومسلم لوگ اس اختلاط سے الجھ جاتے ہیں۔ (ہمام بن منبہ: الصحیفۃ الصحیحہ بتحقیق ڈاکٹر حمید اللہ، ناشر رشید اللہ یعقوب، کراچی، طبع جدید ۱۹۹۸ء، ص ۱۸)

علاوہ ازیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اور بھی کئی طرح سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ مثلا اہل عرب کا حافظہ بہت معروف تھا۔ اس وجہ سے اس شخص کو لکھنے سے روکا جس کے حافظے پر اعتماد تھا۔ ہم اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیں کہ بعض محدثین کے نزدیک یہ منسوخ ہے۔(محمد علی، مولانا: علوم الحدیث اور امام اعظم، دار العلوم الشہابیہ، سیالکوٹ، س ن، ص ۸۶)

علامہ احمد شاکر نے بھی حدیثِ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بالکل ابتداء میں بیان کرتے ہوئے کتابت کے متعلق لکھا ہے کہ پوری امت کا مجتمع ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ فیصلہ یہی ہے اور تواتر سے ثابت ہے، اگر حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ ان (کتابت) احادیث کے بعد ہوتی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتہ ہوتا۔

(احمد شاکر: الباعث الحدیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ص ۱۳۳)

حدیثِ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر تبصرہ:

دَخَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَسَأَلَهُ عَنْ حَدِيثٍ فَأَمَرَ إِنْسَانًا يَكْتُبُهُ، فَقَالَ لَهُ زَيْدٌ: «إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا أَنْ لَا نَكْتُبَ شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِ» فَمَحَاهُ۔(ابوداود، سلیمان بن اشعث السجستانی، امام: السنن، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۳۶۴۷) حضرت زید بن ثابت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے پاس گئے۔ انہوں نے زید رضی اللہ عنہ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھا اور کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ لکھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی احادیث لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ تو اُس نے ان کو مٹا دیا۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے اس میں کثیر بن زید حزنی پر کلام کیا گیا ہے۔(عظیم آبادی، شمس الحق، ڈیانوی: عون المعبود شرح ابی داود، ۳ نشر السنہ، ملتان، س ن: ۳۵۶) اس کے علاوہ مطلب بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ سے مرسل روایت بیان کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: کثیر بن زید حزنی کثرت سے تدلیس کرنے والا اور مرسل روایت کرنے والا اور طبقات کے چوتھے درجے سے ہے۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: تقریب التہذیب، دار المعرفۃ، بیروت، س ن، ۲، ۲۵۴)

اس حدیث پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں دو راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں ہے۔ جب احادیث بیان کرنے والے ہی اس حدیث کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے تو اور کسی کو کیا حق حاصل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر تبصرہ:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الشَّهْرُ هَكَذَا» ، وَوَصَفَ شُعْبَةُ، عَنْ صِفَةِ جَبَلَةَ، عَنْ صِفَةِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ، فِيمَا حَكَى مِنْ صَنِيعِهِ مَرَّتَيْنِ بِأَصَابِعِ يَدَيْهِ، وَنَقَصَ فِي الثَّالِثَةِ إِصْبَعًا مِنْ أَصَابِعِ يَدَيْهِ۔(نسائی، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب: السنن النسائی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۲۱۴۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ (انگلیوں کے اشارے سے) اس طرح، اس طرح اور اس طرح ہے اور تیسری دفعہ انگوٹھے کو بند کر لیا۔(۲۹ دن کی طرف اشارہ کیا)

اس حدیث کا کتابتِ حدیث کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔۔اس کو اگر کتابتِ حدیث پر لاگو کیا جائے تو قرآن مجید کی کتابت پر بھی اسکا اطلاق ہو گا۔ اصل میں یہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں لکھنے کا رواج کم ہے۔ ہم مہینے کے دنوں کی گنتی اس طرح سے انگلیوں پر کر لیتے ہیں۔ زیادہ تر عرب لوگوں کا رجحان حافظے پر تھا۔ گھوڑوں کی نسلوں کے ان کو نسب یاد ہوتے تھے۔ لکھنے کو وہ انسان کے حافظے کی کمزوری کی علامت سمجھتے تھے۔۔بلکہ ان کی ضرب المثل تھی: العلم فی الصدورلیس فی السطور۔ اصل علم سینوں میں ہے تحریر میں نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عمر بن ابی ربیعہ کا قصیدہ اس سے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیا تھا جس کے (۸۰) اسی شعر تھے۔(عبدالستار، شیخ: الحفاظ والمحدثین عبر ربعۃ عشر قرنا، دارالقلم دمشق، الدار الشامیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۲/۴۳۵)

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کو نبی الامی کا لقب دیا ہے۔(الاعراف ۷:۱۵۸) اور بعث فی الامیین رسولا کہا ہے۔ (الجمعۃ ۶۲:۲)

لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے پاس کاتبین وحی موجود تھے جن سے رسول اللہ ﷺ خود قرآن مجید لکھوایا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی عرب میں لکھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ یوں معلوم ہوا کہ یہ حدیث کتابت سے متعلق نہیں بلکہ ویسے مہینے کے دنوں کی گنتی کے متعلق ہے۔ اس کو کسی محدث نے بھی کتابتِ حدیث میں درج نہیں کیا۔

کتابتِ حدیث کا جواز:

اب ہم ان احادیث کا جائزہ لیتے ہیں جن میں احادیث کی کتابت کا حکم ہے یا جن کی رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے مستحسن قرار دیا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے فتح مکہ کے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے میں بنولیث کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل (یا اصحاب) فیل کو روک لیا (راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیل کا لفظ استعمال کیا یا قتل کا) رسول اللہ ﷺ کو اور اہل ایمان کو اہلِ مکہ پر مسلط کر دیا۔ حرم کو نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال کیا جائے گا۔ میرے لیے دن کے چند گھنٹوں کے لیے حلال کیا گیا اور پھر حسبِ سابق حرام ہو چکا ہے۔

حدود حرم میں نہ کانٹوں کو توڑا جائے، نہ درختوں کو کاٹا جائے۔ نہ یہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس شخص کو اجازت ہے جو گری ہوئی چیز کو شہرت دینا چاہتا ہو (لوگوں کو بتائے تاکہ مالک لے لے) جس قوم کا کوئی شخص مارا جائے اس کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو قاتلوں سے قصاص لے یا دیت لے۔ اس پر اہل یمن میں سے ایک شخص ابوشاہ نے عرض کیا: اکتب لی یا رسول اللہ ﷺ اے اللہ کے رسول ﷺ (یہ باتیں) میرے لیے لکھ دیجئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا لابی شاہ۔ ابوشاہ کو لکھ دو۔ (بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۲۴۳۴)

فَقَالَ العَبَّاسُ: إِلَّا الإِذْخِرَ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِلَّا الإِذْخِرَ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا صرف اذخر (گھاس کے کاٹنے) کی اجازت دے دیں، اس کو ہم گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ (بخاری: ۲۴۳۴)

اس میں رسول اللہ ﷺ کا دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو یہ حکم کہ: ابوشاہ کو لکھ دیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ ابتداء میں قرآن مجید سے اشتباہ کی بناء پر کتابت حدیث سے روکا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا یہ اُس کے بعد کا واقعہ ہے۔ گویا یہ عدم کتابت کی اجازت کے بعد کا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: «لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّي إِلَّا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لَا أَكْتُبُ» . هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

(ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ: سنن ترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۲۶۶۸)

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور صحابی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان نہ کرتا۔ وہ لکھتے تھے میں نہیں لکھتا تھا۔''

معلوم ہوا کہ کتابتِ حدیث رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی لکھتے تھے۔ ممانعت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ منع فرما دیتے جب کہ یہاں لکھنے کی صراحت موجود ہے۔

فتح الباری میں اس حدیث کے متعلق یوں لکھا ہے کہ: یہ روایت صحیح مسلم والی ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعارض ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ نہی نزول قرآن کے (دوران) التباس کی وجہ سے کی گئی ہے۔ التباس کا خطرہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔ یا ایک صفحہ پر قرآن مجید کے ساتھ کسی چیز کے لکھنے کی نفی خاص ہے اور اجازت الگ تھی۔ یا نہی مقدم ہے اور اذن ناسخ ہے۔ یا نہی اس کے لیے ہے جو صرف کتابتِ حدیث پر تکیہ کرے اور حفظ کو چھوڑ دے، دوسرے کو اجازت ہے۔ روایت ابو سعید رضی اللہ عنہ کو موقوف بھی کہا گیا ہے۔ (ابن حجر عسقلانی: فتح الباری: ۱، ۱۸۵)

صحیح البخاری کے علاوہ دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی حدیثیں بیان کی گئی ہیں جو اس موقف کو مزید تقویت دیتی ہیں۔ اگرچہ اس کی اپنی حیثیت بھی مسلم ہے۔

حدیث ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ پر تبصرہ:

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: " لاَ، إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ. قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: العَقْلُ، وَفَكَاكُ الأَسِيرِ، وَلاَ يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ "۔(بخاری:۱۱۱) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، "کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ لیکن اللہ کی کتاب یا فہم جو مسلمان آدمی کو مل جائے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، دیت، قیدی کو آزاد کرنا اور مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنا۔

اس حدیث کی صحت پر گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں اس کا موجود ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ بخاری کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی حدیث مروی ہے۔ اس میں سراقہ بن مالک مدلجی کا واقعہ ہے کہ اس نے آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ قریب گیا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی اور امن کا خط لکھنے کو کہا، آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا، اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ (بخاری:۳۶۰۹)

یہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کا ہے اگر کتابت کی بالکل ممانعت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کیوں اس کو امن کا پروانہ لکھ کر دیتے؟ یہ حدیث کتابتِ حدیث پر صریح دلیل ہے۔اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن مالک کو کسریٰ بن ہرمز کے کنگن پہنانے کی بھی پیش گوئی فرمائی ہے۔جس کا ذکر کتب حدیث میں تفصیل سے ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اكْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالإِسْلاَمِ مِنَ النَّاسِ»،فَكَتَبْنَا لَهُ أَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةِ رَجُلٍ، فَقُلْنَا: نَخَافُ وَنَحْنُ أَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا ابْتُلِينَ۔ (بخاری:۳۰۶۰)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:لوگوں میں سے جو آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے،اس کا نام لکھ لو۔تعمیلِ حکم میں ہم نے ایک ہزار پانچ سو(۱۵۰۰) آدمیوں کے نام لکھے۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔وہاں یہ الفاظ ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شمار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ آپ ﷺ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں جب کہ ہم چھ سات سو تک ہیں۔(مسلم:۲۳۵)

دونوں احادیث اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔مسلم شریف کی حدیث کے مطابق چھ سات سو صرف مدینہ کے آدمی تھے اور پندرہ سو کی تعداد میں مدینہ کے علاوہ ارد گرد کے مسلمان بھی شامل ہیں۔

(نووی،یحییٰ بن شرف،ابوزکریا:شرح صحیح مسلم،نور محمد اصح المطابع، کراچی،۱۹۵۶ء:۱/۸۴،بخاری مع حاشیہ احمد علی سہارنپوری،نور محمد اصح المطابع، کراچی،۱۹۶۱ء،۱/۴۳۰)

اس حدیث کی صحت کے بارے میں بھی شک کا کوئی امکان نہیں۔رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا اور پھر باقاعدہ لکھا گیا۔اگر ممانعت ہوتی تو نہ آپ ﷺ حکم دیتے اور نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لکھتے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ «أَنْ يَتَعَلَّمَ كِتَابَ اليَهُودِ» حَتَّى كَتَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُتُبَهُ، وَأَقْرَأْتُهُ كُتُبَهُمْ-(بخاری:۷۱۹۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے یہود کی لکھائی (عبرانی) سیکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ میں نے ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے خطوط لکھے اور جو خط وہ رسول اللہ ﷺ کو لکھتے وہ انہیں پڑھ کر سناتے۔

رسول اللہ ﷺ کے خطوط آپ ﷺ کی حدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہوا۔ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں باقاعدہ فوجیوں کے نام درج کر کے ان کو جنگوں میں لڑنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔یہ کام بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی موجودگی میں کرایا۔اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے خطوط

اور معاہدات ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے دیگر قوموں سے کیے، وہ بھی گویا آپ ﷺ کے اپنے لکھوائے ہوتے تھے۔ ممانعت کی صورت میں ان کا لکھوانے کا جواز ہی نہیں تھا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ: سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلاَ تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ» ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، وَخَرَجَتِ امْرَأَتِي حَاجَّةً، قَالَ: «اذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ»(بخاری:۳۰۰۶)حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کوئی آدمی کسی غریب محرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے اور نہ اکیلی عورت سفر کرے۔ جب بھی عورت سفر کرے محرم ساتھ ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہو گیا کہنے لگا، یارسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں درج کیا گیا ہے اور میری بیوی حج کرنے چلی گئی"۔ آپ ﷺ نے فرمایا" جا اور اس کے ساتھ حج کر۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی حدیث پر تبصرہ:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان دونوں سے صلح حدیبیہ کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سہیل بن عمرو قاصدِ قریش نے آپ ﷺ سے کہا،"ہمارے مابین آپ تحریر کر دیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا،"لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے کہا۔ رحمٰن تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا۔ آپ لکھیں" باسمک اللھم "اس پر مسلمانوں نے کہا، بخدا ہم تو پوری بسم اللہ لکھیں گے! لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لکھیں باسمک اللھم ! پھر فرمایا"ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ "یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی، سہیل نے کہا"اللہ کی قسم اگر ہم آپ ﷺ کو رسول تسلیم کر لیں تو نہ ہم آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ ہم آپ ﷺ سے لڑتے۔ آپ محمد بن عبد اللہ لکھیں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!" خدا کی قسم، میں ضرور اللہ کا رسول ہوں اگرچہ آپ لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ لکھو:"محمد بن عبد اللہ "(بخاری:۲۷۳۱)

اس حدیث کی مزید تشریح ایک اور حدیث میں ہے: ابو اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر لکھی۔ انہوں نے لکھا"محمد اللہ کے رسول"۔ مشرکوں نے کہا"محمد رسول اللہ نہ لکھیں"۔ اگر آپ رسول ہوتے تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے مٹا دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹا دیا اور ان سے صلح کر لی۔(بخاری:۲۶۹۸)

یہ تحریر آپ ﷺ نے خود اپنی موجودگی میں لکھوائی۔ اگر لکھنا ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کو بتادیتے ۔یہ آپ ﷺ کی سیاسی تحریر تھی جو اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لکھی گئی۔ قرآن کے علاوہ اگر ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت ہوتی تو اس معاہدے کو آپ ﷺ زبانی ہی رکھتے۔

آپ ﷺ نے جو خطوط لکھوائے ان کا ذکر بھی بخاری میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قیصر روم کو خط لکھا۔ جس کی تحریر یہ تھی:''" بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلاَمٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلاَمِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ، فَعَلَيْكَ إِثْمُ الأَرِيسِيِّينَ وَ: {يَا أَهْلَ الكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا، فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ} [آل عمران: ٦٤] "،''(بخاری:۲۹۴۱) اللہ رحمٰن ورحیم کے نام کے ساتھ۔ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ھرقل روم کے بادشاہ کی طرف، اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اس کے بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہوگے۔ اسلام لے آؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (پھر قرآن مجید کی آیت لکھی) ''اے اہلِ کتاب ! اس ایک حکم کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں ، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دیجئے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر حکمرانوں کے نام بھی آپ ﷺ کے خطوط ہیں۔ یہ بھی کتابتِ حدیث کا زندہ ثبوت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو چیز میں آپ ﷺ سے سنتا لکھ لیتا تھا۔ ان کو یاد کرنا چاہتا تھا۔ قریش کے لوگوں نے مجھے روکا اور کہا، ہر چیز جو تو سنتا ہے لکھ لیتا ہے ۔ رسول اللہ ﷺ انسان ہیں، خوشی میں اور غصہ میں بھی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا'' لکھو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس (زبان) سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔ (ابو دؤد:۳۶۴۶)

یہ روایت کتابتِ حدیث پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں خصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو اسلئے اجازت دی کہ وہ دیگر کتابوں اور قرآن مجید میں فرق سمجھتے تھے۔ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ

نے لکھاہے کہ یاتواس حدیث نے عدم کتابت کو منسوخ کر دیایا پھر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیگر کتب کے ماہر ہونے کی وجہ سے اجازت دیدی:

ممکن ہے آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر اس لئے اجازت دی ہو کیونکہ وہ کتبِ سابقہ پڑھ سکتے تھے۔ اور سریانی اور عربی لکھنا جانتے تھے۔ بخلاف ان کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک دوہی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اوراس میں انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروف تہجی بھی صحیح لکھنے پر قادر نہ تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں غلطی کا احتمال تھااس لیے ان کو منع کر دیااور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کواس لیے اجازت دی کہ یہاں اس قسم کا خدشہ نہ تھا۔
(ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم: تاویل مختلف الحدیث، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص ۲۶۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، "اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اجازت دیں میں آپ ﷺ کی احادیث بیان کرنا چاہتاہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "میری احادیث کو یادرکھنے کے ساتھ ساتھ لکھ لیا کرو"۔ (دارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن: سنن دارمی، دارالفکر، بیروت، س ن، ا، ۱۰۴)

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی مکمل تائید کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے خود حدیث لکھنے کی اجازت دی۔ حاکم نے اس حدیث کوبیان کرکے لکھاہے۔ "**هذاحديث حسن صحيح الاسناد،اصل فى نسخ الحديث يعنى الكتابة عن رسول الله ﷺ**۔ (حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ: المستدرک، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ا، ۱۰۵) یہ حسن حدیث صحیح الاسناد کے ساتھ ہے اور اصلا حدیث کے لکھنے یعنی رسول اللہ ﷺ سے کتابت کے بارے میں ہے۔

ابو قبیل سے روایت ہے میں نے عبدالرحمٰن بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے فرمایا، "ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد لکھ رہے تھے، جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ "دونوں شہروں میں سے کونسا شہر پہلے فتح ہو گا "قسطنطنیہ یارومیہ"؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "نہیں "بلکہ ہرقل کا شہر پہلے فتح ہو گا۔ (دارمی: سنن دارمی: ا، ۲۵۵)

یہ تمام احادیث بخاری شریف کی حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کی ہے۔ اسلیے ان کے متعلق شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرماہوتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھ کر لکھتے۔ آپ ﷺ لکھواتے، صحابہ لکھتے جاتے تھے۔ یہ املاء کی شکل تھی۔ وہ حدیث پیشِ نظر رہے جس میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ ہر بات دو تین بار دوہراتے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی عزیز ہے، ایک صحیفہ صادقہ کی وجہ سے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے لکھا تھا اور دوسرے الوھط نامی اراضی کی بنا پر جو مجھے میرے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے عطا کی تھی"۔ (دارمی: سنن دارمی، ۱/۱۰۵)

معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے خود یہ صحیفہ آپ ﷺ سے سن کر لکھا اور اس کا ذکر انہوں نے خود لکھا۔ یہ صحیفہ اس بات کا قابل اعتماد ثبوت ہے کہ احادیث آپ ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی موجودگی میں لکھی جاتی تھیں۔

اس میں دو فتویٰ بھی موجود ہیں جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ سوالات پوچھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ انہیں جوابات ارشاد فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے، یہ ہی صحیفہ صادقہ آپ رضی اللہ عنہ کے وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا۔ ظنِ غالب یہ ہی ہے کہ عمرو بن شعیب (م ۱۲۰ھ) اس صحیفہ کو زبانی یاد کر کے اس سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: تھذیب التھذیب، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن، انڈیا، س ن، ۸/۴۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر بنا کر بھیجا تو واجبات حکومت سے متعلق ایک تحریر لکھ دی۔ اس کی ابتداء اسطرح سے ہوئی ہے: أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلاَ يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ»(بخاری: ۱۴۵۰)

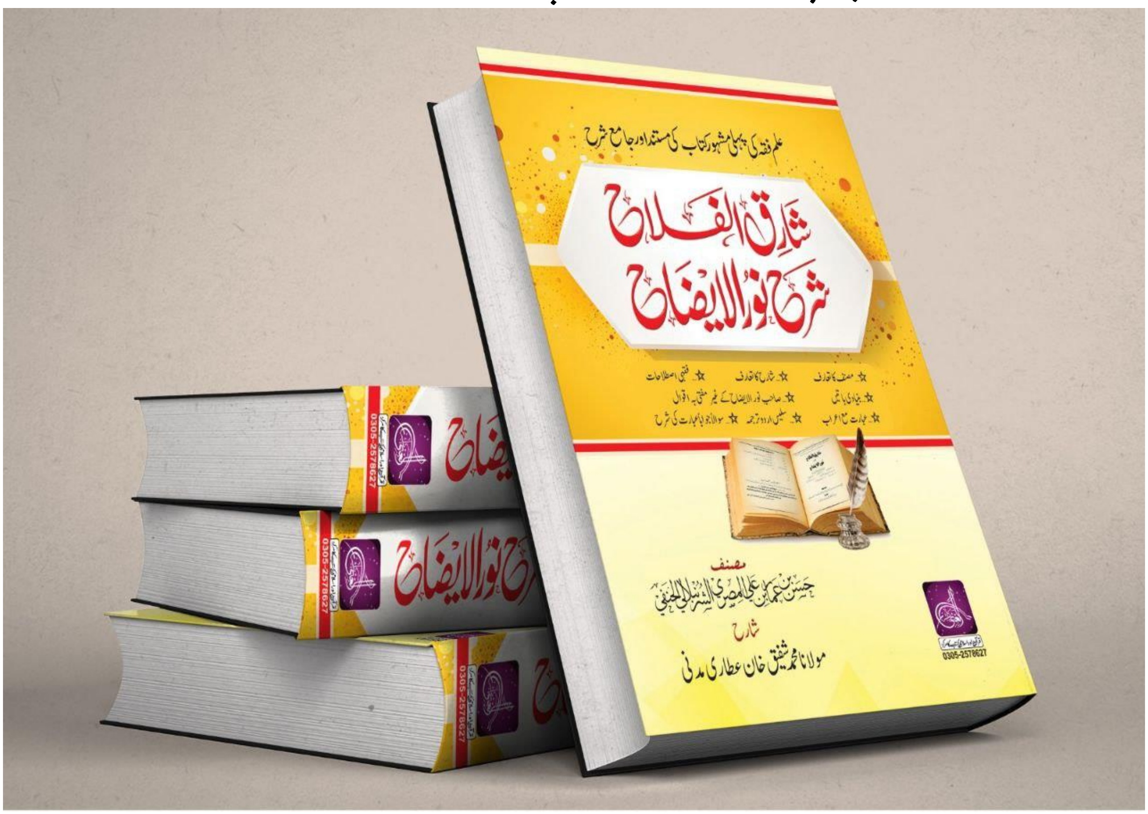
ترجمہ: بے شک ابو بکر نے وہ چیزیں لکھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے لازم کی ہیں: کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائے صدقہ کے ڈر سے اور نہ ہی جمع چیزوں کو الگ کیا جائے صدقہ کے خوف سے۔

الغرض جہاں تک عدم کتابت احادیث کا تعلق ہے ان کی اسناد سے معلوم ہو گیا کہ صرف ایک حدیث کے علاوہ باقی سب کمزور ہیں اور اس ایک کی حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کو ایک صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا، تا کہ قرآن مجید اور احادیث میں التباس نہ ہو۔ (بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود: شرح السنہ، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۷ء، ۱/۲۹۵)

خلاصۂ تحقیق:

- رسول اللہ ﷺ کا آخری حکم بلاشبہ کتابت حدیث کے جواز سے متعلق تھا۔ کیونکہ خود آپ ﷺ احادیث لکھواتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔

- آپ ﷺ کا کتابت سے روکنا صرف ایک ہی کاغذ پر قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو اکٹھا لکھنے کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن و حدیث کا فرق صحابہ رضی اللہ عنہ پر واضح ہو گیا یا جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے ہی اس فرق کا بخوبی علم تھا۔ مثلا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ، تو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو لکھنے کی عام اجازت مل گئی اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث قلمبند کیں۔
- احادیث شریف جو قرآن کریم کی تفسیر اور دین اسلام کا اساسی حصہ ہیں۔ ان کے اعتماد کو مجروح کرکے قرآن اور اسلام کی جملہ تعلیمات کو مشکوک بنانے کی خاطر علمی طور پر ایسی کمزور اور بودے دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے
- حالانکہ قرونِ اُولیٰ میں احادیث نبویہ کی حفاظت کا اصل مدار صرف کتابت پر نہ تھا۔ بلکہ حفظ حدیث، تدریسِ حدیث، تعاملِ حدیث کے ذریعے بھی حفاظت و اشاعتِ حدیث کا انتہائی قابل اعتماد بندوبست موجود تھا۔
- مزید احتیاط کے لیے کتابتِ حدیث کا بھی انتہائی ذمہ داری کے ساتھ وسیع پیمانے پر اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی حدیث نبوی پر اپنے اعتماد کی بحالی کا سامان نہیں پاتا تو کوئی حیران کی بات نہیں۔



فصل سوم

حجیت حدیث

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اقوال اورافعال کی پیروی کا حکم دیاہے چنانچہ ارشاد فرماتاہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ(النساء۴:۵۹)اے ایمان والو!اللہ کی اطاعت کرواوراس کے رسول کی اطاعت کرو۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا(الحشر۷:۵۹)رسول تم کوجو حکم دیں وہ لے لواور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي(آل عمران۳:۳۱) آپ فرمادیجئے کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ(الاحزاب۳۳:۲۲) تمہارے اعمال کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے احکام کی اطاعت اورآپ ﷺ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پرواجب ہے۔اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو حضور ﷺ کے احکام اورآپ ﷺ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہوگا؟اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگی کو ہمارے لئے نمونہ بنایاہے۔پس جب تک حضور ﷺ کی زندگی ہمارے سامنے نہ ہو ہم اپنی زندگی کو حضور ﷺ کے اسوہ میں کیسے ڈھال سکیں گے؟اورجب کہ ہمیں اسوہ رسول پر اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے،تومعلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح صحابہ کیلئے بنفس نفیس حضور ﷺ کی ذات ہدایت تھی،اسی طرح ہمارے لئے حضور ﷺ کی احادیث ہدایت ہیں اوراگراحادیث رسول کو حضورکی دی ہوئی ہدایات اورآپ ﷺ کے نمونے کیلئے معتبرماخذنہ ماناجائے تواللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پرناتمام رہے گی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رشدوہدایت کے لئے صرف "قرآن"کوکافی قرار نہیں دیا،بلکہ "قرآن"کے احکام کے ساتھ ساتھ رسول کے احکام کی اطاعت اوراس کے افعال کی اتباع کو بھی لازم قرار دیاہے اوراس کے اقوال اورافعال کو جاننے کے لئے احادیث کے سوااور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔احادیث شریفہ کواگر معتبرنہ ماناجائے تونہ صرف یہ کہ حضورکی دی ہوئی ہدایت سے ہم محروم ہوں گے،بلکہ "قرآن کریم"کی دی ہوئی ہدایت سے بھی ہم مکمل طورپر مستفید نہیں ہوسکیں گے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے "قرآن"نازل

فرمایا، لیکن اس کے معانی کا بیان اور اسکے احکام کی تعلیم حضور ﷺ کے سپرد کردی چنانچہ ارشاد فرمایا: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ(النحل ۱۶:۴۴)

ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا احکام نازل کیے گئے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ(البقرہ ۲:۱۲۹) اور رسول مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آیات کی معانی کا بیان اور کتاب و حکمت کی تعلیم صرف صحابہ کے لئے تھی۔ تو میں اولاً یہ کہوں گا کہ اسلام صرف صحابہ کا نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کا دین ہے، اس لئے جس ہدایت کی انہیں ضرورت تھی ہمیں بھی ضرورت ہے۔

ثانیاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اپنی بلندی مقام اور جناب رسالت ماب ﷺ سے قرب کے باوجود قرآن احکام کو سمجھنے کے لئے حضور ﷺ کے بیان اور آپ کی تعلیم کے محتاج تھے تو بعد کے لوگ بدرجہ اولیٰ اس بیان اور تعلیم کی طرف محتاج ہوں گے۔

ثالثاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا(الجمعہ ۶۲:۲،۳) وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں سے ایک بہت بڑا رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور بعد کے لوگوں کو جو ابھی پہلوں کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے "قرآن" کی جو تعلیم دی ہے وہ صحابہ کیلئے بھی ہے اور بعد کے لوگوں کے لئے بھی۔ پس ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کا "قرآن" کی تعلیم دینا اور آیات کے معانی بیان کرنا جس طرح صحابہ کے لئے تھا اسطرح قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے اور اگر حدیث کو معتبر نہ مانا جائے تو بعد کے لوگوں کے لئے حضور ﷺ کی تعلیم اور تزکیہ کا کس طرح ثبوت ہوگا اور اس آیت کا صدق کیسے ظاہر ہوگا؟

آپ ہی سوچئے! اگر حضور ﷺ نہ بتلاتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوٰۃ سے یہ ہیئت مخصوص مراد ہے؟ مؤذن کی اذان سے لیکر امام کے سلام پھیرنے تک نماز اور جماعت کی تفصیل ہمیں کیوں کر معلوم ہوتی؟ اسی طرح حج اور عمرہ کا بیان،

احرام کہاں سے اور کس دن باندھنا ہے ؟ وقوف عرفہ ، طواف زیارت ، وداع ان تمام احکام کی تفصیل اور تعین "قرآن" میں نہیں ملتی۔

حد یہ ہے کہ "قرآن" میں یہ بھی مذکور نہیں کہ حج کس دن ادا کیا جائے ؟ زکوٰۃ کا صرف لفظ "قرآن" میں مذکور ہے ، لیکن عشر اور زکوٰۃ کی کسی تفصیل کا "قرآن" میں بیان نہیں ، پھر ان کی شرعی ہیئت قضائی جس سے فرائض ، واجبات اور آداب کی تمیز ہو قرآن میں کہیں نہیں ملتی۔

قرآن کریم کے بیان کردہ ان تمام احکام کی تفصیل اور تعین صرف حضور ﷺ سے ملتی ہے۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بیان زبان رسالت سے حاصل ہوا اور بعد کے لوگوں کو یہ ہی بیان احادیث نبویہ سے حاصل ہو رہا ہے اور جو شخص ان احادیث کو معتبر نہیں مانتا ، اس کے پاس "قرآن" کے مجمل اور محکم احکام کی تفصیل اور تعیین کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہو گا۔

حضور ﷺ جس طرح معانی "قرآن" کے مبین اور معلم ہیں ، اسی طرح آپ ﷺ بعض احکام کے شارع بھی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آپ کی اس حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں : رسول اللہ پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے جن چیزوں کو حلال و حرام کیا ، قرآن میں کہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کا ذکر صرف احادیث رسول سے ہی ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا ، دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا اور ہمارے لئے ان احکام کا علم صرف احادیث رسول سے ہی ممکن ہے اور اگر احادیث رسول کو حجت نہ مانا جائے تو حلت و حرمت کے تمام احکام کے لئے شریعت اسلامیہ متکفل نہیں ہو گی۔

قرآن کریم کے نفس مضمون کو سمجھنے کے لئے بھی ہمیں احادیث کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ "قرآن" کی بعض آیات کا نزول کسی خاص واقعے سے متعلق ہوتا ہے ، بعض دفعہ کسی خاص سوال کے سبب سے کوئی آیت نازل ہوتی ہے اور بعض مرتبہ مشرکین یا منافقین کی کسی بات کے رد میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے ، کبھی کسی آیت میں عہد رسالت میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی صحابہ کے کسی عمل پر تنبیہ یا اس کی تائید میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک اس قسم کی تمام آیات کے پسِ منظر اور اسباب نزول کا علم نہ ہو ، ان کا کوئی واضح معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا اور اگر فہم قرآن کے لئے احادیث نبویہ کو ایک معتبر ماخذ اور حجت نہ مانا جائے تو "قرآن" کے بعض آیات ایک چیتان اور معمہ بن کر رہ جائیں گی۔

حدیث کی تشریعی حیثیت:

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیث وسنت کو دین میں حجت تسلیم نہیں کرتے۔ان کی نظر میں قرآن مجید ہی ماخذ شریعت ہے۔احادیث کی حیثیت عرب معاشرے کی عام عادات ورسوم کی سی ہے۔منکرین حدیث کا یہ نظریہ قرآن وحدیث کی اصولی تعلیمات کے سراسر منافی اورناقابل عمل ہے۔قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت وتعلیمات کو حجت قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ(الحشر۷:۵۹) اور تمہیں جو کچھ رسول دے،اسے لے لو اور جس سے روکے،رک جاؤ اوراللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

مفتی محمد عبدہ الفلاح اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:اس آیت نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ایک مستقل تشریع کی حیثیت دی ہے اوراسے قرآن کی موافقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا جو حکم بذریعہ صحیح روایت ثابت ہو گا،وہ واجب العمل ہو گا۔(الفلاح،محمد عبدہ:تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی،شیخ محمد اشرف،ناشران قرآن مجید وتاجران کتب،لاہور،س ن،ص ۶۵۲)

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی حلال وحرام میں بھی حجیت کا ذکر فرمایا ہے:يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ(الاعراف۷:۱۵۷) اوروہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اوربری بات سے روکتا ہے اور ستھری،پاکیزہ،چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اورپلید(ناپاک)چیزیں ان پر حرام کرتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ اعراف کی مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تشریعی اختیارات عطا کیے ہیں۔

(مودودی،سید ابوالاعلیٰ:سنت کی آئینی حیثیت،اسلامک پبلیکیشنز لاہور،۲۰۰۴ء:ص:۷۳)

گویا حدیث دین میں حجت ہے اورماخذ شریعت ہے۔خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث کو مثل قرآن قرار دیا:«أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ، وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ، وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ، وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ»ترجمہ:لوگو!یادرکھو مجھے قرآن اوراس کی مثل ایک اور چیز دی گئی ہے۔خبردار!ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو گا اور کہے گا لوگو!تمہارے لیے قرآن ہی کافی ہے۔اس میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اورجو چیز حرام ہے بس وہ حرام ہے

۔سنو!گھریلوگدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں(حالانکہ قرآن میں اس کی حرمت کاذکر نہیں)نہ ہی درندے جن کی کچلیاں ہیں۔نہ ہی کسی ذمی کی گری ہوئی چیز کسی کے لیے حلال ہے۔ہاں البتہ اگراس کے مالک کواسکی ضرورت ہی نہ ہوتوپھر جائز ہے۔

(ابوداود،سلیمان بن اشعث:سنن ابی داؤد،دارالسلام للنشروالتوزیع،الریاض،۱۹۹۹ء،رقم الحدیث:۴۶۰۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کوکتاب (قرآن مجید) پر پیش کرنا ضروری نہیں۔اورجب بھی نبی ﷺ سے حکم ثابت ہوگیاوہ آپ ﷺ کا حکم بنفسہ حجت ہے۔جہاں تک اس روایت کا معاملہ ہے کہ جس میں بیان ہوا کہ جب کوئی حدیث ملے تواسے کتاب اللہ پر پیش کیاجائے،وہ روایت باطل ہے،اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ نبی ﷺ کے فرامین وسنن تشریعی حیثیت رکھتے ہیں۔علماءامت آپ ﷺ کے تشریعی اختیارات کوتسلیم کرتے ہیں۔حدیث وسنت کی تشریعی حیثیت سے انکار کرنے والوں کادعویٰ بے دلیل وباطل ہے۔یہ لوگ اپنے باطل نظریات کوبنیاد بناکر دین اسلام کے عملی پہلوکافکری وعملی انکار کررہے ہیں۔

(عظیم آبادی،شمس الحق:عون المعبودشرح سنن ابی داود،مطبوعہ نشرالسنہ ملتان،س ن:۴؍۳۲۹)

حدیث،قرآن مجید کی تفسیروتشریح ہے:

منکرین حدیث قرآن مجید کی من مانی تاویلات وتشریحات کے قائل وفاعل ہیں۔اسکانتیجہ یہ ہوا کہ اس فکر کے حاملین کاجزئیات پر اتفاق تودرکناربلکہ وہ بنیادی واصولی احکام دینیہ پر مختلف اور متضادآراءرکھتے ہیں یہاں تک کہ اس گمراہ گروہ کانمازوں کی تعدادپر بھی اتفاق نہ ہوسکابلکہ قرآنی حکم اقیموا الصلوٰۃ کوبھی نہ سمجھ پائے۔

ان لوگوں نے قرآن مجید کوحدیث رسول ﷺ سے اغماض اور چشم پوشی کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی تواس میں ناکام ونامرادرہے۔انہیں قرآنی آیات پر سرسری غورسے سمجھ آنے والے احکام کا بھی فہم نہ مل سکا۔قرآن مجید کایہ فرمان اپنے مفہوم میں کس قدر مبین وواضح ہے:وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ(النحل۱۶:۴۴)اورہم نے یہ ذکر(قرآن)آپ کی طرف اتاراہے کہ لوگوں کی جانب جونازل کیاگیا۔آپ اسے کھول کھول کربیان کردیں شاید کہ وہ غورکریں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کایہ فرض منصبی تھاکہ وہ کتاب اللہ کے احکام وفرائض کی تشریح وتوضیح فرمائیں۔

اطاعتِ رسول کا حکم:

قرآن وسنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اطاعت رسول لازم ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ اطاعت رسول کی اہمیت جاننے کے لیے چند قرآنی آیات: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ(محمد ۳۳:۴۷) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے۔

ارشاد ربانی ہے: وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ(المائدہ ۵:۹۲) اور اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور (اس کے) رسول کا کہا مانو اور (ان دونوں کی نافرمانی سے) بچے رہو۔ پھر اگر تم نہ مانو تو یہ جانے رہو (ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا) ہمارے رسول ﷺ کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

تاکید مزید کیلئے اسی بات کو دوبارہ سورہ تغابن میں دہرایا گیا ہے: وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ(التغابن ۶۴:۱۲) اور اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور (اس کے) رسول کا کہا مانو اور (ان دونوں کی نافرمانی سے) بچے رہو۔ پھر اگر تم نہ مانو تو یہ جانے رہو (ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا) ہمارے رسول ﷺ کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

مطلب یہ کہ ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ ارشاد باری ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ(التوبہ ۹:۷۱) مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ ہی ہیں جن پر عنقریب اللہ کی رحمت ہو گی اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت سے متعدد امور سامنے آئے:

اطاعت رسول سے انکار کفر، اطاعت رسول حصولِ رحمت الٰہی کا ذریعہ، ایمان باللہ اور رسول کے تقاضے اطاعتِ رسول سے ہی پورے ہوسکتے ہیں، فقہی ودینی مسائل میں اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کا فیصلہ حرف

آخر ہے، اطاعت رسول کی روگردانی سے ضبطِ اعمال کا اندیشہ ہے، رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے، یہ پیغمبر اسی لیے مبعوث ہوا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں، حصولِ محبت الٰہی کے لیے اطاعت واتباع رسول لازم ہے، جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت میں سرگرم ہیں، ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے، ایمان اس وقت تک تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک رسول اللہ ﷺ کے احکام واوامر کو پورے اخلاص سے تسلیم نہ کیا جائے۔

حب رسول ﷺ کا تقاضا (اطاعت واتباع رسول ﷺ)

نبی کریم ﷺ سے محبت ایمان کا حصہ ہے بلکہ آپ ﷺ کی محبت جب تک دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر نہ ہو ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَيُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ»

(بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۱۴)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

قرآن مجید میں بھی اللہ اور رسول کی محبت اور اس کے تقاضے بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد ہے: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبہ ۹:۲۴) آپ فرما دیجئے! اگر تمہیں اپنے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، کمایا ہوا مال اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تمہیں خدشہ ہے، اپنے پسندیدہ مکان اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کے حکم سے عذاب آنے کا انتظار کرو۔ اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل ہے، آپ ﷺ کی محبت کیسے اور کیونکر حاصل ہوتی ہے؟ اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے: من احیٰ سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنة جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(طبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم: المعجم الاوسط، مطبوعہ دارالحرمین القاہرہ، ۱۴۱۵ھ: 9/169)

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کی اطاعت واتباع شرط ہے، جو انسان رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کا قائل وفاعل نہ ہو وہ گویا جنت میں جانے سے انکاری ہے اور ایمان کی نعمت سے محروم ہے۔

ہدایت اطاعتِ رسول سے مستلزم ہے:

موجودہ دور میں علوم وفنون میں حیرت انگیز ترقی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی سے ہر انسان متاثر ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس مادی ترقی کو بنیاد بنا کر دینی واخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور روشن خیالی وجدت پسندی جیسی سراب نما اصلاحات کو اپنی فکری معراج قرار دیتے ہیں۔ اس رویے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے غلط خیالات اور بے ہودہ اعمال پر خوش ہو کر دین کی مبارک وہدایت پر مبنی تعلیمات کو ترک کر رہے ہیں۔

قرآن مجید ایسے بزعم خود روشن خیال منکرین کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور ۲۴:۵۴) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے۔ ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی اطاعت کرو گے۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی سزا:

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ (النساء ۴:۸۰) اس رسول کی جس نے اطاعت کی، اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کی تو کجا، اس کے متعلق مشاورت اور سرگوشی سے بھی منع فرمایا، ارشاد ہے: فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى (المجادلہ ۵۸:۹) گناہ، ظلم وزیادتی اور رسول اللہ کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر تبادلہ خیال کرو۔

اللہ تعالیٰ نے نافرمانِ رسول کو گمراہ قرار دیا: وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (الاحزاب ۳۳:۳۶) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

قرآن مجید میں ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور ۶۳:۲۴) جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے۔

سورہ جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کو ابدی جہنمی قرار دیا گیا ہے: وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (الجن ۲۳:۷۲) اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو جہنمی بلکہ اس کے خود جنت میں جانے سے انکاری قرار دیا گیا: کل أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ (بخاری: ۷۲۸۰) میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کر دے، صحابہ نے پوچھا کہ جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کر دیا۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ منکر حدیث، گمراہ، جہنمی، عذاب الٰہی کا مستحق اور خود ہی جنت میں جانے سے انکاری ہے۔ اس گمراہ فکر کے حاملین کے لیے لازم ہے کہ فوراً عقیدہ و عمل قرآن و سنت کے مطابق کر دیں۔

علوم اسلامیہ میں حدیث کا مقام:

حدیث و سنت دین اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ اس ماخذ کی دین اسلام میں کیا اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ قرآن مجید کے اس اعلان سے ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (۳) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (النجم ۴:۵۳) آپ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث کو یاد رکھنے والے کے لیے تروتازگی کی دعا فرمائی: نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور اسے (آگے) ادا کیا۔ پس کئی حاملین علم غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کئی اپنے سے زیادہ فہم والوں کو علم پہنچاتے ہیں۔

(ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی: سنن ترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۲۶۵۶)

حدیث وسنت کی اہمیت کے پیش نظر محدثین کرام نے تدوین حدیث کاکام بے حد محنت ولگن سے سرانجام دیا۔ اخذوروایت حدیث میں ایسی احتیاط واہتمام کاثبوت دیاکہ امت مسلمہ سے قبل اس قسم کی منظم ومربوط علمی کاوش اہل ارض نے نہ دیکھی تھی۔

علوم اسلامیہ میں یہ سلسلہ اسنادومعیاررواۃ کااہتمام تدوین حدیث کی ضرورت واہمیت کی عکاسی کرتاہے۔ڈاکٹراسپرنگر نے بھی امت مسلمہ کے اس اختصاص کااعتراف کرتے ہوئے کہاہے:نہ کوئی قوم دنیامیں ایسی گزری،نہ آج موجودہے،جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال ساعظیم الشان فن ایجادکیاہے،جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کاحال معلوم ہوسکتاہے۔(شبلی نعمانی:سیرت النبی ﷺ،حذیفہ اکیڈمی،لاہور۲۰۰۰ء:۱/۲۸)

حدیث وسنت،ملت اسلامیہ کی وحدت کاذریعہ:

احادیث رسول ﷺ مسائل دینیہ میں اختلاف اورافتراق کوختم کرنے کاواحدذریعہ ہیں۔اگرحضور ﷺ کے ارشادات اورسنن کوترک کردیاجائے توقرآن مجید کی تفسیروتعبیراوراسلام کی عملی صورت کے متعلق بے شماربنیادی واصولی اختلافات وجودمیں آجائیں گے۔

قرآن مجید میں اختلافات کی صورت میں رجوع الی اللہ والرسول کاحکم ان الفاظ میں ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء۴:۵۹) اے ایمان والو!اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواوررسول کی اطاعت کرواوراپنے اختیاروالوں کی۔پھراگرکسی چیزمیں اختلاف کروتواسے لوٹاؤ،اللہ تعالیٰ کی طرف اوررسول کی طرف،اگرتمہیں اللہ تعالیٰ پراور قیامت کے دن پرایمان ہے۔یہ بہت بہترہے اورباعتبارانجام بہت اچھاہے۔

امت اسلامیہ میں افتراق واختلاف کے عودکرآنے کاذکرکرتے ہوئے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اس کاتدارک بھی بیان فرمایا:أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(ابوداود سجستانی، سلیمان بن اشعث،:سنن ابی داؤد،دارالسلام للنشر والتوزیع ،الریاض، ۱۹۹۹ء،رقم الحدیث:۴۶۰۷) میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے ،اپنے امیر کی بات سننے اوراس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتاہوں،خواہ تمہاراامیرکوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو(اوریادرکھو)جولوگ تم میں سے میرے بعدزندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے،ایسے وقت میں

میری سنت کولازم پکڑنا، اور ہدایت یافتہ خلفاءراشدین کے طریقے پر قائم رہنااور مضبوطی سے اس پر جم جانا۔ دین میں نئی نئی باتوں سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے ایک توامت میں اختلافات کے خدشے کا اظہار کیااور دوسرے اختلافات کوختم کرنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کی رو سے دراصل اختلافات وافتراقات کا خاتمہ اتباع نبوی وسنت خلفاء سے ہی ممکن ہے۔ آپ ﷺ کا بتلایا ہوا یہ اصول گویا ایک قابل عمل اورآسان حل ہے۔ اسے نسخہ کیمیا سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اسلامی تہذیب وثقافت کی اساس:

قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح اوراحکام قرآنی کی عملی تصویر آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے مکمل رہنما ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳:۲۱) بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

گویا اہل اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ عبادات، معاملات، معاشیات، سیاسیات، اخلاقیات غرضیکہ ہر کام میں اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کریں۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے اسوہ حسنہ اورہدایت ورہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بظاہر نیکی میں سنت مبارکہ سے اعراض کرتے ہوئے شوقِ عبادت میں زیادہ رغبت کا اظہار کیا جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری رات نفلی قیام کیا کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں بلاناغہ (نفلی) روزے رکھے گا، ان صحابہ کی یہ باتیں سن کر آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: «أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (بخاری: الجامع الصحیح: رقم الحدیث: ۵۰۶۳) کیا تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں، ترک بھی کرتا ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اورآرام بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں (یادرکھو) جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی ممکن ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ اور امتی لوگوں کو سنت کی پیروی کرنے کی سخت تاکید فرمائی نیز سنت سے گریز کرنے والوں کو سخت ڈانٹ پلائی۔

خلاصہ تحقیق:

- محدثین کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سیرت نبوی کے تمام گوشوں کو محفوظ کر دیا۔ نیز نبی ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ عظام کی پاکیزہ زندگیوں کے احوال بھی کتب حدیث و سیر میں مدون و مرتب ہیں۔ اس طرح عہد نبوی اور عہد صحابہ کی سیاسی، معاشرتی و معاشی سرگرمیوں سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کا اصل ماخذ کتب حدیث ہیں۔
- احادیث میں آپ ﷺ کی سنن، تقریرات، احکام نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلیم نبوی پر عمل کے نمونے مذکور ہیں۔ گویا سنت نبوی و سنت خلفاء راشدین تک رسائی اور ان کے مطابق جدید تہذیبی و ثقافتی اقدار و رجانات کو بدلنے کے لیے امت مسلمہ کے پاس بے مثال علمی ذخیرہ حدیث و سنن، کتب میں میسر ہے۔ حدیث کی مشہور ترین کتاب صحیح البخاری کا نام مذکورہ بالا امر کی عکاسی کرتا ہے۔ یاد رہے بخاری شریف کا پورا نام، الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین و سید الرسل کا شرف بخشا، آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو تکمیل دین کا اعزاز بھی عطا فرمایا۔ دین اسلام کے دو بنیادی وصف ایسے ہیں جن میں دوسرا کوئی دین و مذہب کسی طرح اس دین کا شریک و سہیم نہیں۔ ایک تکمیل دین، دوسرے حفاظت و تدوین کا پہلو۔
- مسلمانوں کو اپنے دین کے ان نمایاں اوصاف پہلوؤں پر بجاطور پر خوشی اور فخر ہے کہ ان کا دین مکمل اور محفوظ ہے۔ البتہ بعض کج رو اور گمراہ لوگ اسلام کی اس خوبی کو مشکوک بنانے کی ناکام سعی کرتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ وہ روشن خیال اور جدت پسند ہیں۔ انکارِ حدیث کا ایک بہانہ حدیث و سنت کے تدوینی پہلو کا بھی ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے ہم صف و ہم مشرب غیر مسلم قائدین اور ان کی سیَر کے تدوینی احوال کے مقابلے میں حدیث و سیرت نبوی کی حفاظت واشاعت کے بے مثال و سنہری کارنامے کا امتیازی پہلو بھلا بیٹھے ہیں۔

فصل چہارم

اقسامِ حدیث اوران کادائرہ کار

اقسامِ حدیث اوران کادائرہ کار:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین وسید المرسلین کاشرف بخشا، آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بناکر مبعوث فرمایااورآپ ﷺ کو تکمیلِ دین کااعزاز بھی عطافرمایا۔دین اسلام کے دو بنیادی وصف ایسے ہیں جن میں دوسرا کوئی دین ومذھب کسی طرح بھی اس دین کاشریک وسہیم نہیں۔ایک تکمیلِ دین،دوسراحفاظت وتدوین کاپہلو، جس کے سبب یہ دین ہم تک پہنچا۔

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم:

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:ا۔متواتر، ۲۔آحاد

وجہ حصر: یاتوحدیث کے طرق محصور ہوں گے یاغیر محصور، بصورت ثانی متواترہے اور بصورت اول آحاد ہے۔

حدیث متواتر کی تعریف:

متواتر، تواترسے اسم فاعل کاصیغہ ہے اور تواترلغت میں کسی کام کے مسلسل اورپے درپے ہونے کو کہتے ہیں، جیسے کہاجاتاہے:تواتر المطر ای تتابع نزوله۔(الطحان، محمود،الدکتور:تیسیر مصطلح الحدیث، مطبوعہ مکتبۃ المعارف،۲۰۱۰ء:ص،۲۳) یعنی مسلسل بارش ہوئی۔

اوراصطلاحِ حدیث میں حدیث متواترکہتے ہیں:**مانقله عددلایمکن مواطاتهم علی الکذب عن مثلهم ویستوی طرفاه والوسط،ویخبرون عن حسی لامظنون ویحصل العلم بخبرهم۔**

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا، محی الدین:المنهاج شرح صحیح مسلم، مطبوعہ المطبعۃ المصریہ،۱۹۲۹ء،۱/ ۱۳۱۳)

خبر متواتر جس سے تعلق رکھنے والی ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کو اتنی کثیر تعداد نے نقل کیاہو کہ عقل ان کے جھوٹ پر اتفاق کو محال سمجھے اوریہ کثرتِ سند کے ہر طبقے میں برقراررہے۔

تعریف مذکور کی روشنی میں متواتر اس خبر کو کہتے ہیں جس میں درج ذیل چار شرائط پائی جائیں:

ا۔ناقلین کثیر ہوں، ناقلین کی کثرت کے بارے کئی اقوال ہیں ، بعض چار، بعض پانچ، بعض سات، بعض دس، بعض بارہ، بعض چالیس، بعض ستر اور بعض اس سے بھی زائد کے ساتھ مقید کرتے ہیں جبکہ حافظ ابن حجر کی اس بارے میں رائے یہ

ہے کہ کثرت کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی، بلکہ اتنے کثیر راوی ہونے چاہیئے کہ عقل ان کے جھوٹ پر اتفاق کو محال سمجھے۔(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الحافظ: نزھۃ النظر، مطبوعہ مطبعۃ السفیر الریاض، ۱۴۲۲ھ، ص ۳۷)

۲۔ اتنے کثیر راوی ہوں کہ عقلاًن کا جھوٹ پر سمجھوتا محال ہو۔

۳۔ بکثرت سند کے تمام طبقات میں پائی جائے۔

۴۔ خبر کے حصول کا ذریعہ انسانی حواس ہوں، مثلاً دیکھنا، سننا وغیرہ۔

حدیث متواتر کی اقسام:

حدیث متواتر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ متواتر لفظی ۲۔ متواتر معنوی

متواتر لفظی کی تعریف:

هو ماتواتر لفظه و معناه۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۵) متواتر لفظی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کے الفاظ اور معنی دونوں تواتر کے ساتھ منقول ہوں۔ مثال: من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار۔
(القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، مقدمہ، باب فی التحذیر من الکذب علی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم: رقم الحدیث: ۳)

متواتر معنوی کی تعریف:

هو ماتواتر معناه دون لفظه۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۵) متواتر معنوی ایسی حدیث ہوتی ہے جس کا صرف معنی تواتر سے منقول ہو۔ مثال: ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق تقریباً سو احادیث آئی ہیں، سب کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا میں ہاتھوں کو اٹھایا، لیکن ان احادیث کے الفاظ الگ الگ ہیں۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۵)

حدیث متواتر کا حکم:

وهو المفيد العلم اليقيني۔۔۔ والمتواتر لا يبحث عن رجاله بل يجب العمل به من غير بحث۔(ابن حجر عسقلانی: نزھۃ النظر، ص ۴۳) حدیث متواتر سے قطعی علم آتا ہے۔۔۔ اور اس کے رجال کے متعلق بحث نہیں کی جائے گی بلکہ بغیر بحث کے اس پر عمل واجب ہے۔

حدیث آحاد کی تعریف:

آحاداحد بمعنی واحد کی جمع ہے اور لغت میں خبر واحد کہتے ہیں:مایروی شخص واحد۔(ابن حجر عسقلانی:نزھۃ النظر،ص۴۳) ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کو ایک شخص روایت کرے۔

اور اصطلاح میں خبر واحد سے مراد ہے:مالم یجمع شروط التواتر۔(ابن حجر عسقلانی:نزھۃ النظر،ص۵۵) ایسی خبر جس میں خبر متواتر کی شرائط نہ پائی جائیں۔

خبر واحد کی اقسام:

خبر واحد کی تین اقسام ہیں:۱۔مشہور،۲۔عزیز،۳۔غریب

حدیث مشہور کی تعریف:

لغت میں مشہور شہرت سے اسم مفعول کا صیغہ ہے،اور شہرت کا معنی ہے واضح ہونا۔

(الرازی،محمد بن ابی بکر،زین الدین:مختار الصحاح،مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ،بیروت،۱۴۲۰ھ،ص۱۷۰)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:سمّی بذالک لوضوحہ۔(ابن حجر عسقلانی:نزھۃ النظر:ص۵۵)اس(حدیث مشہور)کے واضح ہونے کی وجہ سے اسے مشہور کہا جاتا ہے۔

اور اصطلاحِ حدیث میں خبر مشہور کہتے ہیں:ھو مارواہ ثلاثۃ فاکثر فی کل طبقۃ مالم یبلغ حدتواتر۔(طحان:تیسیر مصطلح الحدیث:ص۲۴)ایسی حدیث جس کو ہر طبقے میں تین یا تین سے زیادہ روایت کریں جب تک حد تواتر کو نہ پہنچے۔

حدیثِ عزیز کی تعریف:

عزیز،عزّیعزیاعزیعز سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے ،اگر مضارع مکسورالعین ہو تو اس کا معنی ہوگا قلیل اور نادراور اگر مضارع مفتوح العین ہو تو اس کا معنی ہوگا قوی اور مضبوط،پہلی صورت میں عزیز کو عزیز اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا وجود قلیل اور نادر ہے اور دوسری صورت میں عزیز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے طریق سے آنے کی وجہ سے یہ حدیث مضبوط اور قوی ہو جاتی ہے۔(طحان:تیسیر مصطلح الحدیث:ص۲۴)اصطلاحی اعتبار سے خبر عزیز کہتے ہیں۔

ھو ان لایروی اقل من اثنین عن اثنین۔(ابن حجر عسقلانی:نزحۃ النظر:ص۵۰) ایسی خبر جس کو دو،دو سے کم سے روایت نہ کریں۔مثال:حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بروایت بخاری و مسلم اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بروایت

بخاری ہے:«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ(بخاری، محمد بن اسمٰعیل، امام، ابوعبداللہ: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث:۱۵) تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اس کو اسکے والدین، اولاد اور تمام لوگوں میں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث کی سند کچھ اسطرح ہے:

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ العَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح وحَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»

حدیثِ غریب کی تعریف:

غریب غرابۃ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کا معنی پردیسی، اجنبی اور پرایا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ان الاسلام بداغریب، وسیعود غریبا کمابدا، فطوبیٰ للغرباء۔(ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ: سنن ترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث:۲۶۲۹) اسلام کا آغاز کسمپرسی کی حالت میں ہوا ہے اور عنقریب اس کا پھر وہ ہی حال ہو جائے گا جو ابتداء میں تھا، پس لاچاروں کیلئے خوش حالی ہے۔

اور لسان العرب میں غریب کا معنی کیا گیا ہے: الوحیدالذی لااھل لہ عندہ۔(ابن منظور، محمد بن مکرم، افریقی: لسان العرب، مکتبۃ المعارف، دار صادر، ۱/۶۲۹) وہ تنہا شخص جس کے پاس اس کے اپنے نہ ہوں۔

ڈاکٹر محمود طحان حدیثِ غریب کی تعریف کرتے ہیں: وھومایںفردبروایۃ راوٍواحد۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث: ص۲۷)

ایسی حدیث جس کو روایت کرنے والا ایک راوی ہو۔

باعتبار قبول ورد حدیث آحاد کی تقسیم:

حدیث آحاد کی دو اقسام ہیں: ا۔ حدیث مقبول، ۲۔ حدیث مردود۔(ابن حجر عسقلانی: نزھۃ النظر، ص۲۰۱)

حدیث مقبول کی تعریف:

ھوماترجح صدق المخبربہ۔ وہ خبر جس کے مخبر کا صدق راجح ہو۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص۲۹)

حدیث مردود کی تعریف:

ھوالذی لم یترجح صدق المخبربہ۔ ایسی خبر جس کے مخبر کا صدق راجح نہ ہو۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص۲۹)

حدیث مقبول کی تقسیم:

خبر مقبول کی چار اقسام ہیں: ۱۔ صحیح لذاتہ ۲، صحیح لغیرہ ۳۔ حسن لذاتہ ۴۔ حسن لغیرہ۔(ابن حجر عسقلانی: نزھۃ النظر، ص ۶۷)

صحیح لذاتہ کی تعریف:

خبر الآحاد بنقل عدل، تام الضبط ،متصل السند، غیر معلل و لا شاذ۔ ایسی خبر آحاد جس کے ناقل عادل، تام الضبط ہوں، اور سند متصل اور علت اور شذوذ (انفرادیت) سے خالی ہو۔(ابن حجر عسقلانی: نزھۃ النظر، ص ۶۷)

مندرجہ بالا تعریف کے مطابق حدیث صحیح کی پانچ شرائط ہیں:

۱۔ راوی کا عادل ہونا۔ ۲۔ راوی کا تام الضبط ہونا۔ ۳۔ سند کا متصل ہونا۔ ۴۔ شذوذ سے خالی ہونا۔ ۵۔ علت سے خالی ہونا۔

صحیح لغیرہ کی تعریف:

ھو الحسن لذاتہ اذا روی من طریق آخر مثلہ او اقویٰ منہ۔(ابن حجر عسقلانی: نزھۃ النظر، ص ۶۷) صحیح لغیرہ اس حدیث حسن لذاتہ کو کہتے ہیں جو اس جیسی یا اس سے بھی قوی سند کے ساتھ مروی ہو۔ مثال: جیسے محمد بن عمرو ابو سلمہ سے اور ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلاۃ۔(ترمذی: سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۲۲)

ابن صلاح (م ۶۴۳ ھ) اس حدیث کی سند کے متعلق کہتے ہیں کہ محمد بن عمرو بن علقمہ صدق اور صیانت میں مشہور ہیں لیکن اہل اتقان سے نہیں ہیں حتیٰ کہ بعض محدثین نے انہیں سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف جبکہ بعض نے اس کے صدق کی وجہ سے ثقہ قرار دیا ہے، اس لئے اس کی حدیث حسن ہے اور چونکہ یہ روایت اور طرق سے بھی مروی ہے لہٰذا سوء حفظ کی وجہ سے جو اندیشہ تھا وہ زائل ہو گیا تو حدیث صحیح کے ساتھ لاحق ہو گئی۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۴۳)

حسن لذاتہ کی تعریف:

حَسَن بہ حُسُن سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور حسن و جمال اور خوبصورتی کو کہتے ہیں، اور محدثین کی اصطلاح میں حسن لذاتہ سے مراد ہے: ھو ما اتصل سندہ بنقل العدل الذی خفت ضبط عن مثلہ الی منتھاہ من غیر شذوذ و لا علۃ۔(طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۴۳)

ایسی حدیث جس کی سند متصل، ناقل عادل اور خفیف الضبط ہوں، علت اور شذوذ سے خالی ہو۔ مثال: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف۔ بے شک جنت کے دراوازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔ (ترمذی: سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۶۵۹) اس حدیث کو امام ترمذی نے قتیبہ سے، قتیبہ جعفر بن سلیمان ضبعی سے وہ ابو عمران جونی اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ابو بکر سے روایت کرتے، اس سند کے تمام رجال سوائے جعفر بن سلیمان کے ثقہ ہیں اور سلیمان بن جعفر وہ حسن الحدیث ہے، اس لیے اس حدیث کا رتبہ صحیح سے کم ہونے کی وجہ سے حسن ہے، اسی لیے امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ھٰذا حدیث حسن غریب۔

(ترمذی: سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۶۵۹)

حسن لغیرہ کی تعریف:

ھو الضعیف اذا تعدد طرقه و لم یکن سبب ضعفه فسق الراوی او کذبه۔ وہ ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہوں اور ضعیف کا سبب راوی کا فسق یا کذب نہ ہو۔ (طحان: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۴۳)

حدیث ضعیف کی تعریف:

لغوی اعتبار سے ضعیف، ضعف سے صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، اور ضعف ضاء کی فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے: اللہ الذی خلقکم من ضعفه۔ اور میں نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور بنایا۔ (الروم ۳۰:۳۰) وعلم ان فیکم ضعفا۔ اور اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو۔ (الانفال ۸:۶۶)

ضعف، قوت کی ضد ہے اور ضعف جس طرح ظاہری اور حسی ہوتا ہے اسی طرح باطنی اور معنوی بھی ہوتا ہے۔ اصولِ حدیث کی اصطلاح میں مؤخر الذکر مراد ہے۔

حافظ ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) اور حدیث ضعیف کی تعریف:

کل حدیث لم تجتمع فیه صفات الحدیث الصحیح و لاصفات الحدیث الحسن المذکورات فیماتقدم۔ ایسی حدیث جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی مذکورہ صفات نہ پائی جائیں۔

(ابن صلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن، ابو عمر، تقی الدین: معرفة انواع علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۱۲)

ابن صلاح کی اس تعریف کو محققین کی ایک کثیر تعداد نے معمولی تبدیلی کے ساتھ اختیار کیا ہے، مثلاً:

۱۔امام نووی (م۶۷۶ھ)اور حدیث ضعیف کی تعریف:مالم یوجدشروط الصحة ولاشروط الحسن۔جس میں صحت اور حسن کی شرائط موجود نہ ہوں۔(النووی،یحیٰ بن شرف،محی الدین:تقریب،داراحیاء التراث العربی،بیروت،۱۹۸۱ء،ص۵)

۲۔ابن ترکمانی (م۷۵۰ھ)اور حدیث ضعیف کی تعریف:مالیس صحیحاولاحسن۔وہ حدیث جو نہ صحیح ہو اور نہ حسن ہو۔(ابن ترکمانی،علی بن عثمان،علاء الدین،المارديني:المنتخب فی علوم الحدیث،دارالبشائر الاسلامیہ،۲۰۰۸ء،ص۵۲)

۳۔ابن کثیر(م۷۷۴ھ)اور حدیث ضعیف کی تعریف:مالم یجتمع فیه صفات الصحیح ولاصفات الحسن المذکورةفیماتقدم۔جس میں صحیح اور حسن کی صفات نہ پائی جائیں۔

(ابن کثیر،اسمٰعیل بن عمر،ابو الفداء،عمادالدین:الباعث الحثیث الیٰ اختصار علوم الحدیث،دار فواز،۱۹۲۲ء،ص۱۲۱)

احادیث سے ثابت ہونے والے مسائل

ثبوت عقائد کے لئے درکار حدیث:

عقیدہ کسی بھی مذھب کی اساس اور بنیاد ہوتا ہے۔جس کا قطعی ہونا اور ہر قسم کے وہم واحتمال سے پاک ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے اوپر یقین کی بنیاد رکھی جاسکے،یہاں ظنی دلیل کفایت نہیں کرے گی،چنانچہ:

۱۔امام رازی (م۶۰۶ھ)فرماتے ہیں:اخبار الآحادمظنونة فلم یجز التمسک بھافی معرفة اللہ تعالیٰ وصفاته۔ اخبارآحاد ظن کا فائدہ دیتی ہیں لھٰذا ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفات کے بارے میں استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

(رازی،محمد بن عمر،فخر الدین:اساس التقدیس فی علم الکلام،مؤسسۃ الکتب الثقافیہ،بیروت،۱۴۱۵ھ،ص۱۲۷)

۲۔علامہ تفتازانی(م۷۹۳ھ)فرماتے ہیں:لاعبرةبالظن فی الاعتقادیات۔اعتقادیات میں ظن معتبر نہیں ہے۔

(تفتازانی،مسعود بن عمر،سعد الدین:شرح المقاصد،دارالمعارف النعمانیہ،پاکستان،۱۴۰۱ھ،۱/۶)

۳۔محمد بن احمد سفارینی حنبلی(م۱۱۸۸ھ)فرماتے ہیں:کل مایطلب فیه الجزم یمتنع التقلیدفیه ،والاخذفیه بالظن،لانه لایفید،وانمایفیده دلیل قطعی۔ہر ایسا معاملہ جس میں جزم مطلوب ہو اس میں تقلید اور ظن سے استدلال کرنا ممتنع ہوتا ہے کیونکہ ظن جزم کا افادہ نہیں کرتا،جزم کا بس دلیل قطعی افادہ کرتی ہے۔

(سفارینی،محمد بن احمد،حنبلی:لوامع الانوارالبہیہ،مؤسسۃ الخافقین ومکتبتہا،دمشق،۱۴۰۱ء،ص۱)

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ عقائد کے لیے احادیث متواترہ ہی معتبر ہیں۔عقائد کے لیے احادیث آحاد اور ضعیف احادیث معتبر نہیں۔

ثبوتِ احکام کیلئے درکار حدیث:

احکام کا رتبہ عقائد کے بعد آتا ہے اس لئے ثبوت احکام کے لئے درکار حدیث کی وہ شرائط اور قیود نہیں ہیں جو کہ ثبوتِ عقائد کے لئے درکار حدیث کی تھیں۔ یہاں خبر واحد بھی کافی ہے بشر طیکہ صحیح ہو یا کم از کم حسن ہو۔

حدیث ضعیف اور ثبوت احکام:

حدیث ضعیف سے ثبوت احکام کے متعلق دو قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔

پہلی رائے:

جمہور محدثین اور فقہاء کے نزدیک عقائد کی طرح احکام میں بھی حدیث ضعیف حجت نہیں ہے۔

ا۔ سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کی رائے: لاتاخذوا ھذاالعلم فی الحلال والحرام الا من رؤساء المشھورین بالعلم، الذین یعرفون الزیادۃ والنقصان، ولا باس بماسوی ذالک منا المشائخ۔ حلال و حرام کے بارے میں صرف سر کردہ مشہور علماء سے علم حاصل کرو جنہیں اضافہ اور نقصان کی پہچان ہو، اور اسکے علاوہ امور کے بارے مشائخ سے علم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (جرجانی، عبد اللہ بن عدی، ابو احمد: الجرح والتعدیل، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء، ص ۲۵۷)

۲۔ سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) کی رائے: خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: لاتسمعوا من بقیۃ ما کان فی سنۃ، واسمعوا منہ ما کان فی ثواب وغیرہ۔ تم بقیہ (ضعیف راوی) سے سنت (احکام) کے متعلق حدیثیں نہ لو، اور ثواب وغیرہ کے متعلق اس سے لے لو۔

(ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد: الجرح والتعدیل، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲ء، ص ۳۰)

۳۔ عبد الرحمان بن مھدی (م ۱۹۸ھ) کی رائے: عبد الرحمان بن مہدی لکھتے ہیں: "اذا روینا فی الثواب والعذاب وفضائل الاعمال، تساھلنا فی الاسانید والرجال، واذا روینا فی الحلال والحرام والاحکام تشددنا فی الرجال۔ جب ہم ثواب وعقاب اور فضائل اعمال روایت کرتے ہیں تو اسناد اور روایت میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور جب حلال و حرام اور احکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو اسناد اور رجال کی خوب چھان بین کرتے ہیں۔

(حاکم، محمد بن عبد اللہ، نیشاپوری: المدخل، الی کتاب الاکلیل، دارالدعوۃ الاسکندریہ، س ن، ص ۲۹)

دوسری رائے:

احکام میں حدیث ضعیف کے قابل عمل ہونے کے بارے میں عام اصول تو یہی ہے کہ "لا یعمل بہ فی الاحکام" کیونکہ نہ تو یہ متواتر ہے کہ یقین کی مفید ہو اور نہ ہی آحاد صحیح یا حسن کی ظن کی مفید ہو۔ لیکن یہ اصول علی الاطلاق نہیں ہے، جیسا کہ شیخ احمد صدیق غمازی (م ۱۳۸۰ھ) نے کہا کہ: "الاحتجاج بالضعیف فی الاحکام لیس ھو خاصا بالمالکیہ بل کل الائمة یحتجون بہ۔ ولذالک کان قولھم الضعیف لا یعمل بہ فی الاحکام قولا لیس علی الاطلاق۔ احکام میں حدیث ضعیف سے استدلال کرنا مالکیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ائمہ اس سے استدلال کرتے ہیں لھٰذا "الضعیف لا یعمل بہ فی الاحکام" والا قول مطلق نہیں ہے۔ (غمازی، احمد بن محمد بن صدیق: المثنونی والبتار، مطبعۃ الاسلامیہ، از ھر، مصر ۱۳۵۲ھ، ۱/ ۱۸۰)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء بالخصوص ائمہ اربعہ اور محدثین کی ایک بہت بڑی تعداد مخصوص حالات کے اندر احکام میں بھی حدیث ضعیف کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ذیل میں ان مخصوص حالات کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا اصول:

۱۔ حدیث ضعیف کے سوا حدیث موجود نہ ہو:

جب کسی مسئلہ پر صرف ضعیف حدیث موجود ہو اور صحیح یا حسن حدیث دستیاب نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنے سے حدیث ضعیف پر عمل کرنا اولیٰ ہے، اور یہ ائمہ اربعہ اور کئی محدثین کا مذھب ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم:

۱۔ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) امام اعظم کے متعلق کہتے ہیں: "قال ابو حنیفة: الخبر الضعیف عن رسول الله ﷺ اولی من القیاس و لا یحل القیاس مع وجودہ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر ضعیف، قیاس سے اولیٰ ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

(ابن حزم، علی بن احمد، ظاہری: الاحکام فی اصول الاحکام، دار آفاق الجدیدۃ، بیروت، س ن، ص ۵۴)

۲۔ ابن قیم (م ۷۵۱ھ) امام اعظم کی طرف سے اس اصول پر مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امام ابو حنیفہ نے حدیث قہقہہ کو قیاس پر مقدم کیا ہے حالانکہ محدثین کا اس کے ضعف پر اجماع ہے، اور وضو والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا ہے حالانکہ اکثر محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت دس دن والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا ہے

۔حالانکہ بالاتفاق یہ حدیث ضعیف ہے، اور دس درہم سے کم مہر نہیں والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا حالانکہ اس کے ضعیف بلکہ بطلان پر اجماع ہے۔(ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/ ۲۶)

اصول مذکور کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کی رائے کو ابن قیم بیان کرتے ہیں:"و امام مالک فانه يقدم الحديث المرسل و المنقطع و البلاغات و قول الصحابی علی القياس۔ امام مالک حدیث مرسل، منقطع، بلاغات اور قول صحابی کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔(ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/ ۲۶)

ابن قیم لکھتے ہیں: امام شافعی نے وج (نامی بستی) کے شکار کے حرام ہونے والی خبر، مکروہ وقت میں مکہ کے اندر نماز کے جائز ہونے والی خبر اور ایک قول کے مطابق "من قاء اور رفع فلیتوضاو لیبن علی صلاتہ" والی حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے۔(ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/ ۲۶)

ابن قیم لکھتے ہیں: جن اصول پر امام احمد نے اپنے فتاویٰ کی بنیاد رکھی ہے، ان میں سے چوتھی اصل مرسل اور ضعیف حدیث سے اخذ کرنا ہے جبکہ اس باب میں اس کے معارض قولی شے نہ ہو، اور امام احمد ضعیف حدیث کو قیاس پر راجح قرار دیتے ہیں۔(ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/ ۲۶)

ابن مندہ (م ۳۹۵ھ) لکھتے ہیں: امام ابو داؤد، امام نسائی کی سی روش اختیار کرتے تھے، اور اسناد ضعیف کی تخریج کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے نزدیک قیاس سے اقویٰ ہے۔

(ابن مندہ، محمد بن اسحاق، عبدی: فضل الاخبار و شرح مذاہب اھل الآثار حقیقۃ السنن، دار المسلم، ریاض، ۱۴۱۴ھ، ص ۷۳)

حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم اور ائمہ کا اجماع:

اصولِ مذکور پر ابن قیم تمام ائمہ کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور کوئی امام ایسا نہیں ہے جو امام احمد بن حنبل کے ساتھ اس اصول میں متفق نہ ہو، کیونکہ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم نہ کرتا ہو۔
(ابن قیم: اعلام المؤقعین عن رب العالمین، ۲/ ۲۶)

دوسرا اصول:

حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں احتیاط ہو: جب حدیث ضعیف میں کسی کام کی کراہت یا انکار بیان کیا گیا ہو تو احتیاطاً اس ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ اس اصول کو کئی ایک محققین نے اختیار کیا ہے، مثلاً:

امام ماوردی(م۴۵۰ھ)امام شافعی کے متعلق فرماتے ہیں:جب مرسل کے علاوہ کوئی دلیل موجود نہ ہو تو امام شافعی اس سے استدلال کرتے ہیں،یعنی جب مرسل منع پر دلالت کرے اور اس کے علاوہ وہ دلیل موجود نہ ہو۔

(سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن،حافظ: فتح المغیث، مکتبۃ السنہ،۲۰۰۳ء،۱/۳۴۲)

امام نووی (م۶۷۶ھ)فرماتے ہیں:"رہے احکام جیسے حلال ، حرام، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ تو ان میں صرف صحیح یا حسن حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ ان میں سے کسی کے اندر احتیاط ہو، جیسا کہ جب کوئی ضعیف حدیث کسی کاروبار یا نکاح کی کراہت کے بارے میں وارد ہو تو اس سے بچنا مستحب ہے، ہاں واجب نہیں ہے۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: الاذکار، دارالفکر، بیروت،۱۹۹۴ء، ص۸)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں:ویعمل بالضعیف ایضافی الاحکام ،اذاکان فیه احتیاط۔احکام میں بھی حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جبکہ اس کے اندر احتیاط ہو۔(سیوطی، جلال الدین، حافظ: تدریب الراوی، دار طیبہ، س ن،۱/۳۵۱)

ثبوتِ فضائل کے لیے درکار حدیث:

جمہور علماء کے نزدیک فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے۔ جیسا کہ امام نووی، ابن قدامہ، ملا علی قاری اور ابن حجر رحمہم اللہ اس کی تصریحات سے واضح ہے۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:فان النوافل و الفضائل لایشترط صحة الحدیث فیها۔نوافل اور فضائل میں حدیث کا صحیح ہونا شرط نہیں ہے۔(البانی، محمد ناصر الدین: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ،۱۱/۲۴۹، دارالمعارف، ریاض ۱۹۹۲ء،۵۱۴۸)

امام نوووی لکھتے ہیں:وقداتفق العلماء علی جواز العمل الحدیث الضعیف فی الفضائل الاعمال۔ علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: الاربعین النوریہ مع الشرح لابن دقیق العید، مؤسسۃ الریان،۲۰۰۳ء، ص:۱۷)

ابن حجر عسقلانی، ابن جوزی کے ترغیب وترہیب میں قابل عمل ضعیف حدیثوں کو موضوعات میں داخل کرنے پر تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابن جوزی نے اپنی کتاب میں حدیث منکر اور اس ضعیف حدیث کو بھی ذکر کر دیا ہے، جو ترغیب وترہیب میں قابل عمل ہیں۔ (ابن حجر عسقلانی: النکت، ص۱۲۶)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:والضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقا۔حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں متفقہ طور پر عمل جائز ہے۔(ملا قاری، علی بن سلطان: مرقاۃ شرح مشکاۃ المصابیح، دارالفکر، بیروت،۲۰۰۲ء،۲/۱۲۲۷)

خلاصہ تحقیق:

- ابتدائی طور پر حدیث کی دو اقسام ہیں: حدیثِ متواتر اور حدیث آحاد، پھر متواتر دو قسم پر ہے: متواتر لفظی اور متواتر معنوی۔ جبکہ حدیثِ آحاد کی تین قسمیں ہیں: مشہور، عزیز اور غریب۔ پھر غریب کی دو قسمیں ہیں: غریب مطلق اور غریب نسبی۔ عمل کے لحاظ سے حدیثِ آحاد کی دو قسمیں ہیں: مقبول و مردود، پھر مقبول کی چار قسمیں ہیں: صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔
- چونکہ عقیدہ کسی بھی مذہب کی اساس اور بنیاد ہوتا ہے۔ جس کا قطعی ہونا اور ہر قسم کے وہم واحتمال سے پاک ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے اوپر یقین کی بنیاد رکھی جاسکے، یہاں ظنی دلیل کفایت نہیں کرتی اسلئے عقائد کے لئے احادیث متواترہ ہی معتبر ہیں۔ عقائد کے لئے احادیثِ آحاد اور ضعیف احادیث معتبر نہیں۔
- احکام کا رتبہ عقائد کے بعد آتا ہے اس لئے ثبوتِ احکام کے لئے درکار حدیث کی وہ شرائط اور قیود نہیں ہیں جو کہ ثبوتِ عقائد کے لئے درکار ہیں۔ یہاں خبر واحد بھی کافی ہے بشرطیکہ صحیح یا حسن ہو۔ لیکن حدیثِ ضعیف سے ثبوتِ احکام کے متعلق دو قسم کی آراء پاجاتی ہیں۔
- پہلی رائے: جمہور محدثین اور فقہاء کے نزدیک عقائد کی طرح احکام میں بھی حدیثِ ضعیف حجت نہیں۔
- دوسری رائے: احکام میں حدیثِ ضعیف کے قابلِ عمل ہونے کے بارے میں عام اصول تو یہی ہے کہ "لایعمل فی الاحکام" یعنی احکام میں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ نہ تو یہ متواتر ہے کہ یقین کا فائدہ دے، اور نہ ہی آحاد ہے کہ ظن کا فائدہ دے۔ لیکن یہ اصول علی الاطلاق نہیں، یعنی اس اصول کا اطلاق ہر جگہ نہیں ہوتا، اسلئے فقہاء اور ائمہ اربعہ اور محدثین کی ایک بہت بڑی تعداد مخصوص حالات کے اندر احکام میں بھی حدیثِ ضعیف کو قبول کر لیتے ہیں۔
- فضائل ومناقب کو حدیثِ ضعیف سے ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں، چنانچہ جمہور کے نزدیک فضائل ومناقب میں حدیثِ ضعیف مقبول اور معمول بہا ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک احکام کی طرح فضائل ومناقب میں بھی ضعیف حدیث غیر مقبول ہے، لیکن جمہور کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فضائل ومناقب میں حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

باب دوم

حافظ زبیر علی زئی کا تعارف

فصل اول: حافظ زبیر علی زئی کا خاندان و تعلیم

فصل دوم: سیرت و کردار

فصل سوم: تصنیفی خدمات

فصل چہارم: شیخ زبیر چند مشہور علماء کی نظر میں

فصل اول

حافظ زبیر علی زئی کا خاندان وتعلیم

حافظ زبیر علی زئی:

ابو طاہر، ابو معاذ محمد زبیر المعروف حافظ زبیر علی زئی بن مجد د خان بن دوست محمد خان بن جہانگیر خان بن امیر خان بن شہباز خان بن کرم خان بن گل خان بن پیر محمد خان بن آزاد خان بن اللہ داد خان بن عمر خان بن خواجہ محمد خان علی زئی افغانی پاکستانی۔

ولادت: ۲۷ ذی القعدہ ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۵ جون ۱۹۵۷ء بروز منگل بوقت طلوع شمس۔

تعلیم مراحل: آٹھویں ۱۹۷۲ء، میٹرک ۱۹۷۴ء، ایف اے ۱۹۷۷ء، بی اے ۱۹۷۹ء، ایم اے علوم اسلامیہ ۱۹۸۳ء، ایم اے عربی ۱۹۹۳ء، وفاق المدارس ۱۹۹۰ء، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ سے فراغت ۱۹۹۰ء تقریباً ۳۸ سال کی عمر میں حفظ شروع کیا اور اجراء و دہرائی سمیت ۶ ماہ میں حافظ قرآن بن گئے۔

شادی: ۱۹۸۰ء

اولاد: تین بیٹے: طاہر علی زئی، حافظ عبد اللہ ثاقب، حافظ معاذ علی زئی اور چار بیٹیاں۔

اساتذہ: شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی، شیخ محب اللہ راشدی، مولانا فیض الرحمٰن ثوری، مولانا اللہ دتہ سوہدری، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، شیخ حافظ عبد المنان نورپوری، حافظ عبد الحمید ازہر۔

تلامذہ: مولانا غلام مصطفیٰ ظہیر، مولانا اسلم سندھی، حافظ ندیم ظہیر، ابو محمد نصیر احمد کاشف، حافظ شیر محمد الاثری، مولانا تنویر الحق ہزاروی، مولانا حبیب الرحمٰن ہزاروی، مولانا ذوالفقار اثری، مولانا صدیق رضا، مولانا ابو صفی عبد الرحمٰن اثری، حافظ شبیر احمد جمالی۔

خطیب: اپنی وفات تک مسلسل خطابت کے فرائض جامع مسجد اہل حدیث پیر داد حضرو میں ادا کرتے رہے ہیں۔

تدریس: جب سے جامعہ اہل الحدیث حضرو کی بنیاد رکھی تب سے مسلسل تدریس کرتے رہے، البتہ زندگی کے آخری دو سال جامعہ امام بخاری سرگودھا میں بھی پڑھایا، علاوہ ازیں مختلف جامعات میں علمی دورہ جات بھی کرواتے رہے ہیں۔

مکتبہ: آپ کا مکتبہ ملک کے بڑے مکتبوں میں شمار ہوتا ہے، بہت ہی عالیشان اور جامع و نافع کتب خانہ ہے، جہاں بیٹھ کر شیخ نے علمی امور تسلسل سے سرانجام دیے۔

وفات: ۵ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ بمطابق ۱۰ نومبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار۔

(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۲۵)

شیخ صاحب کے بارے میں ان کے قریبی شاگرد حافظ ندیم ظہیر لکھتے ہیں: حافظ زبیر علی زئی بچپن ہی سے ذہین وفطین، کتاب و سنت اور وقت کی قدر کرنے والے تھے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے: ''جب میں چھوٹا تھا اور پرائمری سکول میں پڑھتا تھا تب مجھے مطالعہ کا بہت شوق تھا، اکثر ایسے ہوتا کہ والدہ ماجدہ کھانا دیتیں تو میں کتاب گود میں رکھے پڑھتے پڑھتے کھانا کھاتا، میری اس عادت سے والدہ پریشان ہو کر مجھ سے کتاب لے کر رکھ دیتی تھیں اور ڈانٹتے ہوئے کہا کرتیں: کم از کم کھانا تو کتاب پڑھے بغیر کھالیا کرو۔ اسی طرح سکول جاتے اور آتے ہوئے ایک کتاب میرے ہاتھ میں رہتی جسے میں پڑھتا رہتا۔

شیخ کے چاچا زاد بھائی نے مجھے بتایا کہ ''زبیر صاحب! عام بچوں سے مختلف تھے، ہم سب بچے کھیل کود میں مشغول رہتے اور حافظ صاحب کھیل کے میدان میں بھی ایک طرف کتاب لے کر بیٹھ جاتے۔ ہمارے گھر میں کافی کتب تھیں، وہ جب بھی ہمارے گھر آتے تو انہیں کسی نہ کسی کتاب ہی کو پڑھتے پایا۔

شیخ کی ذہانت سے متعلق ان کے ایک عزیز فضل الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ ''ہم میں سے جو بھی شپ پر جاتا تو انٹرویو انگلش میں یا کسی ترجمان کے ذریعے سے دیتا، لیکن جب شیخ صاحب گئے تو وہاں محض چند دن رہنے سے ان کی زبان سیکھ لی اور پھر مکمل انٹرویو اسی زبان میں دیا جس سے انٹرویو لینے والے ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔

جوانی: جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ذریعہ معاش کے لیے شِپ کے ذریعے سے مختلف ممالک میں جانا ہوا، لیکن قرآن مجید و دیگر کتب ہمیشہ ساتھ رکھیں، ہر قسم کی لغویات و فضولیات سے بچتے ہوئے قرآن مجید سے تعلق مضبوط رکھا، یہی وجہ ہے کہ ایک بار کسی ایسی ریاست میں جانا ہوا، جہاں مسلمان مظلوم تھے اور اسلام کی پاداش میں ظالم ہر حد تک گئے۔ مسلمان اسلامی تعلیمات سے محروم، ایسے میں انہیں معلوم پڑا کہ ان لوگوں میں بعض مسلمان بھی ہیں اور ان کے پاس قرآن مجید بھی ہیں تو وہاں کے مسلمان منت و سماجت کرنے لگے کہ ہم سے جتنے چاہو پیسے لے لو، لیکن ہمیں یہ قرآن مجید دے دو تو شیخ اپنا قرآن مجید انہیں ویسے ہی دے آئے۔

مسلک اہل حدیث اختیار کرنے کے بعد آپ کو حصولِ علم کا جنون کی حد تک شوق پیدا ہوا، چنانچہ شپ وغیرہ کو خیر آباد کہا اور اپنے آبائی کاروبار کے ساتھ ساتھ باقاعدہ پڑھنا شروع کیا، صرف و نحو وغیرہ کی ابتدائی تعلیم اپنے علاقے ہی سے حاصل کی، پھر ماہرین فن کے پاس جاکر خوب مہارت حاصل کی۔ (ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۳۷)

طلب علم کے لئے سفر:

مولانا اللہ دتہ اور حافظ عبد الحمید ازہر سے خوب استفادے کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی علمی اسفار بھی کیے۔ شیخ صاحب مسکراتے ہوئے فرمانے لگے۔"میرے والد صاحب چونکہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ میں "منصورہ" میں پڑھوں، چنانچہ کئی بار وہ مجھے وہاں چھوڑ کر بھی آئے۔ جب مجھے یقین ہو جاتا کہ اب والد محترم واپس گھر پہنچ چکے ہوں گے تو میں منصورے سے نکل کر سیدھا شارح سنن النسائی محدث عطاء اللہ بھوجیانی کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور ان سے فیضیاب ہوتا رہتا، پھر آخر میں انہوں نے مجھے اپنی سند اجازہ سے بھی نوازا۔

جب مولانا فیض الرحمٰن الثوری جامعہ اثریہ، جہلم میں مقیم تھے تو ان سے فیض یاب ہوئے اور سند اجازہ حاصل کی۔ ایک دن تذکرہ ثوری ہو رہا تھا تو فرمانے لگے: "ہمارے استاد مولانا فیض الرحمٰن کا قبیلہ دادنڈ بیل والے مشہور تھا تو انہوں نے اسکی تعریب کرکے ثور بنایا، پھر نسبت ثوری ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ یہ واقعہ بیان کرکے شیخ خوب محظوظ بھی ہوتے تھے، علم حدیث اور اسماء الرجال سے خاص شغف رکھنے والے شیخ سید بدیع الدین راشدی اور سید محب اللہ راشدی کے علم کا خوب چرچا تھا اور حافظ زبیر علی زئی علم کے حریص تھے، چنانچہ حصولِ علم کے لیے سرزمین سندھ کا قصد کیا اور ایک عرصے تک دونوں بھائیوں سے خوب مستفید ہوئے۔ (ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۳۸)

سماجی خدمات:

شیخ صاحب نہ صرف خود اہل علم سے مسلسل رابطے میں رہتے بلکہ دوسروں کو بھی علمائے کرام کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اکثر علمی مسائل میں اپنے اساتذہ میں سے حافظ عبد الحمید ازہر اور حافظ عبد المنان نور پوری سے رہنمائی لیتے، بعض اوقات ایسے بھی ہوتا کہ سائل کی موجودگی میں ہی اپنے اساتذہ کو فون کر لیتے اور بغیر کسی جھجک کے کہتے: مجھے اس مسئلہ میں شک ہے جسے دور کرنے کے لئے اپنے استاذ محترم کو فون کر رہا ہوں، بعد ازاں سائل کو پوری تسلی سے مسئلہ سمجھا دیتے۔

فقہی مسائل ہوں یا تحقیقی، مختلف فیہ ہونے کی صورت میں آپ علمائے کرام سے رابطہ کرکے رائے ضرور معلوم کرتے تھے۔ "کل ضلالۃ فی النار" کے بارے میں ملک وبیرون ملک کے کئی علماء سے رابطہ کیا اوران سے پوچھا کہ اس زیادت پر ضعف کا حکم راجح ہے یا صحیح کا؟

قربانی کے تین دن "مضمون لکھ کر علمائے کرام کی خدمت میں ارسال کر دیا اور گزارش کی کہ اگر میں اس مسئلہ میں صواب رائے نہیں رکھتا تو اصلاح کی جائے، لیکن جب کوئی رائے سامنے نہیں آئی تو اسے ماہنامہ اشاعۃ الحدیث میں شائع کر دیا۔

(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص۳۹)

کتب سے محبت اور ذوق مطالعہ:

جب شیخ صاحب کی اپنی لائبریری میں کتب بہت تھوڑی تھیں تب آپ اپنے مختلف اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اوران سے استعارتاً کتابیں لاکر پڑھتے، پھر جسے اہم خیال کرتے اس کی فوٹو کاپی حاصل کر لیتے۔ حافظ عبدالحمید ازہر کا کہنا ہے کہ اگر میری لائبریری کی تقریباً ساری کتب کسی نے پڑھی ہیں تو وہ حافظ زبیز صاحب ہیں۔

دوران تحقیق میں کبھی مفقود یا غیر مطبوع کتاب کا ذکر آجاتا تو بہت افسوس کا اظہار کرتے اور ساتھ ہی دعا کرتے کہ کہیں سے یہ کتب چھپ جائیں۔ تاریخ دمشق اور حافظ ابن ملقن کی "البدر المنیر" پڑھنے کی بڑی خواہش تھی، پھر یہ دونوں کتابیں ان کی زندگی میں چھپ گئیں، جوں ہی خبر ملی کہ پشاور میں یہ کتب میسر ہیں اگلے ہی دن ان کے حصول کے لیے پہنچ گئے اورالبدر المنیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اسی طرح "الخلافیات للبیھقی" کے متمنی تھے، لیکن یہ آپ کی وفات کے بعد طبع ہوئی، جب میں پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو "سیر اعلام النبلاء" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میں نے دومرتبہ حرف بحرف اس کا مطالعہ کیا ہے اور وہ فہارس سمیت پچیس جلدوں پر مشتمل تھی۔

کتب ستہ سے متعلق کہنے لگے: امتحانات کے علاوہ میں نے انہیں دوبار حرف بحرف پڑھا ہے۔ ایک دن "السنن الکبریٰ" سے متعلق بتارہے تھے کہ یہ میں نے اپنی شادی کے موقع پر خریدی تھی۔

شیخ صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی نئی کتاب لاتے، جب تک پڑھ نہ لیتے اسے لائبریری کے شیلف میں نہ رکھتے۔ جس چارپائی پر آپ استراحت فرماتے اس سے متصل ایک ٹیبل پر عموماً وہ کتب ہوتیں جو آپ کے زیر مطالعہ ہوتی تھیں۔ کتب کی خریداری کے لئے جب بھی پشاور یا لاہور جانا ہوتا تو واپسی پر کچھ کتابیں ہینڈ بیگ میں رکھ لیتے تاکہ سفر میں ان کا مطالعہ کر سکیں، آپ دورانِ سفر میں بڑی آسانی سے فوائد یا حاشیہ لکھ لیتے اور گاڑی کے جھٹکوں وغیرہ سے بے نیاز رہتے۔ شیخ

صاحب حصولِ علم میں کبھی جھجک کا شکار نہیں ہوتے تھے، اگر کہیں کوئی ایسی کتاب کہیں نظر آجاتی جو آپ کے پاس نہ ہوتی تو فوراً پڑھنے کے لیے مانگ لیتے۔ ایک دفعہ میری لائبریری میں ''الجلیس الصالح الکافی والانیس الناصح الشافی لابی الفرج المعانی بن زکریابن یحیٰ النھروانی'' (المتوفیٰ ۳۹۰ھ) دیکھی تو بڑے خوش ہوئے، پھر ''مختصر الاحکام للطوسی'' بھی نکال کر فرمانے لگے یہ دونوں کتابیں میرے پاس نہیں ہیں یہ پڑھنے کے لئے حضرو لے جاؤں گا اور پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۴۲)

معاشرتی خدمات:

شیخ صاحب اسراف وفضول خرچی کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، لیکن فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں کبھی بخل نہیں کی، اکثر ایک بزرگ مسجد کے ایک کونے میں کھڑے نظر آتے تو شیخ غیر محسوس طریقے سے ان کے پاس جاتے اور اس انداز سے ان کی جیب یا ہاتھ میں پیسے تھما دیتے کہ عام آدمی جان نہیں پاتا تھا۔ جب بھی بازار جاتے تو اپنے شاگردوں سے باقاعدہ پوچھتے کہ کوئی چیز چاہیے یا کھانے پینے کے لیے کچھ لے آؤں؟

اور جب طالب علم گھر جاتے تو ان کی جیب میں حسبِ استطاعت پیسے ڈال دیتے، بلکہ کوئی ملنے کے لیے آتا تو اس سے بھی کرائے وغیرہ کا ضرور پوچھتے۔ جماعت اہل حدیث حضرو میں اگر کوئی مستحق ہوتا تو اس کے پاس جا کر حال احوال بھی پوچھتے اور تعاون بھی کرتے۔ علاوہ ازیں اپنے ادارے میں اساتذہ ودیگر سٹاف کا بھی بھرپور خیال رکھتے۔ میرے علم کے مطابق شیخ صاحب ہی وہ مدیر الجامعہ تھے جنھوں نے کبھی تنخواہ دینے میں تاخیر نہیں کی، بلکہ ہمیشہ چار پانچ دن پہلے ہی ادا کر دیتے تھے۔

(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۴۶)

اللہ کے حضور:

شیخ عشاء کے فوراً بعد سونے کی حدیث پر عمل پیرا رہے اور قیام اللیل کے حکم پر بھی ہمیشہ کاربند رہے، حالتِ اقامت میں تو رات کا قیام ہوتا ہی تھا آپ کہیں سفر پر بھی ہوتے تو اس کا باقاعدہ اہتمام کرتے جو سفر آپ کے ساتھ کیے ان میں بخوبی مشاہدہ کیا تھا۔ اسی طرح قرآن مجید کے ساتھ آپ کو جنون کی حد تک لگاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ تیس کی دہائی عبور کر رہے تھے کہ چند ماہ میں قرآن مجید مکمل حفظ کر لیا۔ عشاء اور نمازِ فجر میں کئی بار قرآن مکمل سنایا۔ اگر آپ کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے حتیٰ کہ تلاوت سے ذہنی و قلبی سکون حاصل ہو جاتا۔ سفری بیگ میں جہاں دیگر کتب رکھتے وہاں قرآن مجید رکھنا کبھی نہ بھولتے۔ آپ بہت زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے اور جو یاد کرتے اسے سناتے بھی خواہ کسی

طالب علم ہی کو سناتے۔ قرآن مجید سے محبت ہی کے پیش نظر سب سے پہلے تفسیر ابن کثیر کی تخریج و تحقیق شروع کی، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شروع شروع میں عرب علماء کی نگرانی میں کام شروع کیا تو شیخ ابو فراس نے مجھے تفسیر ابن کثیر پر تحقیق کا کہا جو بعد میں مفقود ہو گئی تھی۔ (ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۷۱)

شیخ صاحب کے قبیلے، تعلیم، زندگی کے متعلق عمران خان نے انٹرویو کیا جو کہ درج ذیل ہے۔

س: نام / ولدیت:

ج: محمد زبیر عرف حافظ زبیر علی زئی / مجدد خان۔

س: تاریخ پیدائش / جائے پیدائش۔

ج: ۲۵ جون ۱۹۵۷ء / پیر داد، حضرو اٹک

س: قوم / قبیلہ

ج: پٹھان / علی زئی

س: تعلیمی قابلیت

ج: ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات (پنجاب یونیورسٹی)، فارغ التحصیل جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ، وفاق المدارس سلفیہ، فیصل آباد

س: بچپن / لڑکپن کے مشاغل

ج: کثرتِ مطالعہ

س: پروفیشن

ج: درس و تدریس / تصنیف و تالیف

س: پروفیشنل اچیومنٹس

ج: کم و بیش ۷۶ کتب لکھ چکا ہوں اور سلسلہ جاری ہے۔ ۳۵ کتب اردو، ۳۵ کتب عربی میں لکھ چکا ہوں۔

س: پروفیشنل خدمات

ج: کم و بیش ۲۸ سال سے درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک ہوں۔

س: پسندیدہ عالم دین / سیاستدان / شاعر / صحافی (لوکل انٹرنیشنل)۔

ج: حافظ عبدالحمید ازہر / شاعرِ عصرِ حاضر کے احمد شوقی (المصری) پسند ہیں۔ سیاست اور صحافت سے دلچسپی نہیں۔

س: پسندیدہ کتاب / مصنف

ج: قرآنِ مجید / صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

س: پسندیدہ رنگ / خوشبو / لباس

ج: سفید / چنبیلی / شلوار قمیص

س: پسندیدہ سیاسی پارٹی

ج: کوئی نہیں

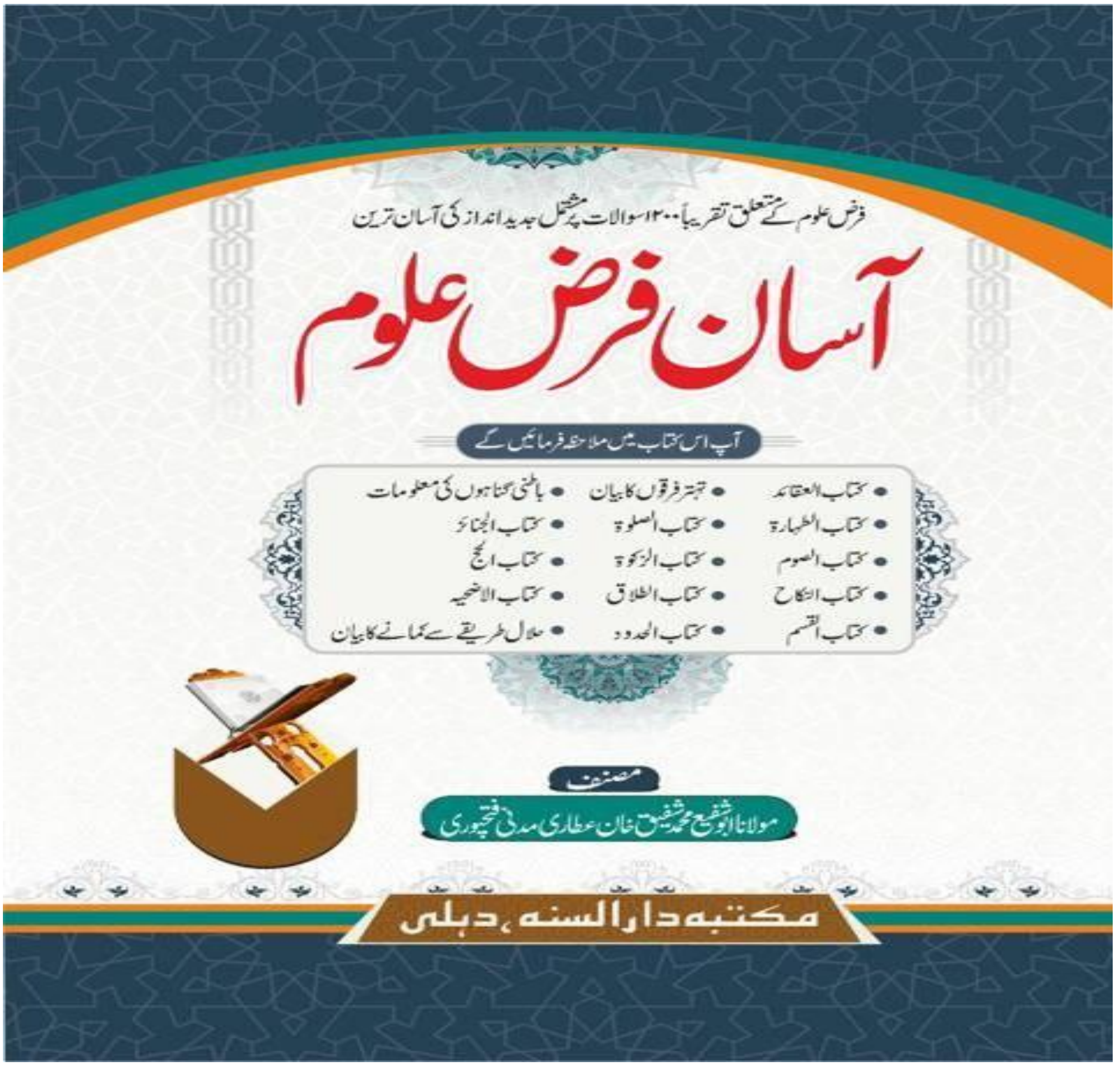
ج: تمام فتنوں کی جڑ کتاب و سنت سے دوری، شرک، کفر اور بدعات ہیں، لھٰذا اپنے آپ کو فتنوں سے بچانے کیلئے قرآن و حدیث علیٰ فہم السلف الصالحین اور اجماع و آثار سلف کا دامن تھام لیں۔

(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۵۶۰)

خلاصہ تحقیق:

- شیخ زبیر ۲۷ ذی القعدہ ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۵ جون ۱۹۵۷ء بروز منگل، حضرو، اٹک میں پیدا ہوئے۔
- شیخ زبیر نے اپنی تعلیم کو یوں پایہ تکمیل کیا کہ آٹھویں ۱۹۷۲ء، میٹرک ۱۹۷۴ء، ایف اے ۱۹۷۷ء، بی اے ۱۹۷۹ء، ایم اے علوم اسلامیہ ۱۹۸۳ء، ایم اے عربی ۱۹۹۳ء، وفاق المدارس ۱۹۹۰ء، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ سے فراغت ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔
- شیخ زبیر نے تقریباً ۳۸ سال کی عمر میں حفظ شروع کیا اور اجراء و دہرائی سمیت ۶ ماہ میں حافظ قرآن بن گئے۔
- تین بیٹے: طاہر علی زئی، حافظ عبداللہ ثاقب، حافظ معاذ علی زئی اور چار بیٹیاں۔
- شیخ کے اساتذہ میں سے نمایاں کے نام: شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی، شیخ محب اللہ راشدی، مولانا فیض الرحمٰن ثوری، مولانا اللہ دتہ سوہدری، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، شیخ حافظ عبد المنان نورپوری، حافظ عبدالحمید ازہر۔

- شیخ کے معروف تلامذہ: مولانا غلام مصطفیٰ ظہیر، مولانا اسلم سندھی، حافظ ندیم ظہیر، ابو محمد نصیر احمد کاشف، حافظ شیر محمد الاثری، مولانا تنویر الحق ہزاروی، مولانا حبیب الرحمٰن ہزاروی، مولانا ذوالفقار اثری، مولانا صدیق رضا، مولانا ابو صفی عبد الرحمٰن اثری، حافظ شبیر احمد جمالی۔
- شیخ زبیر اپنی وفات تک مسلسل خطابت کے فرائض جامع مسجد اہل حدیث پیر داد حضرو میں ادا کرتے رہے ہیں۔
- شیخ زبیر دنیائے فانی سے ۵ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ بمطابق ۱۰ نومبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار کو کوچ کر گئے۔



فصل دوم
سیرت وکردار

اخلاق وکردار:

شیخ صاحب کے اخلاق وکردار کے بارے میں دورائے پائی جاتی ہیں، ایک شیخ کے شاگرد جورائے دیتے ہیں، اوران کے متعلق لکھتے اور بتاتے ہیں اور دوسری رائے جو شیخ کے ہم عصر علماء بتاتے ہیں اور جو ان کی کتب میں موجود ہے۔

پہلی رائے:

شیخ زبیر علی زئی کے شاگرد مولانا اسلم سندھی آپ کی سیرت وکردار کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اس وقت تک کوئی بھی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس کے رہنما اخلاق کے بلند درجے پر فائز نہ ہوں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں گے اور تفصیل سے مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جب تک لیڈر میں اخلاق، محبت، ہمدردی، بہادری اور ایثار کا جذبہ نہ ہو، جماعت تیار نہیں ہوسکتی۔''

فرمان الٰہی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔ (سورہ آل عمران ۳:۱۵۹) ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

یعنی رہنما ایسا ہو جو کہ اپنے ساتھیوں سے نرم رویہ اختیار کرے، انہیں دل میں جگہ دے، خیر وخواہی کرے اور ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہو، جماعت کے ساتھ تعلق ایمان اور صحیح عقیدہ کی بنیاد پر ہو، کسی ذاتی مفاد کی بنیاد پر نہ ہو۔

شیخ زبیر علی زئی کے ساتھ دنیا کے ہزاروں طالبان علم اور عوام کا رابطہ رہتا تھا۔ لیکن ہر کوئی یہ ہی سمجھتا تھا کہ شیخ صاحب بس مجھ سے ہی محبت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہوتے ہیں اور برسوں بعد پیدا ہوتے ہیں جن کی سوچ اور فکر کی پرواز نہایت ہی بلند ہوتی ہے۔

شیخ صاحب کے دل میں جماعتی ساتھیوں کیلئے بہت زیادہ محبت اور جذبہ خیر خواہی ہوتا تھااور ہمیشہ ان کی اچھائی کیلئے سوچتے رہتے تھے۔دینی،علمی اور دنیوی معاملات میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔آپ کا دل بڑا کشادہ ہوتا تھااور ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا سوچتے تھے۔عام طور پر اہل علم اپنی ذاتی تصنیفات،جو ابھی مطبوع نہ ہوں،ان کی فوٹو نہیں دیتے ،لیکن شیخ صاحب اس معاملے میں بھی بڑے فراخدل تھے۔میں نے آپ سے بلوغ المرام پر آپ کی تحقیق کی فوٹو کاپی لی۔آپ نے کہا:شہر میں ایک فوٹو اسٹیٹ والا ہے،میں آپ کے ساتھ چلتاہوں،وہ کاپی بھی اچھی بناتاہے اور رعایت بھی کرتاہے،آپ خود میرے ساتھ چلے اور فوٹو کاپی کروا کر دی۔(ندیم ظہیر،حافظ:اشاعۃ الحدیث،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۱۴۴۰ھ،ص۱۹۷)

شیخ زبیر علی زئی کے شاگرد حافظ شبیر احمد جمالی اپنے استاذ کے کردار وسیرت کے متعلق لکھتے ہیں:مزاج میں سادگی بھی اللہ پاک کی ایک انمول عطاہے۔عوام الناس کو اپنے قریب کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔انسانیت کے عظیم خیر خواہ محمد رسول اللہ ﷺ اس قدر سادہ مزاج تھے کہ لوگوں میں بلکل گھل مل کر بیٹھ جاتے حتیٰ کہ کوئی آنے والا آتا تو اسے بعض اوقات پوچھنا پڑتا:"ایکم محمد ﷺ"کہ تمہارے درمیان محمد ﷺ کون ہیں؟ (بخاری ،محمد بن اسماعیل،امام:الجامع الصحیح،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۱۹۹۹ء،رقم الحدیث:۳٦)

بلکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے،سائل نے سوال کیا کہ "افیکم ابن عبد المطلب؟"تمہارے درمیان ابن عبد المطلب(یعنی نبی ﷺ)ہیں؟(مسند ابی داوٗد الطیالسی ۲۔۷۰٦،دارالکتب العلمیہ)

یہ نبوی سادگی بحیثیت میراث نبوی امت کی طرف منتقل ہوتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی،پھر ان سے تابعین تک،پھر آگے علمائے امت کو میراث نبوی ملی،لیکن افسوس کہ دور حاضر میں یہ صفت بھی مفقود ہوتی جارہی ہے۔بہت ہی کم علماءہیں جن کے حصے میں یہ نعمت آئی ہوگی۔وگرنہ آج امت کے علماء کا مزاج بھی کچھ اس طرح کاہے کہ عام بندگانِ خدا تو ان سے میل جول رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے،بلکہ قوم کے وڈیروں،چوہدریوں اور سیاسی علمبرداروں کی طرح علمائے وقت کی ملاقات کیلئے کئی روز تک منتیں کرنی پڑتی ہیں جس کی وجہ سے اس امت کے علماء جو کہ حقیقی طور پر اس امت کے اطباء ہیں عامۃ الناس سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔نتیجتاً امت کے اندر گمراہی کا دور دوراہے۔ان کمیاب علماء میں حضرو کی جامع مسجد اہل حدیث میں ایک مرد فقیر نظر آتے تھے جس کی ہر ادا سے فقیری وسادگی ہی ٹپکتی تھی۔جس کے آس پاس بھی مصنوعی رعب اور بناوٹی گھمنڈ نہ تھا۔یہ الگ بات ہے کہ ان کا علمی رعب کچھ ایسا تھا کہ بڑے بڑے بھی ان کے سامنے اپنے ارادوں کو سکیڑتے نظر آتے۔علماء،طلباء اور عام عوام سے میل جول تو اور بات ہے۔آپ بچوں کے ساتھ جس اندازِ سادگی سے پیش آتے تھے وہ

بھی یقیناََ مثالی ہے،کیونکہ کئی بار دیکھا گیا کہ وقت کا محدث حضرو کی جامع مسجد کے صحن میں برادر حافظ ابوالعباس کی ننھی بچے کے ساتھ کھیلتے اور توتلی زبان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔محبت والفت بھی انسانیت کاایک زیور ہے ۔اگر یہ مفقود ہو جائے تو ہر رشتہ بے جان سارہتا ہے اور اگر یہ کہیں مہک اٹھے تو ایسے رشتے جوڑدے کہ صلبی ونسبی رشتے بھی ماند پڑ جائیں۔شیخ طلباء کے لئے بیحد محبت کرنے والے شفیق باپ کی مانند تھے۔ایک بار ہم حافظ شیر محمد کے برادر(ان کانام غالباََ امیر محمد ہے)کے گھر بعد از مغرب شیخ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔آپ سے ایک طالب وخادم نے سوال کیا:استاد جی آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟فرمانے لگے:میرے سارے طلباء میرے بیٹے ہیں۔تم لوگ میرے بیٹے ہو۔میں تم لوگوں سے اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔بس حقیقت یہ ہے کہ تم طلباء ہی میری اولاد ہو۔(ندیم ظہیر:اشاعۃ الحدیث،ص ۲۱۴)

شیخ زبیر علی زئی کے شاگرد مولاناابو معاذ الحمیدی محمد بلال لکھتے ہیں:استادِ محترم کے اندر انتہائی درجے کی سادگی پائی جاتی تھی۔علم کی کثیر دولت ہونے کے باوجود کبھی کسی دوسرے کو محسوس نہ ہونے دیا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں۔پہلی بار جب میں استاد محترم کو ملنے گیا تو جانے سے ایک دن پہلے میں نے آپ کو فون کیا کہ میں ملنا چاہتا ہوں اور آپ کا مکتبہ دیکھنا چاہتا ہوں۔فون کرنے سے پہلے میرے ذھن میں تھا کہ شیخ محترم بہت بڑے عالم ہیں،شاید مجھے وقت نہ دے پائیں،لیکن جب فون پر بات کی تو کچھ اور ہی محسوس ہونے لگا جیسے میں اپنے کسی دوست سے بات کر رہا ہوں۔بات کرنے میں کسی قسم کا کوئی تکبر نہ تھا بلکہ انتہائی خوشی سے آنے کا کہا،جب میں شیخ کے پاس پہنچا تو فون کیا کہ میں آپ کی مسجد میں پہنچ گیا ہوں تو شیخ اپنے مکتبے سے مسجد میں آئے آپ کے ساتھ ان کا ایک شاگرد بھی تھا۔جب شیخ محترم مجھے ملے تو میں نے ان کے شاگرد سے پوچھا:کیا یہ "شیخ زبیر علی زئی"ہیں؟تو ان کے شاگرد نے ہاں میں جواب دیا،پھر تو میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ میں نے کیا سوچ رکھا تھا اور شیخ کو کیسا پایا؟واللہ العظیم!آپ ایک بہت ہی سادہ لباس میں تھے جیسے عام دیہاتی لوگ پہنتے ہیں۔چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں تھے جیسے کسی اپنے قریبی رشتہ دار کو مل رہے ہوں۔

محدث العصر عظیم اخلاق کے حامل تھے،ہر آنے والے کو خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔جب میں استاذ محترم کے پاس گیا تو آپ میرے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے:بیٹے!آپ جو باتیں کرنا چاہتے ہیں کریں اور مجھے بالکل محسوس نہ ہونے دیا کہ میرا کام رک رہا ہے،حالانکہ آپ کا وقت کافی قیمتی تھا۔ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھنے یا پڑھنے میں مصروف رہتے اور میرے سامنے اور بھی کئی لوگ شیخ کو ملنے آئے تو ان کے ساتھ اپنا کام چھوڑ کر بات چیت کرنے لگے اور انہیں ان کے سوالات کے جوابات دیتے رہے۔(ندیم ظہیر:اشاعۃ الحدیث،ص ۲۶۰)

مہمان نوازی کی صفت:

شیخ زبیر علی زئی کے شاگرد مولانا ابو معاذ الحمیدی محمد بلال لکھتے ہیں: استاذ محترم میں مہمان نوازی کی صفت بھی نمایاں تھی جو بھی مہمان آپ کے پاس آتا توان کی کوشش ہوتی تھی کہ اسے کچھ کھلا پلا دیا جائے، پھر اپنے شاگردوں کو کوئی چیز لانے کا کہہ دیتے۔ اگر کھانے کا وقت ہو جاتا تو کھانا کھلاتے۔ جس دن میں ان کے پاس گیا ہوا تھا تو جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو فرمانے لگے: کھانا کھا کر جانا، تو مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ یہ شیخ محترم کا اخلاق عظیم تھا جس نے میری زندگی کو بہت بدل دیا اور مجھے معلوم ہوا کہ واقعتاً علم والی شخصیات ایسی عادات مبارکہ کی حامل ہوا کرتی ہیں۔(ندیم ظہیر: اشاعۃ الحدیث، ص۲۶۰)

دوسری رائے:

شیخ اپنے شاگردوں اور ہم مسلک لوگوں کیلئے بہت ہی بااخلاق ہیں لیکن اپنے مخالفین کے متعلق ان کا خلاق وکردار مختلف ہے، جس کی گواہی ان کے ہم مسلک محقق ارشاد الحق اثری نے دی: البتہ اپنے مدمقابل اوراپنے سے اختلاف کرنے والے کونامناسب القاب سے ذکر کرتے تھے۔ میں ایک باراس کا شکوہ براہ راست ان سے کیا کہ یہ انداز اہل علم کی شایانِ شان نہیں اگر آپ اسے عالم نہیں سمجھتے تو اسے الجھنے کی ضرورت نہیں، جواب جاہلاں باشد خاموشی، اس کا جواب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ ہی فرمان ہے: اذا خاطبہم الجاہلون قالوا اسلاما، مگروہ فرماتے کہ اہل بدعت تکریم کے لائق نہیں۔(ندیم ظہیر: اشاعۃ الحدیث، ص۲۹۳)

مخالفین کے لئے سخت رویہ:

مخالفین کے بارے شیخ سخت رویہ رکھتے تھے اوران کے نام تک صحیح نہیں لکھتے تھے، مثلاً اشرف علی تھانوی کے نام کو بگاڑ کر "اشر فعلی" ملا کر لکھتے تھے، چنانچہ شیخ زبیر لکھتے ہیں: اگر تخصیص کی واضح دلیل نہ ہو تو جب قرآن پڑھا جائے، اُس وقت قرآن پڑھنا جائز ہے جیسا کہ اشر فعلی تھانوی دیوبندی نے کہا: "میرے نزدیک إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو۔

تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قراءت فی الصلوۃ مراد نہیں۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ۳/۱۱۰)

شیخ زبیر نے جلیل القدر مفسرین کی تفاسیر کو مدِ نظر نہیں رکھا، جن میں ابن جریر اور ابن کثیر سر فہرست ہیں جنہوں نے وضاحت کی ہے کہ یہ آیت خطبہ اور امام کی قراءت کے متعلق ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔(طبری، محمد بن جریر: جامع البیان، دارالسلام، ریاض، س ن، ۶/ ۲۱۹) بلکہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر پر اعتماد کیا، کیا شیخ زبیر کا تھانوی صاحب پر اعتماد کرنا قرآن کو سمجھنے کیلئے ہے؟ ہر گز نہیں۔ شیخ زبیر تو ان کو بدعتی اور گمراہ سمجھتے ہوئے ان کا نام بھی بگاڑ کر لکھتے ہیں جیسا کہ لکھا"اشر فعلی تھانوی"اشرف علی تھانوی نام کو جان بوجھ کر"اشر فعلی تھانوی"لکھا یہ کاتب کی غلطی نہیں بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا جو کہ ان کی کتب سے واضح ہے۔

اور یہ طرز عمل آپ کے شاگردوں میں بھی چلا آرہا ہے۔ آپ کے شاگرد خاص حافظ شیر محمد اثری لکھتے ہیں: یہ بے چارے کرتے بھی کیا، ان کے اکابر کا بھی یہی حال تھا جس طرح اشر فعلی تھانوی حاحب نے کہا۔(ندیم، ظہیر: اشاعۃ الحدیث، ص ۳۲۹)

بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے اور علمائے احناف کے متعلق وہ خاصے متشدد نظر آتے ہیں، چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو مزعوم امام کہتے تھے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو شیخ زبیر، رحمہ اللہ بھی نہیں لکھتے تھے جبکہ اپنے موجودہ دور کے اساتذہ کے لیے بڑے بڑے القابات لکھتے تھے، ان کے رسالہ کا ایک پیج آپ ملاحظہ فرمائیں، اور وہ اپنے رسالہ میں اس طرح کے ٹائٹل لگاتے تھے: حنفیہ کے مزعوم امام ابو حنیفہ تابعی نہیں تھے۔

محمد ارشد سجاد دیوبندی نے حنفیہ کے امام ابو حنیفہ (متوفیٰ ۱۵۰ھ) کے بارے میں لکھا ہے:"اللہ رب العزت نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور صفات سے نوازا تھا جن میں سے ایک بہت بڑی صفت یہ ہے کہ آپ تابعیت کے بلند پایہ مرتبہ پر بھی فائز ہوئے۔"اس کے بعد ارشد سجاد صاحب نے درج ذیل علماء کے ذاتی اقوال پیش کئے:

۱:ابن الندیم (پیدائش نامعلوم، وفات ۴۳۸ھ بحوالہ معجم المؤفین) ۲:ابن عبد البر (پیدائش ۳۶۸ھ) ۳: ذہبی (پیدائش ۶۷۳ھ) ۴: یافعی (پیدائش ۷۰۰ھ) ۵: ابن کثیر (پیدائش ۷۰۱ھ) ۶: ابن حجر العسقلانی (پیدائش ۷۷۳ھ) ۷: عینی حنفی (پیدائش ۷۶۲ھ) ۸: ابن العماد حنبلی (پیدائش ۱۰۳۲ھ)

یہ سب علماء حنفیہ کے امام کی وفات کے بعد بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے تھے، لہٰذا ان کے اقوال منقطع و بے سند ہونے کی وجہ سے یہاں مردود ہیں۔ ان منقطع و بے سند اقوال کے مقابلے میں حنفیہ کے امام ابو حنیفہ نے خود اپنے بارے میں فرمایا:"مارأیت افضل من عطاء"(الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۴۷۳ واللفظ لہ، بطعہ جدیدہ ج ۸ ص ۲۳۷ وسندہ صحیح، مسند علی بن

الجعد ج ۲ ص ۷۷۷ ح ۲۰۶۲، دوسرا نسخہ: ۱۹۷۸، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۵، العلل الصغیر للترمذی ص ۸۹۱، کتاب القرأت خلف الامام للبیہقی ص ۱۳۴ تحت ح ۳۲۱ دوسرا نسخہ ص ۱۵۷ تحت ح ۳۴۵)

ظاہر ہے کہ اس گواہی سے ثابت ہوا کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا تھا، ورنہ وہ یہ کبھی نہ کہتے: میں نے عطاء سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ امام صاحب کے اپنے اس قول اور گواہی کے مقابلے میں اگر مذکورہ حوالوں کی طرح بے سند و منقطع ایک ہزار حوالے بھی ہوں تو علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔(زئی: مقالات، ۶/ ۱۶۵)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح روکھے اور نامناسب الفاظ میں شیخ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا اور جو اصول اپنی طرف سے بنایا۔

گزارش ہے کہ اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ اگر کوئی تابعی یہ جملہ کہہ دے کہ میں نے اس (تابعی) سے بڑھ کر فضیلت والا نہیں دیکھا یا اس (تابعی) سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ اور اس سے یہ رزلٹ نکالا جائے کہ وہ تابعی نہیں ورنہ وہ یہ بات نہ کہتا۔ آپ کا دین آدھارہ جائے گا اور یہ اصول آپ کو تباہ و برباد کر دے گا، اور اس اصول سے آپ ﷺ کی کئی احادیث کو چھوڑنا پڑے گا بلکہ آپ کو ان صحیح احادیث کو موضوع یا من گھڑت کہنا پڑے گا، کیونکہ ایسے کئی راوی ہیں جو تابعی ہیں اور وہ صحابی سے ڈائریکٹ حدیث لیتے ہیں، جیسا کہ قتادہ بن دعامہ جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے ڈائریکٹ روایت کرتے ہیں۔ ان کی تمام احادیث جو کتب ستہ (صحاح ستہ) میں ہیں ان کو چھوڑنا پڑے گا بلکہ ایک اندازے کے مطابق ۷۷۷ احادیث جو بخاری و مسلم میں ہیں ان کو ضعیف یا موضوع کہہ کر نکالنا پڑے گا۔ اس کی وجہ آپ کا یہ اصول ہے کہ تابعی اگر تابعی کے بارے میں کہہ دے کہ وہ سب سے زیادہ فضیلت والا یا علم والا ہے وہ تابعی نہیں رہتا۔

توجناب قتادہ بن دعامہ تابعی ہیں اور ان کا قول کتابوں میں موجود ہے جو انہوں نے حضرت سعید بن مسیب تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں کہا: حضرت قتادہ بن عامہ رحمہ اللہ تابعی المتوفیٰ ۱۱۸ھ، حضرت سعید بن مسیب تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں: مارأت اعلم من سعید بن مسیب۔ ترجمہ: میں نے سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۴ مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت) یاد رہے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے کئی احادیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں جیسا کہ بخاری حدیث: ۱۳ اور ۱۵، اس کے علاوہ اس نے حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔(ذہبی، احمد بن علی، شمس الدین: تذکرۃ الحفاظ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء/ ۱/ ۹۲)

اگر آپ وہ اصول یہاں فٹ کریں تو آپ کو کتب ستہ (صحاح ستہ) سے تقریباً ۱۸۰۰ سو احادیث جو قتادہ سے ہیں جو کہ تابعی ہیں، ۳۰۰ سو سے زیادہ روایات بخاری میں ہیں، ۴۰۰ سو زیادہ روایات مسلم میں ہیں۔ تقریباً ایک اندازے کے مطابق بخاری و مسلم کی ۷۷۷ روایات ہیں، جن کو اس اصول کے تحت ضعیف یا موضوع و من گھڑت کہنا پڑے گا کیونکہ یہ صحابی سے روایت کرتے ہیں، اور اگر اس اصول سے وہ تابعی نہیں رہتے تو صحابی سے کیسے وہ روایت کرسکتے ہیں، تو یہ تمام روایات ذخیرہ احادیث سے خارج ہو جائیں گی۔ تو پہلی ہی دلیل سے آپ کے اصول کی دھجیاں اڑ گئیں۔ اگر اس اصول پر قائم ہو تو نکالو بخاری و مسلم سے ۷۷۷ احادیث۔

ایوب سختیانی تابعی رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۱۳۱ھ)، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں: مارأیت رجلاً أفضل منہ۔ میں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے کوئی فضیلت والا آدمی نہیں دیکھا۔ (ذھبی، احمد بن علی، شمس الدین: سیر اعلام النبلاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء، ۵/ ۳۴) یاد رہے کہ ایوب سختیانی تابعی ہیں انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ (ذھبی: سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۳۱۳) اس اصول سے ایوب سختیانی جو کہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں وہ بھی تابعی نہیں رہے۔

امام زھری رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۱۲۴ھ)، امام زین العابدین علی بن حسین تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں: مارأیت کان افقہ منہ۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ (ذھبی: سیر اعلام النبلاء، ۴ص/ ۵۳۹)

یاد رہے کہ امام زہری نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ (ذھبی: سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۲۰۷)

ابن شہاب زھری کے تابعی ہونے میں کس اہل علم کو شک ہے؟ اتنے بڑے محدث جن کی روایات کتب ستہ میں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ وہ محدث جو حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایات لے رہا ہے وہ کیسے ایک تابعی کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ میں نے علی بن حسین سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ اگر ان کے اصول کو مانا جائے تو زھری بھی تابعی نہیں رہتے۔ پھر نکال لیں سینکڑوں احادیث بخاری و مسلم سے اور کتب احادیث سے کیونکہ یہ صحابہ سے بھی احادیث لاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس طرح کہ جملے تابعین اپنے زمانے کے معتبر تابعین کے بارے میں بولا کرتے تھے اور یہ عرف تھا۔ اس بارے میں امام ذھبی محمد بن احمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھٰذاعرف المتقدمین(ذھبی: سیر اعلام النبلاء،۷/۲۲۴)

یہ متقدمین کا عرف تھا(یعنی اسطرح کے کلمات کہنا کہ میں نے اس سے بڑاعالم نہیں دیکھایااس سے بڑافضیلت والانہیں دیکھا)جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حسین بن علی جعفی کے بارے میں کہا:مارأیتُ افضل من حسین الجعفی۔میں نے حسین جعفی سے زیادہ فضیلت والانہیں دیکھا۔(ذھبی: سیر اعلام النبلاء،۷/۲۲۴)

اوراس سے ہرگزیہ مطلب نہیں نکالاجاتاتھاکہ وہ اب تابعی نہیں رہے۔اگر آپ یہ مطلب قبول نہیں کریں گے توپھر آپ ان تمام روایات کاانکار کریں جوبخاری ومسلم میں ان سے مروی ہیں صحابہ کے توسط سے۔اس سے زیادہ بھی حوالے موجودہیں لیکن اسی پراکتفاء کرتے ہوئے بات کوسمجھانامقصودہے کہ ان کااصول غلط اورتعصب پرمبنی ہے،اس طرح کے بیانات تابعین اپنے زمانے کے تابعین کے لئے دیتے رہے ہیں اوریہ اُس زمامہ کاعرف تھا۔ان اماموں کے اقوال جوتابعین کے بارے میں ہیں،اس سے مرادصرف اتناہے کہ ہمارے نزدیک تابعین میں سے افضل یہ شخص ہے۔بس اس کامقصدہی یہ ہے۔لیکن انہوں نے کچھ اور مقصدنکالاہواہے اس سے توکوئی تابعی،تابعی نہیں رہتے اوران کے اصول سے آپ کوسینکڑوں احادیث نکالنی پڑیں گی،موضوع اورمردود کاکلہاڑاچلاکر۔

آخرمیں ان مخالفین کے لئے ایک چیلنج ہے کہ اس حدیث کامطلب سمجھادیں اگراسی اصول پراب بھی قائم ہیں؟ترمذی شریف میں صحیح حدیث ہے،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:«مَا احْتَذَى النِّعَالَ وَلَا انْتَعَلَ وَلَا رَكِبَ المَطَايَا وَلَا رَكِبَ الْكُورَ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ مِنْ جَعْفَرٍ» . «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ»

جوتابنانے،جوتاپہننے،سواری پرسوارہونے اورسواری پربیٹھنے کے حوالے سے(یعنی عادت واطواراورخصائل کے اعتبارسے)رسول اللہ ﷺ کے بعدحضرت جعفربن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کرکوئی فضیلت والانہیں۔(ترمذی،ابوعیسیٰ،محمد بن عیسیٰ،امام:الجامع الترمذی،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۱۹۹۸ء،رقم الحدیث:۳۷۶۴)

بظاہراس حدیث سے یہ ثابت ہوتاہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے بعدسب سے زیادہ فضیلت والے حضرت جعفربن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

مخالفین سے یہ سوال ہے کیااس صحیح حدیث سے آپ یہ ثابت کریں گے کہ حضرت ابوبکر،حضرت عمر،حضرت عثمان اورحضرت علی رضی اللہ عنہم سے زیادہ فضیلت حضرت جعفربن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ہے؟اب توآپ کے سامنے صحیح

حدیث ہے اب نکالو اپنا اصول اور ان تمام صحابہ کرام سے زیادہ فضیلت دو جعفر بن ابی طالب کو اور ہو جاؤ صحابہ اور اجماع امت کے منکر!۔

شیخ صاحب اپنے مخالفین کے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے:

شیخ اپنے مدمقابل کو بدعتی سمجھتے اور ان کے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے۔ شیخ کے شاگردِ خاص کہتے ہیں کہ شیخ فرمانے لگے: ایک دفعہ میں کسی تقلیدی مولوی سے فون پر بات کی اور اس کو سلام نہ کیا۔ اس پر وہ اصرار کرنے لگا کہ پہلے سلام کرو پھر گفتگو کرو۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے اسے کہا: کچھ بھی ہو جائے میں کسی بدعتی کو سلام نہیں کروں گا حتیٰ کہ اس تقلیدی نے فون کاٹ دیا، لیکن میں اسے سلام نہیں کیا۔(ندیم ظہیر: اشاعۃ الحدیث، ص۲۱۵)

مخالفین اور شیخ کی برداشت:

شیخ مخالفین کو برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ سخت رویہ اپناتے ہوئے وہ گھر ہی چھوڑ دیتے جیسا کہ آپ اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ: میں نے شیخ ربیع بن ہادی المدخلی سے ان کے مکتبے میں یہ کہتے ہوئے سنا: ''ان التقلید واجب ''بے شک تقلید واجب ہے، میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ شیخ ربیع بن المدخلی نے دوبارہ کہا: ان التقلید واجب ''یہ سن کر میں نے (کچھ کہا۔۔۔اور) اپنا سامان (بیگ) اٹھایا اور عوالی کو خیر باد کہہ کر حرم (بیت اللہ) چلا آیا۔(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ۲/۴۹۹)

خلاصہ:

- شیخ زبیر ایک سادگی پسند شخص تھے۔
- شیخ زبیر پہننے اور کھانے میں کسی طرح بھی پر تکلف نہ تھے۔
- شیخ زبیر معاشرہ میں چھپ کر لوگوں کی خدمت پر یقین رکھتے تھے۔
- شیخ زبیر اپنے طلبہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔
- شیخ زبیر مہمان نواز تھے۔
- شیخ زبیر اپنوں کے ساتھ بہت ہی بااخلاق تھے۔
- شیخ زبیر مخالفیں کی عزت کرنے کے قائل نہ تھے۔

- بلکہ ان کے نام بگاڑنے اور ان کو برے القابات سے یاد کرتے تھے۔



فصل سوم

تصنیفی خدمات

اللہ کریم نے اپنے پیارے محبوب ﷺ پر پہلی وحی میں علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ-عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ(قلم۶۸:۵،۴) ترجمہ: وہ ذات جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

اس آیت سے کتابت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور در حقیقت کتابت میں بڑے فوائد ہیں، کتابت ہی سے علوم ضبطِ تحریر میں آتے ہیں، اگر کتابت نہ ہوتی تو دین و دنیا کے کام قائم نہ رہ پاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی عبد اللہ بن عمرو سے فرمایا: عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍوقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قَيِّدُوا الْعِلْمَ» قُلْتُ: وَمَا تَقْيِيدُهُ؟ قَالَ: «كِتَابَتُهُ»

(حاکم، محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ: المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء، رقم الحدیث: ۳۶۲)

ترجمہ: علم کو قید کر لو، میں نے عرض کی: اسے قید کرنا کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: علم کو لکھ لینا (اسے قید کرنا ہے۔

جو حضرات مطالعہ کرنے کے بعد اس کو لکھ لیتے ہیں وہ اپنے علم کو قید کر لیتے ہیں، ان میں سے شیخ زبیر بھی ہیں۔ شیخ نے جو بھی مطالعہ کیا اس کو لکھ لیا، جہاں تک ہو سکا اس کو پھیلایا اور دوسروں تک اس کو پہنچایا۔ اسی وجہ سے ان کی لکھی کتب دو درجن سے زیادہ ہیں۔ جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

تصنیفات و تالیفات

۱۔ البوارق المرسلۃ علی ظلمات التبصرۃ

تالیف: حافظ زبیر علی زئی　　　ناشر: جماعت اہل الحدیث علاقہ چھچھ ضلع اٹک، ۲۵ شعبان ۱۴۱۴ھ

صفحات: ۲۵

البوارق المرسلہ ۔۔۔ در حقیقت جواب الجواب کا جواب ہے۔ قاری چن محمد کی طرف سے "غیر مقلدین سے چند معروضات" نامی تحریر سامنے آنے پر شیخ زبیر نے "معروضات کے جوابات" کے زیر عنوان جواب تحریر کیا۔ جس کے جواب میں قاری چن محمد نے "معروضات کے بے تکے جوابات پر تبصرہ" نامی تحریر پیش کی۔ جس کے جواب میں شیخ زبیر نے "البوارق المرسلہ علی ظلمات التبصرۃ" نامی جواب لکھا۔

۲۔ الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین

تصنیف: حافظ زبیر علی زئی		الناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد ۱۴۳۴ھ		صفحات: ۲۴۶

یہ تصنیف اساسی طور پر حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۸۲ھ) کی کتاب "تعریف اھل التدلیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس"، المشہور باسم "طبقات المدلسین" کے فوائد کا اہم ترین مجموعہ ہے جو کہ متن کے نیچے صفحہ وار، حاشیہ نمبر کے ساتھ مندرج ہیں۔ ان فوائد میں حافظ زبیر علی زئی، حافظ ابن حجر سے راوی کے مدلس ہونے یا تدلیس سے بری ہونے کے بارے میں اختلااف کرتے ہیں۔ اسی طرح مدلس راوی کے طبقہ کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔

## ۳۔ القول الصحیح فیما تواتر فی نزول المسیح		المعروف: نزول مسیح علیہ السلام حق ہے

تالیف: حافظ زبیر علی زئی		مطبوع: ماہنامہ الحدیث حضرو جلد ۱ اگست ۲۰۰۴ء جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

شیخ زبیر کی یہ کتاب قبل از قیامت نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ثبوت اورابو الخیر اسدی کی کتاب "اسلام میں نزولِ مسیح کا تصور" کا رد دکھائی دیتی ہے۔

۴۔ القول المتین فی الجھر بالتامین

تالیف: حافظ زبیر علی زئی		ناشر: نعمان پبلیکیشنز ۲۰۱۳ء		صفحات: ۱۱۲

القول المتین کے بارے میں شیخ زبیر لکھتے ہیں: راقم الحروف نے آمین بالجہر کے بارے میں بہت عرصہ پہلے ایک رسالہ لکھا تھا جو الآثار راولپنڈی میں شائع ہوا تھا۔ اب یہ ہی رسالہ اپنی اصل کاپی سے اضافہ واصلاح کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ (زئی، زبیر، حافظ: القول المتین فی الجھر بالتامین، نعمان پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۱۹)

۵۔ الکواکب الدریۃ فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ الجھریۃ (المعروف مسئلہ فاتحہ خلف الامام)

تالیف: حافظ زبیر علی زئی		ناشر: نعمان پبلیکیشنز ۲۰۱۳ء		صفحات: ۱۵۲

شیخ زبیر نے اس کتاب میں امام کے پیچھے قراءت کرنے پر زور دیا ہے اور اس اختلافی مسئلہ میں اپنی رائے کا واضح اعلان کیا ہے کہ جہری اور سری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا، امام، مقتدی اور اکیلے سب پر ضروری ہے۔

٦۔ امین اوکاڑوی کا تعاقب

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: نعمان پبلیکیشنز مئی ۲۰۰۵ء صفحات: ۸۸

مقدمۃ الکتاب ص ۵ پر شیخ زبیر واضح کرتے ہیں کہ یہ کتاب: امین اوکاڑوی کا تعاقب "ایک کھلا خط ہے جسے امین اوکاڑوی صاحب ک زندگی میں ان کی خدمت میں بھیجا تھا مگر وہ اس کتاب کی اصل شرط کے مطابق جواب نہ دے سکے۔ اب افادہ عام کے لئے اسے تصحیح و تنقیح کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ (زئی، زبیر، حافظ: امین اوکاڑوی کا تعاقب، نعمان پبلیکیشنز مئی ۲۰۰۵ء، ص ۵)

۷۔ انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ من السنن الاربعۃ

تصنیف: حافظ زبیر علی زئی الناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد ۱۴۲۳ھ صفحات: ۶۲۷

مقدمہ میں صفحہ ۵ تا ۹ پر شیخ زبیر نے اصولِ حدیث کی روشنی میں اپنا منہج علمی و تحقیقی بالتفصیل بیان کیا ہے۔ جس میں آپ نے واضح کیا ہے کہ اس تصنیف میں سنن اربعہ یعنی سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی ضعیف روایات الگ الگ یکجا کر دی ہیں۔

(۸) انوار الطریق فی رد ظلمت فیصل الحلیق

تصنیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبۃ الحدیث حضرو، ضلع اٹک، رمضان ۱۴۳۱ھ صفحات: ۲۲۷

مسئلہ رفع الیدین کے بارے میں شیخ زبیر کے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۶۷، ۶۹) میں شائع شدہ مضامین کا جواب فیصل خان نے دیا۔ جس کا جواب فقرات کی صورت میں کتابِ ھٰذا کی شکل میں دیا گیا۔ فیصل خان موصوف داڑھی منڈے تھے، اس لئے جواب کتاب کے نام میں فیصل الحلیق شامل ہے۔

۹۔ اہل حدیث ایک صفاتی نام

تصنیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد، جنوری ۲۰۱۳ء صفحات: ۱۵۶

اس کتاب میں شیخ زبیر نے اپنے مسلک "اہلحدیث" کے نام کو محدثین کی جماعت اہل حدیث کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ تمام اقوال جو محدثین نے اہل علم محدثین کے متعلق لکھے تھے، شیخ وہ تمام اقوال وفضائل اپنی جماعت پر فٹ کرتے ہیں۔

۱۰۔ بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبۃ الہدیٰ لاہور، مارچ ۲۰۱۲ء صفحات: ۹۶

اس کتاب میں شیخ نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہلحدیث حضرات اپنے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں باقی سب بدعتی ہیں۔چنانچہ شیخ زبیر لکھتے ہیں:غالی بدعیتوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی بلکہ عام بدعتیوں کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے، نیز اہلحدیث کو چاہیے کہ وہ صرف صحیح العقیدہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھیں اور نمازوں کو فاسد وغیر مقبول ہونے سے بچائیں۔(زئی،زبیر،حافظ:بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم، مکتبۃ الہدیٰ،لاہور،۲۰۱۲ء،ص۹۰)

۱۱۔تعدادرکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ

تالیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر:مکتبہ اسلامیہ لاہور،فیصل آباد،دسمبر۲۰۱۱ء صفحات:۱۱۱

قیامِ رمضان کے مقدمہ صفحہ ۱۴ میں شیخ زبیر نے اس کا تعارف بایں الفاظ کروایا:راقم الحروف نے اپنے مختلف مضامین میں جنہیں اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔کتاب وسنت اوراجماع کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انتہائی انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ اصولِ محدثین سے ثابت کردہ،رمضان اور غیر رمضان میں،سال کے بارہ مہینوں میں عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد صبح کی اذان تک گیارہ رکعات قیام سنت ہے،وتر کے بعد احیاناً دو رکعات اس عموم سے مستثنیٰ ہیں،ہماری تحقیق میں حالتِ حضر میں یہ دورکعات سیدناامام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہیں،تاہم اگر کوئی انہیں عام سمجھے اور عمل پیرا ہو تو مجتہد ماجور ہے۔(زئی،زبیر،حافظ:تعدادرکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ،مکتبہ اسلامیہ لاہور،۲۰۱۱ء،ص۱۴)

شیخ زبیر نے اس کتاب کے لکھنے پر ”انتہائی انصاف اور غیر جانبداری“کا دعویٰ کیا ہے جو کہ سراسر غلط ہے،شیخ اپنے اصول کو بار بار پاش پاش کرتے نظر آئے ہیں۔اوراپنا موٴقف کہ سلف کی اتباع کرتے ہیں،اس کے خلاف گئے ہیں۔

۱۲۔توفیق الباری فی تطبیق القرآن و صحیح البخاری

تالیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبۃ الحدیث،دسمبر۲۰۰۸ء صفحات:۹۶

اس کتاب کے بارے میں شیخ زبیر لکھتے ہیں:”مخالفین صحیح بخاری وامام بخاری اور حاسدین کے اسی سلسلے میں دیوبندیوں کی تنظیم اشاعت التوحید والسنۃ کے احمد سعید ملتانی چتروڑ گڑھی مماتی نے صحیح بخاری اورامام بخاری کے خلاف ”قرآن مقدس اور بخاری محدث“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا یہ مدلل،جامع ودندان شکن جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔(زئی،زبیر،حافظ:توفیق الباری فی تطبیق القرآن و صحیح البخاری، مکتبۃ الحدیث،لاہور،دسمبر۲۰۰۸ء،ص۸)

(۱۳)دین میں تقلید کا مسئلہ

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد، فروری ۲۰۱۲ء صفحات: ۲۳۶

اس کتاب میں شیخ نے تقلید کے ناجائز ہونے پر دلائل دیے ہیں، بعض جگہوں پر تضاد کا شکار بھی ہوئے ہیں۔

۱۴۔ سیرت رحمۃ اللعالمین ﷺ کے درخشاں پہلو

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء صفحات: ۱۱۰

شیخ زبیر کے شاگردِ خاص حافظ ندیم ظہیر کے بقول: زیر نظر کتاب، سیرت رحمۃ اللعالمین ﷺ کے درخشاں پہلو، استاذ محترم کی ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً مجلۃ الحدیث میں شائع کی تھیں۔ (ظہیر، ندیم، حافظ: سیرت رحمۃ اللعالمین کے درخشاں پہلو، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۶)

۱۵۔ سیف الجبار فی جواب ظہور و نثار

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک، صفحات: ۱۲۵

سیف الجبار در حقیقت شیخ زبیر علی کی کتاب بدعتی کے پیچھے نماز اور عقائد علمائے دیوبند کے سلسلے میں حافظ زبیر علی زئی اور حافظ نثار احمد دیوبندی کے درمیان خط و کتابت کی کتابی شکل ہے۔

۱۶۔ صحیح البخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد، جنوری ۲۰۰۸ء صفحات: ۱۲۵

شیخ زبیر اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: راقم الحروف نے زیر نظر کتاب "صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ" میں بعض منکرین حدیث کے صحیح بخاری پر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں، جو ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع ہو چکے ہیں۔

رمضان ۱۴۲۸ھ کے آخر عشرے میں ایک منکرِ حدیث ڈاکٹر شبیر احمد کی کتاب "اسلام کے مجرم" پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اس کتاب میں صحیح بخاری کی جن احادیث پر حملہ ہوا تھا، اس کا مسکت و مدلل جواب بھی لکھ دیا تاکہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کا منہ کالا ہو۔ (زئی، زبیر، حافظ: صحیح البخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۷)

۱۷۔ صحیح بخاری کا دفاع

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد، فروری ۲۰۱۲ء، صفحات: ۳۴۸

صحیح بخاری کا دفاع دراصل، توفیق الباری، اور صحیح بخاری پر اعتراضات، ہر دو کا مجموعہ ہے۔

۱۸۔ فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد اکتوبر ۲۰۰۹ء جلد اول: صفحات ۶۹۵

جلد دوم: ۵۹۲ جلد سوم: ۳۳۵

یہ کتاب دراصل سوال وجواب کا مجموعہ ہے، جو وقتاً فوقتاً شیخ زبیر علی زئی سے پوچھے گئے اور وہ مختلف رسائل وجرائد میں چھپتے رہے ہیں۔

۱۹۔ فتنہ انکارِ حدیث کا نیا روپ

تالیف: ابو طاہر زبیر علی زئی ناشر: جماعۃ المسلمین (غیر مسعودی) کراچی: صفحات: ۱۳

اس رسالہ میں شیخ زبیر علی زئی نے حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب کی چار جلدوں پر مشتمل کتاب 'مذھبی داستانیں اوران کی حقیقت' کا تنقدی جائزہ لیا ہے۔

۲۰۔ مختصر صحیح بخاری

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد، دسمبر ۲۰۰۶ء: صفحات: ۳۲

یہ کتاب تکبیر تحریمہ سے سلام تک انتہائی مختصر انداز میں ترتیب دی گئی ہے۔

۲۱۔ مقالات (تحقیقی، اصلاحی اور علمی)

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد ۲۰۰۸ء

شیخ زبیر کے مختلف تناظر میں مختلف اوقات میں لکھی گئی تحریروں کو جمع کیا گیا ہے، بالخصوص ماہنامہ " الحدیث" حضرو میں شائع شدہ مقالات ومضامین یکجا کتابی صورت میں جمع کیے گئے ہیں۔

۲۲۔ نصر المعبود فی الرد علی سلطان محمود

تالیف: حافظ زبیر علی زئی مطبوع: مقالات جلد ۲ ص ۵۷۳ تا ۶۱۸

شیخ زبیر کی یہ کتاب درحقیقت سلطان محمود نامی صاحب کی طرف سے آمدہ اشتہار"غیر مقلدین کی خدمت میں گزارش"کا مختصر جواب ہے۔

۲۳۔نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام

تالیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر:مکتبہ اسلامیہ لاہور،فیصل آباد۲۰۱۳ء صفحات:۹۶

کتابِ ھٰذامیں شیخ زبیرنے نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ اور حکم پر بحث کی ہے لیکن اس میں شیخ سے کافی تضاد سرزد ہوا ہے،مثلاً نماز تہجد اور نماز تراویح کو ایک نماز ماننے کے بعد پھر ان میں فرق کرنے لگتے ہیں۔

۲۴۔نورالعینین فی اثبات رفع الیدین عندالرکوع وبعدہ فی الصلوٰۃ

تالیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر:مکتبہ اسلامیہ لاہور،فیصل آباد،اکتوبر۲۰۱۲ء صفحات:۶۰۰

شیخ زبیر نے اس کتاب میں رفع الیدین کے موضوع پر طویل بحث کی ہے،چونکہ شیخ زبیر کا نظریہ ہے کہ نماز میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت میں سجدہ سے اٹھتے رفع الیدن کرنا چاہیے اس پر شیخ زبیر نے کافی طویل بحث کی ہے اوراس پر اپنے دلائل دیے ہیں۔

۲۵۔نورالقمرین فی اثبات رفع الیدین احادیث نبویہ وآثار صحابہ سے رفع الیدین کا ثبوت

تالیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر:جماعت اہل حدیث حضرو،اٹک،جنوری۱۹۹۷ء صفحات:۶۴

شیخ زبیر علی زئی کی مراجعت(۲۳رجب۱۴۲۷ھ) کے ساتھ مکمل طورپر آپ کی کتاب نورالعینین میں ص۲۷۵تا۳۴۰شامل اشاعت ہے۔

۲۶۔نورالمصباح فی مسئلۃ التراویح

تصنیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر:نعمان پبلیکیشنز،مئی۲۰۰۵ء

اس کتاب کو شیخ زبیر نے"امین اوکاڑوی کا تعاقب"میں شامل کر دیا ہے اب یہ الگ سے کتاب موجود نہیں ہے۔

۲۷۔ہدیۃ المسلمین(نماز کے اہم مسائل مع مکمل نماز نبوی)

تالیف:حافظ زبیر علی زئی ناشر:ناشر:مکتبہ اسلامیہ لاہور،فیصل آباد۲۰۱۲ء صفحات:۱۳۶

ہدیۃ المسلمین کی وجہ تالیف "چالیس حدیثیں از محمد الیاس" نامی کاوش تھی۔ شیخ کی تحقیق کے مطابق الیاس صاحب نے ضعیف و غیر صحیح روایات کا بھی سہارا لیا تھا، اس لئے انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق صحیح روایات کی بنیاد پر نماز نبوی سے متعلقہ مسائل پر جامع تالیف کا ارادہ کیا علاوہ دیگر اضافوں کے مختصر صحیح نماز نبوی ﷺ کی ہدیۃ المسلمین میں شمولیت سے کتاب بڑھ گئی۔

۲۸۔ یمن کا سفر

تالیف: حافظ زبیر علی زئی مطبوع: مقالات جلد ۲ صفحہ ۴۸۹ تا ۵۲۷

یمن کا سفر نامہ شیخ زبیر کا اپنے سعودی کفیل ابوہشام منصور بن مبارک بن عمر بن عطیہ کے ہمراہ شوال ۱۴۲۵ھ میں کردہ سفر کی تفصیلات کا مجموعہ ہے۔

۲۹۔ مسئلہ ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں

تالیف: حافظ زبیر علی زئی ناشر: مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۹ صفحات: ۲۵۰

شیخ زبیر نے مسئلہ ختم نبوت کے موضوع پر اس کتاب کو ترتیب دیا ہے، جس میں چالیس دلائل سے قادیانیوں کے حملوں کے جوابات اور قادیانیوں کی مستدل روایات کا رد ہے، نیز اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے تیس جھوٹ بھی شامل کئے گئے ہیں۔

خلاصہ:

- قرآن کی پہلی وحی علم اور کتابت کی فضیلت میں اتری۔
- علم کو قید کرنے کا بہترین نمونہ کتابت ہے۔
- شیخ زبیر نے دو درجن سے زیادہ کتب تحریر کیں۔
- شیخ زبیر نے اپنے مطالعہ کا بھرپور فائدہ اٹھایا کہ جو مطالہ کیا وہ کتب کی شکل میں تحریر کر دیا۔
- شیخ زبیر کا اوڑھنا بچھونا کتب بینی اور تصنیف تھا

فصل چہارم

شیخ زبیر چند مشہور علماء کی نظر میں

شیخ صاحب کے متعلق ان کے ہم عصر علماء کی رائے کے متعلق ان کے ہی مسلک کے چند علماء کا انتخاب کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری:

ماضی قریب میں سرزمین پاکستان میں ذخیرۂ احادیث کی تعلیق اور رجال واسانید کی تنقیح میں جن اعاظم رجال نے خدمات سرانجام دی ہیں ان میں ایک نمایاں نام شیخ حافظ زبیر علی زئی کا ہے جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازر کھا تھا۔ عربی وفارسی، اردو، پشتو، ھندکو، انگریزی اور عبرانی زبانوں کو سمجھنے اور بولنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

وہ بہترین مصنف، مترجم، مدرس اور مناظر تھے، ان کی تصانیف کا دائرہ نہایت وسیع ہے جن کتب احادیث کی تحقیق و تخریج کی یا اسماء الرجال سے متعلق مختلف کتابوں کی تصحیح ومراجعت تو عربی زبان میں ان کی تعداد تیس سے زیادہ ہے۔ اردو میں بھی ان کی تصانیف ہیں جن کی تعداد چوبیس سے زیادہ ہے۔ انہوں نے ''الحدیث'' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا جس میں ان کی تحقیقی مسائل شامل ہوتے تھے اور تشنگان علم کو اس کا انتظار رہتا تھا۔ دینی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم بھی حاصل کی۔ وہ ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی بھی تھے۔

کمپیوٹر سے استفادہ کا بھی انہیں ڈھپ تھا۔ حافظہ نہایت مضبوط وبڑاذکی تھا۔ نتیجہ پر جلد پہنچ جاتے تھے اور اگر کبھی تحقیق میں کوئی غلطی ہوتی تو اس سے رجوع کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اہل حق کا یہ ہی وطیرہ ہے، البتہ اپنے مدمقابل اور اپنے سے اختلاف کرنے والے کو نامناسب القاب سے ذکر کرتے تھے۔ میں ایک بار اس کا شکوہ براہ راست ان سے کیا کہ یہ انداز اہل علم کی شایانِ شان نہیں اگر آپ اسے عالم نہیں سمجھتے تو اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں، جواب جاہلاں باشد خاموشی، اس کا جواب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ ہی فرمان ہے: اذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلاما، مگر وہ فرماتے کہ اہل بدعت تکریم کے لائق نہیں۔

زندگی کے آخری ایام میں بیمار ہوئے اسلام آباد کے شفا ہسپتال میں داخل ہونے کی خبر ملی تو نہایت صدمہ ہوا۔ اپنے دوست لالا افتخار صاحب کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے ہسپتال حاضر ہوا۔ انہیں دیکھ کر دل دہل گیا کہ اللہ کا یہ شیر بستر پر بے

ہوش پڑا ہے۔ان کے رفیق مولانا حافظ شیر محمد صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی اور بڑے بوجھل دلی سے واپسی ہوئی۔چند ایام بعد ہی وہ اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔(ندیم ظہیر،حافظ:اشاعۃ الحدیث،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۱۴۴۰ھ،ص۲۹۳)

شیخ عبداللہ ناصر رحمانی:

حافظ زبیر علی زئی بلاشبہ اس دور کے اعلام میں شمار ہوتے تھے اور چند گنتی کے وہ محدثین جنہیں علم حدیث،متون حدیث،اسانیدِ حدیث اور رجال پر بڑا عبور حاصل تھا،توان چند علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی بھرپور انداز سے (ان میں)موجود تھا۔ان کی گفتگو سے اور جو ان کے تصرفات تھے،ان سے اخلاقِ حسنہ مترشح ہوتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک جامع الصفات شخصیت تھے،جن کے جانے سے ایک بڑا خلا واقع ہوا،جیسا کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے "اذامات العالم وقع فی الاسلام ثلمۃ لایسدھا شی جب عالم فوت ہوتا تو اسلام میں ایک دراڑ سی بڑھ جاتی ہے،جسے کوئی چیز پُر نہیں کرپاتی،تو یہ یقیناً ایک بہت بڑا المیہ تھا اور ایک خلا پڑ گیا جس کا جماعت کو سامنا کرنا پڑا۔تاہم ان کے کچھ تلامذہ اور شاگرد جو ان کے متعلقین تھے،اسی نہج پر بحمد اللہ کام کررہے ہیں اور اچھی امیدیں ان سے وابستہ ہیں۔(ندیم ظہیر،حافظ:اشاعۃ الحدیث،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۱۴۴۰ھ،ص۲۹۶)

مسلک کے دفاع میں شیخ کی خدمات:

شیخ عبداللہ ناصر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ شیخ زبیر بڑے باغیرت اہل حدیث تھے اور خاص طور پر وہ فرق یا گروہ جو حدیث پر حملہ کرتے ہیں یا ان کی سازشیں حدیث کے خلاف ہوتی ہیں،انہیں بڑی شد و مد سے شیخ نے بے نقاب کیا،ان کا ان علماء میں شمار ہوتا ہے کہ جو ذرا سا بھی کوئی تحریری یا تقریری انحراف دیکھتے ہیں توان کا قلم فوراً حرکت میں آتا اور فوراً ہی بڑے علمی انداز سے اس کا رد کرتے تھے یہ وصف بھی مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پھر ان کے بعد مولانا اسماعیل سلفی میں بڑا نمایاں تھا۔ان کی حیاتی میں کوئی باطل گروہ اسلام پر حملہ آور ہوتا توان کا قلم ہمیشہ متحرک ہوتا اور وہ ان گروہوں کی سرکوبی کرتے اور یہ بات ان کے مقالات اور ان کی جو کتب وغیرہ شائع ہوتی ہیں اور پھر ان کا مجلہ احادیث جو میرے پاس باقاعدہ آتا تھا،اس میں ان کا اردو کا مستقل ایک باب ہوتا تھا۔اور جو بھی کوئی گمراہ عناصر اسلام پر اٹھتے،سلفیت پر اہل حدیث پر یا حدیث پر کسی قسم کا وہ کوئی کلام کرتے یا اپنے الحاد کا اظہار کرتے تو الحمد للہ ان کی کمر توڑ کررکھ دیتے۔بڑے دلائل اور بڑے حوالوں کے ساتھ۔یہ وصف ان کا مجھے بڑا پسند تھا اور خاص طور پر ان کا اردو کے حوالے سے کردار بڑا نمایاں ہے۔(ندیم ظہیر،حافظ:اشاعۃ الحدیث،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۱۴۴۰ھ،ص۲۹۷)

فہم سلف:

شیخ عبد اللہ ناصر رحمانی لکھتے ہیں: "کچھ تفردات شیخ کے جن سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہ وہ سلفی اصول ہیں جس کو مقدم ہونا چاہئے اور اسی کو شیخ نے مقدم رکھا اور اس کا بھرپور دفاع کیا، یعنی جو متاخرین (بعد میں آنے والے لوگ) ہیں وہ سلف کے علم و فہم کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں، جتنا دور نبی کریم ﷺ کے قریب ہو گا اتنی علمی برکت بھی ہو گی اور فہم کی وسعت بھی ہو گی ۔اسی زریں اصول پر شیخ البانی بھی ہیں، یعنی کتاب و سنت علیٰ فہم سلف اور اسی معنی میں ہم سلفی ہیں۔ ہم سلفی اس لئے نہیں کہ ہم سلف کے مقلد یا ان کے پیروکار ہیں۔ ہم سلفی اسلئے ہیں کہ ہم کتاب و سنت کو اساس بناتے ہیں علیٰ فہم سلف، شتر بے محار نہیں، فہم السلف کا تقید بحمد للہ ہمارے اصول میں موجود ہے اور یہ بڑا زریں قاعدہ ہے۔(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۳۰۰)

شیخ ابو الحسن مبشر احمد ربانی:

اپنے دور کے عظیم محدث اور محقق حافظ زبیر علی زئی میرے دیرینہ دوست، ہر دلعزیز، نہایت واجب الاحترام اور معزز ساتھی تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں فنِ حدیث میں کمال مہارت عطا فرمائی تھی۔ اس دور میں علم رجال کے فن سے واقفیت ناپید ہے، بہت کم علماء کرام اس فن میں ماہر نظر آتے ہیں۔

اکثر اوقات کوئی روایت جو سند کے ساتھ ذکر کی جاتی تو وہ اس کی سند دیکھ کر ہی پہچان جاتے تھے کہ اس میں کیا سقم اور کمزوری ہے اور کونسا راوی اس میں ضعیف، مجروح، مدلس یا مختلط وغیرہ ہے، راوی مجہول ہے تو کس درجہ کا ہے، اسی طرح باقی علل بھی وہ الحمد للہ آسانی سے جانچ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں جس قدر علمی وسعت اور تبحر عطا کیا تھا اس پر لکھنے کیلئے طویل دفتر درکار ہیں۔ اس عدیم الفرصتی میں یہ ہی کہوں گا کہ آج ایسے علماء خال خال ہوں گے خصوصاً ہمارے ملک پاکستان میں ان جیسا ماہر رجال اور علل الحدیث سے واقف نہیں تھا، وہ میرے محب بھی تھے اور محبوب بھی۔(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۳۰۱)

رجالِ حدیث میں مہارت:

رجال حدیث میں مہارت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے: حاکم اور بیہقی کے رجال مجھے ازبر ہو چکے ہیں، پھر السنن الکبریٰ للبیہقی نکال کر فرمانے لگے کسی راوی پر ہاتھ رکھیں، یہ فلاں ہے اور یہ فلاں راوی ہے اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے اور اس پر یہ حکم لگایا ہے۔

رجال میں ان کی اس قدر مہارت کی وجہ ان کا دوران طالب علمی ہی سے اس فن کے ساتھ گہرا شغف اور وسعت مطالعہ تھی۔ مجھے ایک دفعہ بتانے لگے کہ میں نے مسند احمد تین مرتبہ مکمل پڑھی ہے اور یہ ہی معاملہ آپ کا رجال کی کتب کے ساتھ بھی تھا، جیسا کہ سیر اعلام النبلاء، تاریخ بغداد، الکامل لابن عدی وغیرہ آپ نے کئی کئی مرتبہ پڑھیں۔

ایک مرتبہ "غامدی" نے صحیح بخاری کی ایک روایت پر اعتراض کیا تو اس کے کچھ لوگ شیخ صاحب کے پاس آئے تو آپ کہنے لگے کہ غامدی سے میری گفتگو رکھیں، وہ بخاری کے کسی راوی پر بھی اعتراض کریں میں اس کا جواب دوں گا، لیکن وہ تیار نہ ہوئے۔ تو اللہ رب العلمین نے رواں صدی میں ہمارے اس بھائی کو بڑی ہی عظیم معرفت سے نوازا تھا۔ وہ ہمارے پاس علم حدیث کا ایسا سمندر رتھے جیسے امام ذہبی رحمہ اللہ اپنے دور میں تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ الحمدللہ پاکستان میں وہ اس دور کے ذہبی تھے۔ چند گنے چنے لوگ ہی رجالِ حدیث اور ان پر تحقیقات کے حوالے سے مشہور و معروف ہیں جیسے ہمارے شیخ ارشاد الحق اثری ہیں۔ (ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۳۰۱)

النقد الظاہر علی تناقضات ابی الطاہر:

شیخ صاحب نے اپنی بعض کتب کے قلمی نسخوں کی فوٹو کاپی مجھے عنایت فرمائیں۔ خاص طور پر جب میں سنن ابی داؤد پڑھاتا تھا تو میں نے شیخ صاحب کا ابوداؤد پر کام نیل المقصود کی فوٹو کاپی طلب کی تو شیخ نے مجھے وہ بخوشی دیدی، پھر دورانِ تدریس میں اس سے بہت استفادہ کیا، اسی دوران احادیث پر چند احکامات میں اختلاف دکھائی دیا تو میں نے ان تمام مقامات کو جمع کر کے شیخ صاحب کے نام ایک خط تحریر کیا جس کا عنوان تھا: "النقد الظاہر علی تناقضات ابی الطاہر" شیخ صاحب میں ایک وسعت ظرفی یہ بھی تھی کہ ان کے نقطہ نظر کے خلاف اگر کوئی بات دلیل پر مبنی ہوتی تو آپ اس کی پیروی کرتے اور رجوع کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ بڑے علماء کا ہمیشہ یہ ہی رویہ ہوتا ہے، اسی وسعت ظرفی کے پیشِ نظر شیخ نے میرے خط کو پڑھا اور مجھے جوابی خط تحریر فرمایا جس میں انہوں نے ۸۹ روایات پر اپنا حکم تبدیل کیا۔ (ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص ۳۰۲)

سادہ طبیعت:

شیخ طبیعت کے انتہائی سادہ اور معاشرے کی چالاکیوں سے کوسوں دور اور تکلفات سے بے بہرہ تھے مگر کام کے دھنی اور ان تھک محنت کرنے والے تھے۔

شیخ صاحب کی بڑی یادیں ہیں۔وہ زہد و تقویٰ میں ایک انمول ہیرا تھے۔عزتِ نفس پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتے تھے۔خود دار انسان تھے، اگر کبھی قرض لیتے تو وعدے کے مطابق ادا کر دیتے تھے، کھانے پینے میں بھی کوئی ذوق نہیں تھا، جیسے اکثر لوگوں کو ہوتا ہے کہ فلاں چیز ہو یا فلاں چیز نہ ہو، یہاں لاہور میں اور نہ گھر میں ہی، کبھی مطالبہ نہیں کیا کہ فلاں چیز کھانی ہے جو بھی گھر میں موجود ہوتا خوشی سے کھالیتے ،زیادہ وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کرتے۔(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص۳۰۳)

طلباء کو نصیحت:

باطل فرقوں کے رد میں شیخ کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔میں ہر طالب علم کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ شیخ صاحب کی تمام کتب کا جی بھر کر مطالعہ کریں۔اگر انہوں نے باطل گروہوں سے بحث و مناظرہ کرنا ہے تو شیخ کی کتب انتہائی مفید ہیں، یہ کتب صرف مناظرے کی حدت تک نہیں بلکہ آپ کو حدیث کا ذوق پیدا ہو گا، رجال کی معرفت ،اصولِ حدیث کی مباحث اور کثیر دلائل میسر آئیں گے۔(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص۳۰۳)

سفر آخرت:

جب شیخ کے سفر وفات کی خبر ملی تو ہم چند ساتھی جنازے میں شامل ہونے کیلئے لاہور سے روانہ ہوئے، جب ہم جنازے میں پہنچے تو انتہائی غم کے عالم میں مشکل سے جنازہ پڑھ پایا، جنازہ پڑھ کر میں ایک جانب بیٹھ گیا۔وہ حقیقتاً ایک بڑی شخصیت، اہل حق کا سرمایہ اور محدثین عظام رحمہم اللہ کا تسلسل تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو بقعہ نور بنائے اور اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے، جنت الفردوس ان کا مسکن وماویٰ بنائے اور آخرت میں محدثین کے زمرے میں اٹھائے اور ہمیں ان کے علمی ورثہ سے بھرپور استفادے کی توفیق عنایت فرمائے۔(ندیم ظہیر، حافظ: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۱۴۴۰ھ، ص۳۰۱)

خلاصہ:

- شیخ زبیر کی ان کے ہم عصر میں بہت زیادہ وقت تھی۔

- شیخ زبیر کو ان کے ہم عصر بہت علمی شخص گردانتے تھے۔
- شیخ زبیر کو ان کو ہم عصر محقق اور محدث کے نام سے یاد کرتے تھے۔
- شیخ زبیر اپنے مسلک کے بہت بڑے مجاہد تھے۔
- شیخ زبیر کو کتب سے بہت زیادہ محبت تھی۔
- شیخ زبیر سادہ طبیعت کے مالک تھے۔
- شیخ زبیر رجال حدیث پر کافی مطالعہ رکھتے تھے۔
- شیخ زبیر کتب کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر سے بھی اسفادہ کرتے تھے۔

باب سوم

قرونِ ثلاثہ میں معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

فصل اول: معمول بہا احادیث پر محدثین کی آراء

فصل دوم: صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک معمول بہا احادیث اور حافظ زبیر زئی

فصل سوم: تابعین عظام کے نزدیک معمول بہا احادیث اور حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقدی جائزہ

فصل چہارم: تبع تابعین کی معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

فصل اول

معمول بہا احادیث پر محدثین کی آراء

معمول بہا احادیث پر محدثین کی آراء:

اللہ کریم نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ،انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا،سب سے آخر میں ہمارے نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر خاتم النبیین لقب عطا فرمایا۔ آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے،اوراللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع کا حکم فرمایا: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(الاحزاب ۳۳:۲۱ / النساء ۴:۸۰)

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا بہترین طریقہ ان کے فرامین پر عمل کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین یعنی احادیث مبارکہ جن میں صحیح ، حسن اور ضعیف شامل ہیں،امت نے اپنے نبی ﷺ کے فرامین کو اپنا معمول بنایا ہے، محدثین کرام نے معمول بہا احادیث پر اپنی آراء دی ہیں۔ جن میں کسی نہ کسی طور پر نبی ﷺ کی احادیث پر عمل کرنا موجود ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث بیان کی جائے اور میں اسے نہ لوں تو گواہ رہو کہ میری عقل زائل ہو چکی ہے۔ (بیہقی، احمد بن حسین: مناقب الشافعی، دار التراث، قاہرہ، س ن، ۱/۴۷۴)

جو حدیث نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو جائے،اس کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"اسے ترک کرنا جائز نہیں۔" (بیہقی، مناقب الشافعی، ۱/۴۸۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان المرادی سے فرمایا: میں ایک بات ایسی بتاتا ہوں جو تجھے ان شاء اللہ بے نیاز کر دے گی،رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث کبھی نہ چھوڑنا اِلا یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف کوئی دوسری حدیث آجائے تو پھر اختلاف میں اس طرح کرنا جس طرح میں نے تجھے بتایا ہے۔ (بیہقی، مناقب الشافعی، ۱/۴۷۲)

امام شافعی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے فرمایا:ہم سے زیادہ صحیح حدیثوں کو جانتے ہو،پس اگر خبر (حدیث) صحیح ہو تو مجھے بتا دینا تاکہ میں اس پر عمل کروں (اس کا راوی) چاہے کوفی، بصری یا شامی ہو۔

(ابو نعیم اصبھانی، احمد بن عبد اللہ: حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، السعادۃ، بجوار محافظۃ، مصر، ۱۹۷۴ء، ۹/۱۷۰)

امام ابو بکر الحمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں مصر میں تھا، محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ اس حدیث کو لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیا تو نے مجھے کنیسہ (یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے) سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے یا مجھ پر زَنار (ہندوؤں یا عیسائیوں کا خاص نشان) ہے؟ جب میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثابت ہو جائے تو میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں اور وہ میرا قول ہے اور اسی کا میں دفاع کرتا ہوں، اور اگر میرے نزدیک حدیث ثابت نہ ہو تو میں اسے اپنا قول نہیں بناتا، کیا تو نے مجھ پر زَنار دیکھا ہے کہ میں حدیث کے مطابق فتویٰ نہ دوں؟ (ابو نعیم اصبھانی: حلیۃ الاولیاء، ۹/۱۰۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کی تو وہ شخص ہلاکت کے کنارے پر ہے۔ (ابن جوزی، عبد الرحمٰن بن علی: مناقب احمد، دار ھجر، بیروت، ۱۴۰۹ھ، ص ۱۸۲)

امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے، میں نے یہ حدیث اس سے پہلے کبھی نہیں سنی" اس کے بعد امام مالک اِسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔
(ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد: الجرح والتعدیل، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲ء، ص ۳۱)

محدثین کے عمل سے حدیث میں قوت:

بعض اوقات علماء اور صلحاء کے عمل کی وجہ سے بھی حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ یعنی جب محدثین کسی حدیث پر عمل کرنے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں تو اس روایت میں مزید قوت آجاتی ہے جیسا امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، امام حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) صلوٰۃ التسبیح کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَمِمَّا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى صِحَّةِ هَذَا الْحَدِيثِ اسْتِعْمَالُ الْأَئِمَّةِ مِنْ أَتْبَاعِ التَّابِعِينَ إِلَى عَصْرِنَا هَذَا إِيَّاهُ وَمُوَاظَبَتُهُمْ عَلَيْهِ وَتَعْلِيمُهُنَّ النَّاسَ، مِنْهُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ» ترجمہ: جس چیز سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اتباع تابعین سے لیکر ہمارے اس دور تک تمام ائمہ اس پر دوام کے ساتھ عمل کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں ان ائمہ میں سے عبد اللہ بن مبارک بھی ہیں۔ (حاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، نیشاپوری: المستدرک، ۱/۳۱۹، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، س ن/مکتبہ شاملہ: ۱۱۹۶)

علامہ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی: حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے آئے تو امام جس حال میں ہو (یعنی رکوع

میں ہو یا سجدہ میں ہو) تو اِسی طرح کرے جس طرح امام کر رہا ہے، اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اس سند کے علاوہ یہ کسی اور سند سے مسنداً مروی نہیں ہے، اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔

"علامہ نووی نے میرک سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (ملا علی قاری: مرقاۃ، ۲/ ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: سنت اگر ثابت ہو جائے تو تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اُس پر عمل واجب ہے۔

(ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم: مجموع الفتاوی، مجمع الملک فہد، مدینہ، ۱۹۹۵ء، ۱۹/ ۸۵)

معلوم ہوا کہ محدثین کا یہ معمول تھا کہ وہ نبی ﷺ کی احادیث پر فتویٰ دیتے تھے، اور کسی حال میں بھی اپنی رائے کو دخل نہیں دیتے تھے، چنانچہ اگر ان کو کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہیں ملی تب بھی انہوں نے اپنی رائے کے بجائے ضعیف حدیث کو معمول بنایا، چنانچہ وہ احکام میں صحیح یا حسن حدیث نہ ملنے کی صورت میں ضعیف حدیث کو ترک نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ محدثین کی حدیث ضعیف سے ثبوت احکام کے متعلق دو قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔

پہلی رائے:

جمہور محدثین اور فقہاء کے نزدیک عقائد کی طرح احکام میں بھی حدیث ضعیف حجت نہیں ہے۔

ا۔ سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کی رائے:

لاتاخذوا ھٰذا العلم فی الحلال والحرام الا من رؤساء المشھورین بالعلم، الذین یعرفون الزیادۃ والنقصان، ولا باس بماسویٰ ذالک منا المشائخ۔ حلال وحرام کے بارے میں صرف سرکردہ مشہور علماء سے علم حاصل کرو جنہیں اضافہ اور نقصان کی پہچان ہو، اور اسکے علاوہ امور کے بارے مشائخ سے علم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(جرجانی، عبد اللہ بن عدی، ابو احمد: الجرح والتعدیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء، ص ۲۵۷)

۲۔ سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) کی رائے:

خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: **لاتسمعوا من بقیۃ ما کان فی سنۃ، واسمعوا منہ ما کان فی ثواب وغیرہ۔** تم بقیہ (ضعیف راوی) سے سنت (احکام) کے متعلق حدیثیں نہ لو، اور ثواب وغیرہ کے متعلق اس سے لے لو۔ (ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد: الجرح والتعدیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲ء، ص ۳۰)

۳۔ عبد الرحمان بن مھدی (م ۱۹۸ھ) کی رائے:

عبدالرحمان بن مہدی لکھتے ہیں: اذارویناقی الثواب والعذاب وفضائل الاعمال ،تساهلنافی الاسانید والرجال ، واذارویناقی الحلال والحرام والاحکام تشددنافی الرجال۔ جب ہم ثواب وعقاب اور فضائل اعمال روایت کرتے ہیں تو اسناداور روایت میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور جب حلال و حرام اوراحکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو اسناداور رجال کی خوب چھان بین کرتے ہیں۔ (حاکم، محمد بن عبداللہ، نیشاپوری: المدخل، الی کتاب الاکلیل، دارالدعوۃ الاسکندریہ، س ن، ص۲۹)

دوسری رائے:

احکام میں حدیث ضعیف کے قابل عمل ہونے کے بارے میں عام اصول تو یہی ہے کہ "لایعمل بہ فی الاحکام" کیونکہ نہ تو یہ متواتر ہے کہ یقین کی مفید ہو اور نہ ہی آحاد صحیح یا حسن کی ظن کی مفید ہو۔ لیکن یہ اصول علی الاطلاق نہیں ہے، جیسا کہ شیخ احمد صدیق غمازی (م۱۳۸۰ھ) نے کہا کہ: الاحتجاج بالضعیف فی الاحکام لیس هو خاصابالمالکیه بل کل الائمة یحتجون به۔ ولذالک کان قولهم الضعیف لایعمل به فی الاحکام قولا لیس علی الاطلاق۔ احکام میں حدیث ضعیف سے استدلال کرنا مالکیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ائمہ اس سے استدلال کرتے ہیں لھٰذا "الضعیف لایعمل بہ فی الاحکام" والا قول مطلق نہیں ہے۔ (غمازی، احمد بن محمد بن صدیق: المثنونی والبتار، مطبعۃ الاسلامیہ، از ھر، مصر ۱۳۵۲ھ، ۱/ ۱۸۰)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء بالخصوص ائمہ اربعہ اور محدثین کی ایک بہت بڑی تعداد مخصوص حالات کے اندر احکام میں بھی حدیث ضعیف کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ذیل میں ان مخصوص حالات کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا اصول:

ا۔ حدیث ضعیف کے سوا حدیث موجود نہ ہو: جب کسی مسئلہ پر صرف ضعیف حدیث موجود ہو اور صحیح یا حسن حدیث دستیاب نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنے سے حدیث ضعیف پر عمل کرنا اولیٰ ہے، اور یہ ائمہ اربعہ اور کئی محدثین کا مذھب ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم:

ا۔ ابن حزم (م۴۵۶ھ) امام اعظم کے متعلق کہتے ہیں: قال ابو حنیفة: الخبر الضعیف عن رسول الله ﷺ او لیمنا لقیاسو لا یحلالقیاسمعو جوده۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر ضعیف، قیاس سے اولیٰ ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

(ابن حزم، علی بن احمد، ظاہری: الاحکام فی اصول الاحکام، دار آفاق الجدیدۃ، بیروت، س ن، ص ۵۴)

۲۔ابن قیم (م ۷۵۱ھ) امام اعظم کی طرف سے اس اصول پر مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امام ابو حنیفہ نے حدیث قہقہہ کو قیاس پر مقدم کیا ہے حالانکہ محدثین کا اس کے ضعف پر اجماع ہے، اور وضو والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا ہے حالانکہ اکثر محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت دس دن والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق یہ حدیث ضعیف ہے، اور دس درہم سے کم مہر نہیں والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا حالانکہ اس کے ضعیف بلکہ بطلان پر اجماع ہے۔" (ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموتعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/۲۶)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم: اصول مذکور کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کی رائے کو ابن قیم بیان کرتے ہیں: و امام مالک فانه یقدم الحدیث المرسل و المنقطع و البلاغات و قول الصحابی علی القیاس۔ امام مالک حدیث مرسل، منقطع، بلاغات اور قول صحابی کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

(ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموتعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/۲۶)

امام شافعی اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم:

ابن قیم لکھتے ہیں: امام شافعی نے وج (نامی بستی) کے شکار کے حرام ہونے والی خبر، مکروہ وقت میں مکہ کے اندر نماز کے جائز ہونے والی خبر اور ایک قول کے مطابق "من قاء اور عف فلیتوضا ولیبن علی صلاتہ" والی حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے۔ (ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموتعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/۲۶)

امام احمد بن حنبل اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم:

ابن قیم لکھتے ہیں: جن اصول پر امام احمد نے اپنے فتاویٰ کی بنیاد رکھی ہے، ان میں سے چوتھی اصل مرسل اور ضعیف حدیث سے اخذ کرنا ہے جبکہ اس باب میں اس کے معارض قولی شے نہ ہو، اور امام احمد ضعیف حدیث کو قیاس پر راجح قرار دیتے ہیں۔ (ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموتعین عن رب العلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۱/۲۶)

امام ابو داؤد اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم:

ابن مندہ (م ۳۹۵ھ) لکھتے ہیں: امام ابو داؤد، امام نسائی کی سی روش اختیار کرتے تھے، اور اسناد ضعیف کی تخریج کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے نزدیک قیاس سے اقویٰ ہے۔

(ابن مندہ، محمد بن اسحاق، عبدی: فضل الاخبار و شرح مذاہب اہل الآثار حقیقۃ السنن، دار المسلم، ریاض، ۱۴۱۴ھ، ص ۷۳)

امام ثوری، اوزاعی، ابو حاتم رازی، ابن حزم اور حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم:

خلیل بن ابراہیم ملا خطر لکھتے ہیں: اور یہ (اصول مذکور) ثوری، اوزاعی، ابو حاتم رازی اور ابن حزم کا مذہب ہے۔

(ملا خاطر، خلیل بن ابراھیم، غرامی: خطورۃ المساواۃ الحدیث الضعیف بالموضوع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ء، ص ۶۵)

حدیث ضعیف کی قیاس پر تقدیم اور ائمہ کا اجماع:

اصولِ مذکور پر ابن قیم تمام ائمہ کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور کوئی امام ایسا نہیں ہے جو امام احمد بن حنبل کے ساتھ اس اصول میں متفق نہ ہو، کیونکہ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم نہ کرتا ہو۔

(ابن قیم: اعلام الموٴقعین عن رب العالمین، ۲/۲۶)

دوسرا اصول:

حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں احتیاط ہو: جب حدیث ضعیف میں کسی کام کی کراہت یا انکار بیان کیا گیا ہو تو احتیاطا اس ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ اس اصول کو کئی ایک محققین نے اختیار کیا ہے، مثلا:

امام شافعی (م ۲۰۴ھ) اور احتیاطاً حدیث ضعیف پر عمل:

امام ماوردی (م ۴۵۰ھ) امام شافعی کے متعلق فرماتے ہیں: جب مرسل کے علاوہ کوئی دلیل موجود نہ ہو تو امام شافعی اس سے استدلال کرتے ہیں، یعنی جب مرسل منع پر دلالت کرے اور اس کے علاوہ وہ دلیل موجود نہ ہو۔

(سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، حافظ: فتح المغیث، مکتبۃ السنہ، ۲۰۰۳ء، ۱/۳۴۲)

امام نووی اور احتیاطاً حدیث ضعیف پر عمل:

امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ”رہے احکام جیسے حلال، حرام، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ تو ان میں صرف صحیح یا حسن حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ ان میں سے کسی کے اندر احتیاط ہو، جیسا کہ جب کوئی ضعیف حدیث کسی کاروبار یا نکاح کی کراہت کے بارے میں وارد ہو تو اس سے بچنا مستحب ہے، ہاں واجب نہیں ہے۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: الاذکار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، ص ۸)

علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) اور احتیاطاً حدیث ضعیف پر عمل:

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: ویعمل بالضعیف ایضافی الاحکام ،اذاکان فیه احتیاط۔ احکام میں بھی حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جبکہ اس کے اندر احتیاط ہو۔ (سیوطی، جلال الدین، حافظ: تدریب الراوی، دار طیبہ، س ن، ۱/ ۳۵۱)

تیسرا اصول:

حدیث ضعیف مفید استحباب ہو: احکام کے کئی مراتب ہیں، جیسے فرض اور حرام، واجب اور مکروہ تحریمی، سنت موکدہ اوراساءت، سنت غیر موکدہ اور مکروہ تنزیہی، مستحب اور خلاف اولیٰ، اور مباح، اسی طرح اس کے بالمقابل احادیث میں بھی درجات ہیں، مثلاً متواتر اور آحاد پھر آحاد کے تین درجے ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف، تو جمہور علماء کم درجے والا حکم یعنی مستحب پر کم درجے والی حدیث یعنی ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں: ''عبد اللہ بن مبارک نے ایک ضعیف راوی سے روایت کی تو ان سے پوچھا گیا کہ یہ تو ضعیف ہے! تو آپ نے کہا کہ اتنی مقدار یا ایسی چیزوں کو اس سے روایت کیا جاسکتا ہے، میں (ابو حاتم) نے عبدہ بن سلیمان سے پوچھا ایسی چیزوں سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا: ادب، نصیحت اور زہد کے بارے میں۔ (ابن ابی حاتم: الجرح والتعدیل، ص ۳۰)

یحیٰ بن سعید قطان (م ۱۹۸ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ''یحیٰ بن سعید نے کہا کہ تم ایسی قوم سے تفسیر لینے سے تساہل سے کام لے لیا کرو جن کی محدثین، حدیث میں توثیق نہیں کرتے۔ پھر آپ نے لیث، ابن ابی اسلم، ضحاک، اور محمد بن سائب کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ لوگ قابل تعریف نہیں ہیں لیکن ان سے تفسیر لی جاسکتی ہے۔

(خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابو بکر: الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ الاعلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۴۰ء، ۲/ ۱۹۴)

عبد الرحمٰن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

عبد الرحمٰن بن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں لکھا: باب فی الادب والموعظ انهاتحتمل الروایة عن الضعاف۔ آداب و مواعظ کے متعلق ضعیف راویوں سے روایت کی جاسکتی ہے۔ (ابن ابی حاتم: الجرح والتعدیل، ص ۳۰)

ابن قدامہ (م٦٢٠ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فان النوافل و الفضائل لایشترط صحة الحدیث فیھا۔ نوافل اور فضائل میں حدیث کا صحیح ہونا شرط نہیں ہے۔ (ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، حنبلی: المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ١٩٦٨ء، ١/٩٨)

امام نووی (م٦٧٦ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

(١) امام نووی: من حفظ علی امتی اربعین حدیثا کے ضعف کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: و اتفق الحفاظ علی انه حدیث ضعیف و ان کثرت طرقة۔ اس حدیث کے طرق کثیر ہونے کے باوجود حفاظ نے اس کے ضعف پر اتفاق کیا ہے۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: الاربعین النوریہ مع الشرح لابن دقیق العید، مؤسسۃ الریان، ٢٠٠٣ء، ص:١٧)

پھر آگے کہتے ہیں: و قد اتفق العلماء علی جواز العمل الحدیث الضعیف فی الفضائل الاعمال۔ علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: الاربعین النوریہ مع الشرح لابن دقیق العید، مؤسسۃ الریان، ٢٠٠٣ء، ص:١٧)

(٢) امام نووی رحمہ اللہ المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں: "اور مختار خط کا استحباب ہے، کیونکہ اگرچہ اس میں حدیث ثابت نہیں ہے لیکن اس سے نمازی کے لئے حریم (جس کی وجہ سے حفاظت ہو) حاصل ہوتی ہے۔ اور ہم پہلے حلال و حرام کے علاوہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ذکر کر چکے ہیں۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: المجموع شرح المہذب، دار الفکر، بیروت، س ن، ٣/٢٤٨)

امام ابن حجر عسقلانی (م٨٥٢ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

ابن حجر عسقلانی، ابن جوزی کے ترغیب و ترہیب میں قابل عمل ضعیف حدیثوں کو موضوعات میں داخل کرنے پر تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ابن جوزی نے اپنی کتاب میں حدیث منکر اور اس ضعیف حدیث کو بھی ذکر کر دیا ہے، جو ترغیب و ترہیب میں قابل عمل ہیں۔ (ابن حجر عسقلانی: النکت، ص١٢٦)

علامہ ملا علی قاری (م١٠١٤ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

ملا علی قاری فرماتے ہیں: و الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقا۔ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں متفقہ طور پر عمل جائز ہے۔ (قاری، علی بن سلطان، ملا: مرقاۃ شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، ٢٠٠٢ء، ٢/١٢٢٧)

شیخ البانی لکھتے ہیں: لا سيما عند الجمهور الذي يرى العمل بالحديث الضعيف – في فضائل الأعمال والترغيب والترهيب – دون الموضوع، فتأمل!۔ ''خاص طور پر محدثین ضعیف حدیث پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ فضائل اعمال، حوصلہ افزائی اور ڈرانے والے اعمال میں (یعنی ترغیب وترھیب)۔ موضوع روایت کے علاوہ، غور کریں!

(البانی، محمد ناصر الدین: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ۱۱/ ۲۴۹، دار المعارف، ریاض ۱۹۹۲ء: ۵۱۴۸)

محدثین کرام کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کوئی بھی حدیث چاہے صحیح ہو، حسن ہو یا ضعیف کسی نہ کسی لحاظ سے معمول بن جاتی ہے، لیکن موضوع نہ ہو دوسری طرف شیخ زبیر ہیں جو ان تمام محدثین کے خلاف کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں، شیخ زبیر کے نزدیک ضعیف حدیث مردود اور ناقابلِ عمل ہوتی ہے۔ اور ضعیف بھی وہ جو ان کے اصول کے مطابق ہو۔ اب ہم شخ زبیر کے ہم عصر عالم دین شیخ ناصر الدین الالبانی اور شیخ زبیر کی تحکیم کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں جن میں ایک ہی روایت کو شیخ زبیر نے ضعیف کہا لیکن اُسی روایت کو شیخ البانی صحیح کہتے ہیں اور جس روایت کو شیخ زبیر نے صحیح کہا اُسی روایت کو شیخ البانی نے ضعیف کہا، اگر اتنی شدت اختیار کی جائے تو پھر احادیث کا ذخیرہ تو یوں ہی ختم ہو جائے گا۔

شیخ زبیر کی شدت پسندی:

شیخ زبیر کہتے ہیں کہ ضعیف روایات مردود وناقابل عمل ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سی ضعیف روایات جن کو آپ نے ضعیف کہا ہے لیکن دوسرے محدثین تو اسے صحیح یا حسن مانتے ہیں۔ اب کون سی ضعیف روایات مردود ہوں گی جن کو آپ تو ضعیف کہتے ہیں لیکن دوسرے محدثین صحیح کہتے ہیں، اور وہ کون سی صحیح روایات مانی جائیں گی جن کو آپ تو صحیح لیکن دوسرے محدثین ضعیف لکھتے ہیں، چنانچہ شیخ زبیر کے ہم مسلک اور ہم عصر عالم دین شیخ ناصر الدین البانی اور شیخ زبیر نے مشکوٰۃ المصابیح کی احادیث پر حکم لگایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ ایک ہی روایت کو شیخ زبیر صحیح کہتے ہیں اور اُسی ہی روایت کو شیخ ناصر الدین البانی ضعیف لکھتے ہیں، اور جن روایات کو شیخ البانی نے صحیح لکھا ان ہی روایات کو شیخ زبیر نے ضعیف لکھا۔

مشکوٰۃ المصابیح میں جن روایات کو شیخ زبیر نے ضعیف لکھا ان ہی روایات کو شیخ البانی نے صحیح لکھا چنانچہ چند روایات کے نمبر اور ان کی تحکیم شیخ زبیر اور شیخ البانی ملاحظہ کریں۔

شیخ زبیر کے نزدیک ضعیف	شیخ البانی کے نزدیک صحیح
۲۱۱۔ ضعیف	صحیح

۲۱۶۔ضعیف	صحیح
۲۴۴۔ضعیف	صحیح
۲۴۶۔ضعیف	صحیح
۲۶۰۔ضعیف	صحیح
۲۷۷۔ضعیف	صحیح
۳۲۳۔ضعیف	صحیح
۳۹۰۔ضعیف	صحیح
۴۰۱۔ضعیف	صحیح
۴۰۸۔ضعیف	صحیح

یہ دس(۱۰)روایات مشکوٰۃ المصابیح سے نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں جو کہ شیخ زبیر کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن شیخ البانی کے نزدیک صحیح ہیں۔

اب مشکوٰۃ المصابیح سے ہی دس روایات جن کو شیخ زبیر صحیح لیکن شیخ البانی ضعیف مانتے ہیں

شیخ زبیر صحیح	شیخ البانی ضعیف
۴۔ صحیح	ضعیف
۹۴۔ صحیح	ضعیف
۲۹۵۔ صحیح	ضعیف
۶۱۹۔ صحیح	ضعیف
۶۷۵۔ صحیح	ضعیف
۱۷۷۔ صحیح	ضعیف
۱۳۴۱۔ صحیح	ضعیف
۱۳۵۱۔ صحیح	ضعیف
۱۳۷۷۔ صحیح	ضعیف

۱۵۰۲۔ صحیح ضعیف

موضوع روایت صحیح کیسے ہوگئی؟

مشکوٰۃ المصابیح میں ایک ایسی روایت ہے جس کو شیخ زبیر موضوع اور شیخ البانی صحیح مانتے ہیں۔ موضوع یعنی من گھڑت ایسا جھوٹ جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے، نبی ﷺ نے فرمایا جس نے میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ (القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۴)

اب ایک ہی روایت ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنے والا، جہنمی ہے اور نبی ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا ہے اور اسی روایت کو شیخ البانی صحیح کہہ رہے ہیں وہ روایت مشکوٰۃ المصابیح میں ۲۵۵ نمبر پر موجود ہے:

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيمَتَيْهِ أَثَبْتُهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ. وَفَضْلٌ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِي عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّينِ الْوَرَعُ» . رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شعب الْإِيمَان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "اللہ عزوجل نے میری طرف وحی فرمائی کہ جو شخص طلب علم میں کوئی سفر کرتا ہے تو میں اس کے لئے راہ جنت آسان کر دیتا ہوں، اور میں جس کی دونوں آنکھیں سلب کرلیتا ہوں تو میں اس کے بدلے میں اسے جنت عطا کر دیتا ہوں، علم میں زیادت، عبادت سے بہتر ہے، اور دین کی اصل تقویٰ ہے۔"

(خطیب تبریزی، محمد بن عبد اللہ، ولی الدین: مشکوٰۃ المصابیح، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء، رقم الحدیث: ۵۵)

شیخ زبیر کی شدت پسندی اور ضعیف حدیث کے بارے میں اس طرح کی سختی سے معاملات کہاں تک پہنچ سکتے ہیں، جبکہ یہ روایت ان کے نزدیک ضعیف نہیں بلکہ موضوع ہے۔

خلاصہ تحقیق:

- نبی ﷺ کے فرامین کو معمول بنانا یہ محدثین کا عمل رہا ہے، اس میں سب سے پہلے وہ صحیح یا حسن روایت کی طرف رجوع کرتے اور صحیح یا حسن روایت ملنے کی صورت میں وہ اس پر عمل پیرا رہتے اور اگر صحیح یا حسن روایت نہ پاتے تو وہ نبی ﷺ کے فرمان سے منہ نہ موڑتے اور اپنے قیاس پر ضعیف روایت کو ترجیح دیتے۔
- کسی حدیث پر محدثین کا عمل، اس روایت کو تقویت دیتا ہے۔
- حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں متفقہ طور پر عمل جائز ہے۔

- شیخ البانی اور شیخ زبیر علی زئی کی تحکیم میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔
- شیخ زبیر ضعیف حدیث سے متعلق شدت پسندی کا شکار ہیں۔
- محدثین اپنے قیاس کو ترک کر کے ضعیف حدیث پر عمل کرتے تھے۔

فصل دوم

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک معمول بہا احادیث اور حافظ زبیر زئی

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا کیسا؟

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ معمول رہا ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں اور میت کیلئے دعائیں کی ہیں، جب کہ صحابہ کرام سے حمد اور درود کا ثبوت بھی ملتا ہے، نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں اور نہ ہی یہ عمل صحابہ کرام کے نزدیک معمول رہا ہے۔ جبکہ دوسری طرف معمول بہا احادیث پر تنقید کرتے ہوئے شیخ زبیر علی زئی اپنی کتاب ہدیۃ المسلمین میں لکھتے ہیں: نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ ہو جاتا ہے یا انہوں نے سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ پڑھا ہو۔ جس روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازے میں قرأت نہیں کرتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ جہری قرات نہیں کرتے تھے۔

(زئی، زبیر، حافظ: ہدیۃ المسلمین، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰۷)

شیخ زبیر نے جس طرح (نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں کہ سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ ہو جاتا ہے) کا دعویٰ کیا ہے کیا ان کے پاس کوئی ایسی مرفوع روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو یا حکم دیا ہو یا کسی صحابی نے یہ کہا ہو کہ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے سورہ فاتحہ پڑھی ہو؟ ایسی کوئی دلیل شیخ زبیر پیش نہیں کر سکے بلکہ اس کے الٹ کثیر تعداد میں روایات ہیں کہ نبی ﷺ نے جنازہ سورہ فاتحہ کے بغیر پڑھا اور صرف چار تکبیریں کہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ ﷺ سے کئی ایک دعائیں بھی سنیں لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھتے سنا ہے۔ شیخ زبیر کے دیئے ہوئے دلائل کا ذکر ہم آخر میں کریں گے اس سے پہلے دیکھئے کہ نبی ﷺ نے بغیر سورہ فاتحہ کے نماز جنازہ پڑھائی ہے۔

نجاشی کی نمازِ جنازہ:

نبی ﷺ سے کثیر تعداد میں روایات ہیں کہ آپ ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر دی جس دن وہ فوت ہوا، اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو کہا کہ آؤ نجاشی کا جنازہ پڑھتے ہیں، لیکن کسی ایک روایت میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ چنانچہ امام بخاری اپنی کتاب صحیح البخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي اليَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى المُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ، وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ» حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہوا اسی دن رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کی خبر دی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے صف بندی کرائی اور چار تکبیریں کہیں۔

(بخاری، محمد بن اسمٰعیل، ابوعبداللہ: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

بخاری کی اس حدیث سے واضح ہوا کہ نمازِ جنازہ میں ضروری صرف چار تکبیریں ہیں، اس کے علاوہ دیگر مواقع پر آپ ﷺ نے دعائیں بھی کی ہیں لیکن کسی ایک دعا کو مخصوص نہیں کیا۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح روایت ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى أَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ أَرْبَعًا» وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: عَنْ سَلِيمٍ: أَصْحَمَةَ، وَتَابَعَهُ عَبْدُ الصَّمَدِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اصحمہ نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں۔ (بخاری: ۱۳۳۴)

امام مسلم رحمہ اللہ بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے حضرت نجاشی رضی اللہ کے جنازے کے متعلق روایت کرتے ہیں۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى أَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ، فَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا» حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ نے اصحمہ نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھی پس اس میں چار تکبیریں تھیں۔

(القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: ۲۲۰۷ / ۹۵۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى، وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ» حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہوا اسی دن

رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کی خبر دی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے صف بندی کرائی اور چار تکبیریں کہیں۔(مسلم:۲۲۰۴/۹۵۱)

امام نسائی رحمہ اللہ بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس دن حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اسی دین رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کی خبر دی، امام نسائی رحمہ اللہ کی روایت میں مزید یہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ میں تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، ثُمَّ خَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ فَصَلَّى عَلَيْهِ وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ» حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہوا، اسی دن رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کی خبر دی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے صف بندی کرائی اور چار تکبیریں کہیں۔(نسائی، احمد بن شعیب، ابوعبد الرحمٰن: سنن النسائی، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث:۱۹۷۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: «نَعَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجَاشِيَّ لِأَصْحَابِهِ بِالْمَدِينَةِ، فَصَفُّوا خَلْفَهُ، فَصَلَّى عَلَيْهِ، وَكَبَّرَ أَرْبَعًا» حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنے صحابہ کو نجاشی کی وفات کی خبر دی۔ انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں۔ آپ ﷺ نے جنازہ پڑھایا اور چار تکبیریں کہیں۔(نسائی:۱۹۷۲)

اس طرح کی کئی اور روایات دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں جس میں واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی لیکن اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر تک نہیں صرف چار تکبیریں۔ ان روایات سے تو صرف چار تکبیریں ثابت ہوتی ہیں۔ بعض دیگر روایات سے آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے دعائیں سنی ہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں نے سورہ فاتحہ سنی ہے۔

شوقِ نماز جنازہ:

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا شوق سے جنازہ پڑھتے تھے اگر کسی کا جنازہ پڑھنے سے رہ جاتا تو آپ ﷺ اس کی قبر پر جا کر جنازہ پڑھتے اور اس میں بھی چار ہی تکبیروں کا ذکر ملتا ہے سورہ فاتحہ کا نام و نشان نہیں ملتا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ – أَوْ شَابًّا – فَفَقَدَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عَنْهَا – أَوْ عَنْهُ – فَقَالُوا: مَاتَ، قَالَ: «أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي» قَالَ: فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوا أَمْرَهَا – أَوْ أَمْرَهُ – فَقَالَ:

«دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ» فَدَلُّوهُ، فَصَلَّى عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا، وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ» حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ یا ایک نوجوان تھا، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اسے نہ پایا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس عورت یا اس مرد کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا: وہ فوت ہو گیا ہے، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کیا تم لوگوں کو مجھے اطلاع نہیں دینی چاہیے تھی؟ راوی نے کہا: گویا ان لوگوں نے اس عورت یا اس مرد کے معاملے کو معمولی خیال کیا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اس کی قبر دکھائی۔ تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر فرمایا: اہل قبور کے لئے یہ قبریں تاریکی سے بھری ہوئی ہیں اور میری ان پر نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان (قبروں) کو منور فرما دیتا ہے۔ (مسلم:۹۵۶/۲۲۱۵)

امام مسلم رحمہ اللہ مزید اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى قَبْرٍ بَعْدَمَا دُفِنَ، فَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا» رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے میت کے دفن کیے جانے کے بعد ایک قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس پر چار تکبیریں کہیں۔
(مسلم:۲۲۱۱)

مجمع الزوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت موجود ہے، جس میں ہے کہ جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی تو ایک انصاری صحابی نے گزارش کی کہ میرے بھائی کی قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھیں: عَنْ أَنَسٍ «أَنَّ أَسْوَدَ كَانَ يُنَظِّفُ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَدُفِنَ لَيْلًا، فَأَتَى النَّبِيُّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – فَأُخْبِرَ فَقَالَ: " انْطَلِقُوا إِلَى قَبْرِهِ "، فَانْطَلَقُوا فَقَالَ: " إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مُمْتَلِئَةٌ عَلَى أَهْلِهَا ظُلْمَةً، وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا بِصَلَاتِي عَلَيْهَا "، فَأَتَى الْقَبْرَ فَصَلَّى عَلَيْهِ، وَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ أَخِي مَاتَ وَلَمْ تُصَلِّ عَلَيْهِ، قَالَ: " فَأَيْنَ قَبْرُهُ؟ " فَأَخْبَرَهُ، فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – مَعَ الْأَنْصَارِيِّ فَصَلَّى» .قُلْتُ: فِي الصَّحِيحِ طَرَفٌ مِنْهُ۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس شخص کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی اور ایک انصاری صحابی نے عرض کی: یارسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میرا بھائی بھی فوت ہو گیا ہے اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کی نماز جنازہ میں شامل نہیں تھے، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کہاں ہے اس کی قبر؟ تو اس نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو خبر دی، پس آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس انصاری کے ساتھ چلے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

(ھیثمی، علی بن ابی بکر، نورالدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، قاہر، ۱۹۳۴ء، رقم الحدیث:۴۱۹۱)

ان روایات سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قبر پر جا کر بھی نماز جنازہ پڑھتے تھے اپنے امتی کی راحت اوراس کی قبر کوروشن کرنے کے لیے اورآپ ﷺ نے جونماز پڑھی اس میں چار تکبیروں کاذکرہے۔سورہ فاتحہ اگرفرض ہوتی توضرور صحابی اس کاذکر کرتے۔

سماعتِ نمازجنازہ:

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی ﷺ سے نمازجنازہ میں کیاپڑھتے ہوئے سنا،اس کی تفصیل کتب حدیث میں موجودہے۔لیکن کسی نے یہ نہیں کہاکہ رسول اللہ ﷺ نے نمازجنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی اور ہم نے سنی۔

وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: " اللَّهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ، فَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ – قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: مِنْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ – وَعَذَابِ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ، اللَّهُمَّ فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ "، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: عَنْ مَرْوَانَ بْنِ جَنَاحٍ- واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:رسول ﷺ نے ہمیں مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نمازجنازہ پڑھائی تومیں نے سناآپ ﷺ کہہ رہے تھے:اے اللہ!فلاں کابیٹافلاں تیری امان وپناہ میں ہےتواسے قبرکے فتنہ سے بچالے۔عبدالرحمٰن کی روایت میں الفاظ یوں ہیں:اے اللہ!وہ تیری امان میں ہے،اور تیری حفاظت میں ہے،تواسے قبرکے فتنہ اور جہنم کے عذاب سے بچالے،تووعدہ وفاکرنے والااور لائق ستائش ہے،اے اللہ!تواسے بخش دے،اس پر رحم فرما،توبہت بخشنے والااوررحم فرمانے والاہے۔(ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی:سنن ابی داؤد،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۲۰۰۹ء،رقم الحدیث:۳۲۰۲)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے نمازجنازہ سماعت کی لیکن انہوں نے نمازجنازہ میں رسول اللہ ﷺ سے سورہ فاتحہ نہیں سنی ،اورجوانہوں نے سنااس کی تفصیل بیان کردی،اگرانہوں اس کے علاوہ کچھ سناہوتاتوضروربتاتے،معلوم ہواکہ رسول اللہ ﷺ نمازجنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ ابوابراہیم اوران کے والدسے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:أَبُو إِبْرَاهِيمَ الأَشْهَلِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الجَنَازَةِ، قَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا» قَالَ يَحْيَى، وَحَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَزَادَ فِيهِ: «اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الإِيمَانِ» ابوابراہیم اشہلی اپنے والدسے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نمازجنازہ پڑھتے توکہتے:اے اللہ!بخش دے

ہمارے زندوں کو، ہمارے مردوں کو، ہمارے حاضر کو اور ہمارے غائب کو، ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے بڑوں کو، ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مزید الفاظ ہیں: اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھ، اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے اسے ایمان پر موت دے۔

(ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع الترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۱۰۲۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ ابوابراہیم اوران کے والد کے واسطے سے روایت کررہے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے جو نماز جنازہ کسی مسلمان کا پڑھایا اس کا ذکر ہے اور اس میں جو انہوں نے سنا اس میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا موجود نہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''المستدرک'' میں نماز جنازہ کے متعلق لکھتے ہیں: عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رُكَانَةَ بْنِ الْمُطَّلِبِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلْجِنَازَةِ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا قَالَ: «اللَّهُمَّ عَبْدُكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ احْتَاجَ إِلَى رَحْمَتِكَ، وَأَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهِ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ» هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ «وَيَزِيدُ بْنُ رُكَانَةَ وَأَبُوهُ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ صَحَابِيَّانِ مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ» یزید بن عبداللہ بن رکانہ بن مطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوتے تو فرماتے: اے اللہ! یہ تیرا بندہ، تیری بندی کا بیٹا، تیری رحمت کا محتاج، اور تو بچالے اس کو اپنے عذاب، اگر یہ نیکوکار ہے تو تُو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرمادے، اور اگر یہ گنہگار ہے تو تُو اس کے گناہ معاف فرمادے۔

(حاکم، محمد بن عبداللہ، ابوعبداللہ: المستدرک علی الصحیحین، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء، رقم الحدیث: ۱۳۲۸)

امام حاکم رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ کا ذکر کر روایت کر رہے ہیں اور اس روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں، اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے جو نماز جنازہ پڑھائی ہے اس کی پوری تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو یہ پڑھا۔ جس میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کا ذکر ہی نہیں۔

نماز جنازہ کا طریقہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب (السنن الکبریٰ) میں اپنی سند کے ساتھ نماز جنازہ کا مکمل طریقہ لکھتے ہیں:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، وَكَانَ مِنْ كُبَرَاءِ الْأَنْصَارِ وَعُلَمَائِهِمْ وَمِنْ أَبْنَاءِ الَّذِينَ شَهِدُوا بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي " الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُخْلِصُ الصَّلَاةَ فِي التَّكْبِيرَاتِ الثَّلَاثِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا خَفِيفًا حِينَ يَنْصَرِفُ، وَالسُّنَّةُ أَنْ يَفْعَلَ مَنْ وَرَاءَهُ مِثْلَ مَا فَعَلَ إِمَامُهُ " قَالَ الزُّهْرِيُّ: " حَدَّثَنِي بِذَلِكَ

أَبُو أُمَامَةَ، وَابْنُ الْمُسَيِّبِ يَسْمَعُ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيْهِ "، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَذَكَرْتُ الَّذِي أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ لِمُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْدٍ، فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُ الضَّحَّاكَ ابْنَ قَيْسٍ يُحَدِّثُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ فِي صَلَاةٍ صَلَّاهَا عَلَى الْمَيِّتِ مِثْلَ الَّذِي حَدَّثَنَا أَبُو أُمَامَةَ۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے جو کہ انصار کے بڑوں میں سے اور ان کے علماء میں سے تھے، اور ان صحابہ کی اولاد سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کا معرکہ لڑا، ان کو ایک صحابی نے خبر دی کہ نماز جنازہ میں امام تکبیر کہے، پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اور تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگے اور پھر آہستہ سے سلام پھیر دے، اور یہ سنت ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی ایسا ہی کریں۔

(بیہقی، احمد بن حسین: السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳ء، رقم الحدیث: ۶۹۶۲)

ابن شہاب کہتے ہیں: اسی طرح ابو امامہ اور ابن مسیب سے سنا ہے، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کا ذکر محمد بن سوید سے کیا کہ ابو امامہ کہتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے (جو اُوپر گزرا) محمد بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے ضحاک بن قیس سے سنا وہ حبیب بن مسلمہ سے روایت کرتے ہیں، اُسی طرح جس طرح ابو امامہ نے روایت بیان کی ہے۔ اس روایت میں امام بیہقی نے نماز جنازہ کا طریقہ بیان کیا ہے کہ تکبیر کہیں، درود پڑھیں اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کریں۔ اس میں راوی نے نماز جنازہ کا طریقہ بتاتے ہوئے سورہ فاتحہ کو چھوڑ دیا کیونکہ اگر نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ لازمی ہوتی تو اس کا ذکر ضرور کرتے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں۔

میت کے لئے دعا:

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی ﷺ سے نماز جنازہ میں جو سنا وہ انہوں نے امت تک پہنچا دیا، اگر انہوں نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو سنا ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے جیسا کہ حضرت ابو قتادہ اپنے والد سے روایت کر رہیں ہیں:

عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ قَالَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: " اللهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا، وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا، وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا، وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا، وَأُنْثَانَا "، قَالَ: وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ مَعَ هَذَا الْكَلَامِ " مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ " عبد اللہ بن ابو قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھے جب آپ ﷺ نے ایک میت پر جنازہ پڑھا، میں نے سنا جو آپ ﷺ نے پڑھا: اے اللہ! بخش دے ہمارے زندوں کو، ہمارے مردوں کو، ہمارے حاضر کو اور ہمارے غائب کو، ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے

بڑوں کو، ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھ، اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے اسے ایمان پر موت دے۔ (بیہقی، سنن الکبریٰ للبیہقی: ۶۹۷۴)

آپ ﷺ کے صحابی کہہ رہے ہیں، جو آپ ﷺ نے پڑھا وہ میں نے سنا۔ اور جو سنا وہ بتا دیا، اگر انہوں نے اس کے علاوہ اور بھی کوئی دعا یا سورہ فاتحہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوتی تو ضرور اس کو بھی روایت کر دیتے۔ معلوم ہوا کہ اس دعا کے علاوہ آپ ﷺ نے کچھ نہیں پڑھا۔

ہاں دیگر مواقع پر آپ ﷺ نے اور دعاؤں کو پڑھا ہے۔ جس کو صحابہ کرام نے روایت کیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی ایک مخصوص دعا نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جِنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ، وَهُوَ يَقُولُ: " اللهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ عَلَيْهِ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُونَ أَنَا ذَلِكَ الْمَيِّتَ "حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا تو میں نے آپ ﷺ کی دعا میں سے یہ یاد کر لیا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: اے اللہ! اسے بخش دے اس پر رحم فرما اور اسے عافیت دے، اسے معاف فرما اور اس کی باعزت ضیافت فرما اور اس (کے گناہوں) کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے، اسے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا اور اسے اس گھر کے بدلے میں بہتر گھر، اس کے گھر والوں کے بدلے میں بہتر گھر والے اور اس کی بیوی کے بدلے میں بہتر بیوی عطا فرما اور اس کو جنت میں داخل فرما اور قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے اپنی پناہ عطا فرما۔ کہا: یہاں تک ہوا کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ یہ میت میں ہوتا! (مسلم: ۲۲۳۲/ ۹۶۳)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے نماز جنازہ میں جو سنا اس کا ذکر کیا، اور انہوں نے اپنی خواہش کا بھی اظہار کیا کہ "یہ میت میں ہوتا" اور آپ ﷺ کا بلند آواز سے پڑھنا یہ تعلیم کے لئے تھا تاکہ میرے صحابہ یہ دعائیں میری امت کو سکھائیں۔

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ ﷺ سے جو سنا وہ امت تک پہنچا دیا، اس میں کوئی ابہام نہیں رہا کہ انہوں نے جتنی بھی روایات بیان کی ہیں ان میں کہیں بھی سورہ فاتحہ کی تلاوت کے سننے کا بیان نہیں ہے۔

نماز جنازہ، دعا ہے:

شیخ زبیر اوران کے ہم مسلک لوگ اکثر ابوداؤد کی یہ روایت پیش کرتے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ " حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو خلوصِ دل سے اس کے لئے دعا کرو۔ (ابوداود:۳۱۹۹)

اس روایت سے شیخ زبیر اوران کے ہم مسلک علماء یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نماز جنازہ میں دعا ہے، نہ کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دعا۔ تو ثابت ہو جانا چاہیے کہ نمازہ جنازہ دعا ہے، اس میں قرات نہیں۔

نماز جنازہ اور صحابہ کرام کا معمول:

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے کا معمول تھا کہ وہ نمازہ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ کریم کی حمد کرتے، دوسری تکبیر کے بعد آپ ﷺ پر درود بھیجتے، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کیسے پڑھاتے تھے:

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کس طرح نماز جنازہ پڑھاتے تھے، چنانچہ امام مالک اپنی کتاب ''موطا'' میں لکھتے ہیں:

مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ، كَيْفَ يُصَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ؟فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا، لَعَمْرُ اللهِ، أُخْبِرُكَ. أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا. فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ. وَحَمِدْتُ اللهَ.وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ. ثُمَّ أَقُولُ: اللَّهُمَّ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ. كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ. وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ. وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ. اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِناً، فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ. وَإِنْ كَانَ مُسِيئاً، فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ. اللَّهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ. وَلاَ تَفْتِنَّا بَعْدَهُ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نمازِ جنازہ کیسے پڑھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو میں پہلے تکبیر پڑھ کر اللہ کی حمد کرتا ہوں، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور پھر میت کیلئے دعا کرتا ہوں۔

(مالک، مالک بن انس: الموطا، موسسۃ زید بن سلطان، امارات، ۲۰۰۴، رقم الحدیث: ۷۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو نماز جنازہ کا طریقہ سکھارہے ہیں اس میں سورہ فاتحہ ذکر ہی نہیں، اگر سورہ فاتحہ کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی، تو آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے رکھی جائے گی؟ جو نبی ﷺ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ کیا وہ نبی ﷺ کی سنت کے تارک ہوسکتے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز جنازہ فاتحہ کے بغیر پڑھاتے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو اس میں حمد سے شروع کرتے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھتے اور آخر میں میت کے لئے دعا کرتے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ " إِذَا صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ يَبْدَأُ بِحَمْدِ اللَّهِ، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوبَنَا عَلَى قُلُوبِ خِيَارِنَا " علاء بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو اللہ کی حمد سے ابتداء کرتے پھر نبی ﷺ پر درود بھیجتے، پھر میت کیلئے دعا کرتے۔

(ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد: کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۰۹ھ، رقم الحدیث: ۱۱۳۷۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بتارہا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں، اگر فرض یا سنت ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ ضرور پڑھتے۔ اور جو لوگ فتویٰ لگاتے ہیں کہ کہ سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ نہیں ہوگا، وہ ذرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اس فتوے کو موڑیں کہ جتنے جنازے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائے وہ نہیں ہوئے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے: مالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ؛ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لاَ يَقْرَأُ فِي الصَّلاَةِ عَلَى الْجِنَازَةِ. امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں اور نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (مالک، موطا: ۷۷۷)

(یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے) اس سند کو گولڈن چین (سلسۃ الذھب) کہتے ہیں، اس میں امام مالک، نافع سے روایت کرتے ہیں اور نافع ڈائریکٹ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بتارہے ہیں۔ اصول حدیث کی کتب میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ترین روایت کون سی ہے، کس حدیث کی صحیح ترین سند ہے۔ اس میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ صحیح ترین روایت وہ ہے جس کی سند میں امام مالک رحمہ اللہ

، حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت کریں اور نافع حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرے۔ اس روایت کو صحیح ترین روایت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ تو اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ ساری خصوصیات ہیں۔ مالک، نافع ، عبد اللہ بن عمر۔ اس لئے اس روایت کا درجہ بہت اعلیٰ ہے اس کو کوئی بھی ضعیف نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ روایت صحیح ترین درجہ پر ہے۔

یہ واضح ہے کہ نماز جنازہ میں امام العاشقین حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرات نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم میں کئی روایات ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ عمرہ کو جاتے ہوئے ان راستوں کو اختیار کرتے جن راستوں کو نبی ﷺ نے اختیار کیا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سنتِ نبی ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اگر نماز جنازہ میں تلاوتِ قرآن نبی ﷺ کے زمانہ میں ہوتی تو آپ ضرور کرتے۔

شیخ زبیر کا اس روایت کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے مراد جہراً سورہ فاتحہ نہ پڑھنا ہے۔ اس دلیل میں کیا قرینہ ہے۔ آپ ایک واضح اور مفصل حدیث پر اس انداز سے تنقید کرتے ہیں، جو کہ ایک غیر منصفانہ طرز عمل ہے۔

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں قراءت کے متعلق سوال:

حضرت فضالہ بن عبید صحابی رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں قراءت کرنے کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا:
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ لِفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ: هَلْ يُقْرَأُ عَلَى الْمَيِّتِ شَيْءٌ؟ قَالَ: «لَا»
حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نماز جنازہ میں قرات قرآن کرنی چاہیے؟ آپ نے فرمایا: جنازہ میں قراتِ قرآن نہیں کرنی۔ (ابن ابی شیبہ، کتاب المصنف فی احادیث والآثار، ۱۱۴۰۷)

اس دلیل میں تو کوئی ابہام ہی نہیں رہا، جب صحابی سے پوچھا گیا کہ نماز جنازہ میں قرآن کی قرأت کرنی ہے کہ نہیں تو صحابی نے واضح الفاظ میں کہا: نہیں کرنی قرآن پاک کی تلاوت نماز جنازہ میں۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف:

جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوری وضاحت سے بیان کیا ہے کہ نماز جنازہ میں مخصوص کوئی قراءت ہمارے لئے مقرر نہیں کی گئی: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: لَمْ يُوَقَّتْ لَنَا فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ قِرَاءَةٌ وَلَا

قَوْلٌ، كَبِّرْ مَا كَبَّرَ الْإِمَامُ، وَأَكْثِرْ مِنْ طِيبِ الْكَلَامِ. حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے لئے نمازِ جنازہ میں کوئی دعا مخصوص نہیں کی گئی، جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، اور عمدہ گفتگو کثرت کے ساتھ کرو (یعنی حمد و ثنا کے عمدہ الفاظ، درود پاک اور میت کیلئے اچھے الفاظ میں دعا۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے رجال وہ ہی ہیں جو بخاری و مسلم کے رجال ہیں (یعنی یہ روایت صحیح ہے) (ھیثمی، علی بن ابی بکر، نور الدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، قاہر، ۱۹۳۴ء، رقم الحدیث: ۴۱۵۳)

شیخین کا مؤقف:

شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جنازہ میں کسی خاص چیز کو مقرر نہیں کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی خاص چیز کو نمازِ جنازہ میں مقرر نہیں کیا: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: ثنا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «مَا بَاحَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَبُو بَكْرٍ، وَلَا عُمَرُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ» حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نہ رسول اللہ ﷺ نے اور نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ میں کوئی چیز مقرر کی ہے۔ ابن ابی شیبہ، کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار: ۱۱۳۶۷)

جب رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد آنے والے خلیفۃ المسلمین نے کسی چیز کو نمازِ جنازہ میں مقرر نہیں کیا تو یہ بات واضح ہو گی کہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں۔

۳۰ صحابہ کا مؤقف:

پیارے نبی ﷺ کے تیس صحابہ کا مؤقف یہ ہے کہ وہ نمازِ جنازہ میں کسی خاص چیز کو مقرر نہیں کرتے: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهُمْ لَمْ يَقُومُوا عَلَى شَيْءٍ فِي أَمْرِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ» عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے 30 صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی نمازِ جنازہ میں کوئی چیز مقرر و مخصوص نہیں کی۔ (ابن ابی شیبہ، کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار: ۱۱۳۶۸)

سورہ فاتحہ جنازہ میں مت پڑھو!

حضرت ابو بردہ صحابی رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو منع کرتے: سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَقْرَأُ عَلَى الْجِنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ؟ قَالَ: «لَا تَقْرَأْ» سعید بن ابی بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے ان سے پوچھا: میں نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھوں؟ انہوں نے کہا: مت پڑھو۔

(ابن ابی شیبہ، کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار: ۱۱۴۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہمانے، تیس صحابہ نے نماز جنازہ میں کسی خاص چیز کو مقرر نہیں کیا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں ابتداء اللہ کریم کی حمد اور پھر رسول اللہ ﷺ پر درود اور میت کے لئے دعا کرتے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کا طریقہ بتایا کہ جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو میں پہلے تکبیر پڑھ کر اللہ کی حمد کرتا ہوں، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہوں اور پھر میت کے لئے دعا کرتا ہوں۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں کوئی مخصوس دعا یا قراءت فرض نہیں۔ بلکہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کریم کی حمد، دوسری تکبیر کے بعد نبی ﷺ پر درود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام اور سلام کے بعد عاجو کہ مستحب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو میت کے لئے خلوصِ دل سے دعا کرو۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ " حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو خلوصِ دل سے اس کے لئے دعا کرو۔ (ابو داود: ۳۱۹۹)

شیخ زبیر کی پہلی دلیل:

شیخ زبیر بخاری کی مرسل روایت کو دلیل بناتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کی، جب آپ سے اس بارے پوچھا گیا تو آپ نے بتایا کہ یہ سنت ہے: عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ قَالَ: «لِيَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ» طلحہ بن عبید اللہ بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ پھر فرمایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری: ۱۳۳۵)

اس حدیث کی شرح شارحین نے کیا کی ہے اور اس میں سنت کا مطلب کیا ہے، اور آپ کا فرمان کہ («لِيَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ») کا مطلب کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن بطال رحمہ اللہ اس روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال مالك: الصلاة على الجنازة إنما هو دعاء، وليس قراءة فاتحة الكتاب معمولاً بها ببلدنا. قال الطحاوي: يحتمل أن تكون قراءة من قرأ فاتحة الكتاب من الصحابة على وجه الدعاء لا على وجه التلاوة، وقالوا: إنها سُنَّة، يحتمل أن الدعاء سُنَّة، لما روى عن جماعة من الصحابة

والتابعين أنهم أنكروا ذلك، ولما لم يقرءوا بعد التكبيرة الثانية دل أنه لا يقرأ فيما قبلها، لأن كل تكبيرة قائمة مقام ركعة، ولما لم يتشهد فى آخرها دل أنه لا قراءة فيها. امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز جنازہ صرف دعا ہے، اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا ہمارے شہروں میں معمول نہیں رہا، امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو بطور دعا کے پڑھا ہو نہ کہ بطور تلاوت۔ اوران کا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے، احتمال ہے کہ بے شک دعا سنت ہے (یعنی ان کا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے اس سے ان کا مطلب کہ دعا کرنا سنت ہے اور یہ انہوں نے بطور دعا کے تلاوت کی ہو) جماعتِ صحابہ سے روایت ہے کہ وہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا انکار کرتے ہیں، اور دوسری تکبیر کے بعد قرات نہیں کرتے اور نہ ہی اس سے پہلے۔ اسلئے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے، اور نہ اس کے آخر میں تشہد ہے، یہ بات بھی دلیل ہے کہ قرات نہیں۔ (ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك: شرح صحيح البخاری لابن بطال، مکتبة الرشد - السعودية، الرياض، ۱۴۲۳ھ، ۳/۳۱۷)

شیخ زبیر اس روایت سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض قرار دینا چاہتے ہیں، حالانکہ جس روایت کو دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں اس میں لفظ ہیں (انھاسنۃ) یہ ایک طریقہ ہے۔ اور شیخ زبیر اس سے فرضیت ثابت کر رہے ہیں!

اس حدیث میں "لتعلموا" کالفظ قابل غور ہے اگر حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو فرض یا سنت ٹھہرالیا تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین عظام کو تعجب نہ ہوتا اور نہ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عذر پیش کرنے کی ضرورت پڑتی کہ "لتعلموا انھاسنۃ" بلکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ان کے لئے بالکل نیا تھا اور تعجب اس بات کی دلیل ہے یہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین عظام کی اتنی بڑی تعداد اس سے آشنا ہی نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس موقع پر سورہ فاتحہ پڑھنے کے تین احتمال ہیں بطور ثناء پڑھنا، بطور قرأت پڑھنا یا بطور دعا پڑھنا، سورہ فاتحہ کو بطور دعا کے نماز جنازہ میں پڑھنے کے دلائل وشواہد زیادہ قوی ہیں اور بطور قرأت کے احتمال پر اصرار کرنا جسے ترجیح بلامرجح کہتے ہیں، جو کہ باطل ہے، اس لئے کہ اس احتمال میں بطور قرأت کو صراحتاً کسی قول و فعل نبوی ﷺ کی تائید حاصل نہیں بلکہ بہت سارے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اس کا ممنوع ہونا ثابت ہے، تو بطور ثناء پڑھنا خود ہی متعین ہو گیا۔

اس روایت میں "فقرأ بفاتحۃ الکتاب" مذکور ہے ف تعقیب وتراخی کا تقاضا کرتی ہے تو اس سے تو اختلاف ہی ختم ہو گیا اور معنٰی یہ بنا کہ آپ نے نماز جنازہ کے بعد بطور ایصالِ ثواب سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ سنت ہے۔ اس سے تمام روایات

میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اوراختلاف ہی ختم ہو جاتا ہے اور یہ رائے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے:واحتمال وارد بر جنازہ بعد از نماز بقصد بترک خوانده باشد چنانچہ آلان متعارف است

چنانچہ احتمال یہ ہے کہ کہ آپ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے نماز جنازہ کے بعد جنازہ پر برکت کے لئے سورہ فاتحہ پڑھی جیسا کہ آج بھی رواج ہے۔(محدث دھلوی، عبد الحق، شیخ: اشعۃ اللمعات، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، س ن، ۱/ ۶۸۶)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی وہ شخصیت ہیں جن کی علمیت کے معترف شیخ زبیر کے اکابرین بھی ہیں، چنانچہ شیخ زبیر کے اکابرین میں سے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی لکھتے ہیں: مجھ عاجز کو آپ (شیخ عبد الحق محدث دہلوی) کے علم و فضل سے اور خدمت علمِ حدیث اور صاحب کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی وجہ سے حسن عقیدت ہے۔ آپ کی کئی ایک تصانیف میرے پاس موجود ہیں جن سے میں بہت سے علمی فوائد حاصل کرتا رہتا ہوں۔

(سیالکوٹی، محمد ابراہیم: تاریخ اہل حدیث، مکتبۃ الرحمٰن السلفیہ، سرگودھا، س ن، ص ۴۷۴)

شیخ زبیر کے دوسرے بہت بڑے اکابر حکیم عبد الرحیم اشرف ایڈیٹر المنبر لکھتے ہیں: اللہ عزوجل کی حکمت نے تین عظیم المرتبت شخصیتوں کو پیدا فرمایا جو اس ظلمت کدہ میں اسلام کے مسخ شدہ چہرہ کو اپنی اصلی نورانیت کے جلوہ میں پھر سے ظاہر کریں۔ ان حضرات نے قرآن و سنت کے خشک سوتوں کو از سر نو جاری کر دیا۔ اسلام کے عقائد کو اس شکل میں پیش کیا جو داعی اسلام فداہ روحی ﷺ کے زمانہ میں پیش کئے گئے تھے۔ علماءِ سوء کو بے نقاب کیا گیا ان کی اجارہ داری کو چیلنج کیا گیا اور واشگاف کیا گیا کہ ان کے اقوال اس قابل تو ضرور ہیں کہ انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے لیکن اس لائق نہیں کہ اسلام کی تعبیر و تفسیر کے طور پر حجت شرعی بنالیا جائے۔ یہ عظیم تجدیدی کارنامے تین پاکباز نفوس نے سرانجام دیے، ان کے اسم گرامی یہ ہیں۔ اول حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ جنہیں دنیائے اسلام مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ دوم شیخ عبد الحق محدث دہلوی جنہوں نے اس ملک میں حدیثِ نبوی ﷺ کے علوم کو عام کیا۔ سوم شیخ احمد بن عبد الرحیم جنہیں عالم اسلام شاہ ولی اللہ کے نام سے پکارتا ہے۔(احسان الٰہی ظہیر: ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور، ۵ مارچ ۱۹۵۴ء، ص ۱۹)

شیخ زبیر کے اکابرین، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے علم و شخصیت کے معترف نظر آتے ہیں، اور ان ہی شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس روایت کی شرح میں فرمایا کہ اس روایت سے مراد نماز جنازہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھ کر جو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے وہ مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے، اس سنت سے مراد نبی ﷺ کی سنت یا سنت مسلوکہ ہے، اگر اس سے سنت نبی ﷺ مراد لیا جائے تو جن صحابہ کرام نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی بلکہ تعلیم ہی نہیں دی تو کیا ان کو اس سنت کا علم نہیں تھا جبکہ نبی ﷺ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھتے رہے اور ان روایات کو آگے پہنچاتے رہے۔ لہٰذا دوسرا معنیٰ ہی معتبر ہے کہ اس سنت سے مراد ایک طریقہ ہے، کہ سورہ فاتحہ کو بطور دعا کے پڑھنا یہ بھی ایک طریقہ ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کا معنیٰ سورہ دعا بھی ہے اور اس سورہ میں اللہ کریم نے دعا سکھائی ہے۔ اور لفظ سنت عام ہے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ کو بھی سنت کہا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين**۔ تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔

(ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع الترمذی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۲۶۷۶)

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے طریقہ کو بھی سنت کہا: **جلد النبی ﷺ اربعين و ابوبكر اربعين و عمر ثمانين و كل سنة**۔ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مارے یہ سب سنت ہیں۔ (مسلم: ۱۷۰۷)

محدث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر کہ "کوئی صحابی سنت کا لفظ بولے تو مرفوع مراد ہوگی یا نہیں" کافی تفصیل سے لکھا ہے: یہ مسئلہ محل اختلاف تب ہوگا جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی صحابی ایسا کہے اور جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسا کہیں تو وہ یقیناً مرفوع ہے۔ (ابن حجر عسقلانی: النکت، ص ۱۲۶)

مزید ابن احجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جہاں تک امام شافعی رحمہ اللہ کا تعلق ہے آپ کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ایک قدیم اور ایک جدید، جدید قول کے مطابق ایسا نہیں کہ جب صحابی سنت بولے تو اس سے مراد سنت رسول ﷺ ہو، اس میں اتفاق نقل کرنا (صحابی سنت بولے تو مرفوع ہوگا) اس میں نظر (اختلاف) ہے۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: النکت علی مقدمہ ابن صلاح، عمادۃ البحث العلمی، مدینہ، ۱۹۸۴ء، ۵۲۱/۱)

امام سخاوی رحمہ اللہ اس مسئلہ کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا کہ نبی ﷺ کی سنت مراد ہے اس پر اجماع نہیں بلکہ مرفوع ہونا بھی ثابت نہیں یعنی یہ کام نبی ﷺ سے ہونا ثابت نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: اور ان میں سے جو اس کے خلاف گئے ہیں جو ہم نے بیان کیا شافعیہ میں سے ابو بکر العرفی صاحب دلائل

اور حنفیہ میں سے ابو الحسن کرخی اور صرف لفظ سنۃ میں امام شافعی ایک جدید قول کے مطابق جیسا کہ امام رافعی نے اس پر جرح کیا ہے، دونوں قول ان سے بیان کرنے کے ساتھ اور ایک پوری جماعت نے اس کو راجح کہا ہے بلکہ امام الحرمین نے تو البرہان میں ا س مذہب کو محققین سے نقل کیا ہے (لفظ السنۃ سے مرفوع مراد ہونا ثابت نہیں)۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: شرح نخبۃ الفکر، عمادۃ البحث العلمی، مدینہ، ۱۹۸۴ء، ۱/ ۱۱۶)

امام ماردین بھی یہی لکھتے ہیں کہ: روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہونے کی تصریح نہیں ہے۔ (سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، شمس الدین: فتح المغیث، مکتبۃ السنہ، مصر، ۲۰۰۳ء، ۱/ ۱۴۲)

شیخ زبیر کے اکابرین میں سے ابن حزم بھی ہیں چنانچہ ابن حزم روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں لکھتے ہیں: صحابی جب کہے کہ یہ سنت ہے یا ہمیں ایسا حکم دیا گیا ہے تو یہ مرفوع نہیں ہے (یعنی یہ حضور ﷺ کی سنت نہیں) اور نہ ہی یہ قطعی بات ہے کہ وہ نبی ﷺ کی طرف سے ہے اور کسی ایک سے بھی جو الفاظ ضروری نہیں ان کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ قول ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔ (ابن ترکمانی، علی بن عثمان، ماردینی: الجوہر النقی، ادارہ تالیف اشرفیہ، ملتان، س ن، ۴/ ۱۳۸)

شیخ زبیر کے اپنے ہی اکابرین ان کے ساتھ نہیں مزید شیخ ابن حزم لکھتے ہیں کہ: پوری امت میں کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ اللہ کے نبی ﷺ سے واقعہ نہیں ہوا تو یہ سنت رسول ﷺ کیسے ہو سکتی ہے۔

(ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام، ۲/ ۷۲)

اس حدیث میں "لتعلموا" کا لفظ قابل غور ہے اگر حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو فرض یا سنت ٹھہرایا ہوتا تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر صحابہ کرام علیہ الرضوان اور تابعین عظام کو تعجب نہ ہوتا اور نہ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عذر پیش کرنے کی ضرورت پڑتی کہ " لتعلموا انہا سنۃ" بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ان کے لئے بالکل نیا تھا اور یہ تعجب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین عظام نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا بطور قرأت کو فرض، واجب یا سنت نہیں جانتے تھے اور نہ ہی اسے پڑھتے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے اہم فرض سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی اتنی بڑی تعداد آشنا ہی نہیں، تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو صحابہ کرام علیہ الرضوان اسے کبھی بھی پڑھنا نہ چھوڑتے۔

شیخ زبیر کی دوسری دلیل:

شیخ زبیر نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے فرض ہونے پر دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ: «لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ» رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ (بخاری:۷۵۶)

جب فاتحہ کے بغیر نماز نہیں تو نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے لھٰذا اس میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

شیخ زبیر کی یہ دلیل کہ «لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ» (بخاری:۷۵۶) جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، اس حدیث پر صحابہ نے اور خود نبی ﷺ نے عمل نہ کرکے بتایا کہ یہ حدیث فرض عین نمازوں سے متعلق ہے، نہ کہ نماز جنازہ کے متعلق، جبکہ نماز جنازہ ایک دعا ہے۔

نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام:

شیخ زبیر علی زئی یہ موٴقف رکھتے ہیں کہ جیسے عام نمازوں میں دونوں طرف سلام پھیرنا مسنون ہے ایسے نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا نماز جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا ہی مسنون ہے، چنانچہ شیخ زبیر علی زئی اپنی کتاب فتاویٰ علمیہ میں رقمطراز ہیں: جنازے کے علاوہ عام نمازوں میں دونوں طرف سلام پھیرنا مسنون ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: فتاویٰ علمیہ، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۰ء، ۲/ ۹۴)

شیخ زبیر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا چاہیے دونوں طرف سلام پھیرنا مسنون نہیں یعنی بدعت ہے (نعوذ باللہ) لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: «خِلَالٌ كَانَ يَفْعَلُهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – تَرَكَهُنَّ النَّاسُ: إِحْدَاهُنَّ تَسْلِيمُ الْإِمَامِ فِي الْجَنَازَةِ مِثْلَ تَسْلِيمِهِ فِي الصَّلَاةِ» . حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کچھ کام ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کیا کرتے تھے، اور لوگوں نے انہیں ترک کر دیا ہے، ان میں سے ایک کام امام کا نماز جنازہ میں اس طرح سلام پھیرنا ہے، جس طرح وہ عام نمازوں میں سلام پھیرتا ہے۔ (ھیثمی: مجمع الزوائد: ۴۱۷۱)

إِبْرَاهِيمَ الْهَجَرِيِّ، قَالَ: أَمَّنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى عَلَى جِنَازَةِ ابْنَتِهِ فَكَبَّرَ أَرْبَعًا، فَمَكَثَ سَاعَةً حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُكَبِّرُ خَمْسًا، ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ , فَلَمَّا انْصَرَفَ، قُلْنَا لَهُ: مَا هَذَا؟ قَالَ: " إِنِّي لَا أَزِيدُكُمْ عَلَى مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ " , أَوْ " هَكَذَا صَنَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "(۴۴) ابراہیم ہجری کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا جنازہ پڑھایا اور اس پر چار تکبیریں کہیں، پھر تھوڑی دیر ٹھہر گئے یہاں تک

کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ پانچویں تکبیر کہیں گے۔ پھر دائیں بائیں طرف سلام پھیرا، سلام کے بعد ہم نے عرض کی، یہ کیاہے؟ فرمایا: میں نے جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کرتے ہوئے دیکھاہے وہی کیاہے۔(بیہقی: السنن الکبریٰ: ۶۹۸۸)

شیخ زبیر نمازجنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کو مسنون نہیں مانتے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا نمازجنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے پر عمل ہے۔ بلکہ وہ فرمارہے ہیں کہ نمازجنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا یہ سنت رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے۔

خلاصہ تحقیق:

- نمازجنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، البتہ دعاکے طورپر اس کو پڑھاجاسکتاہے، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اکثریت کامعمول یہ رہاہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جو دعائیں انہوں نے نمازجنازہ میں سنی ہیں ان کو پڑھاکرتے تھے۔ اور صحابہ کرام نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ نمازجنازہ میں کسی ایک دعاکاپڑھنا بھی لازمی نہیں، بلکہ اللہ کی حمد، نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود اور میت کی بخشش کے لئے جو مناسب لگے دعامانگنا اور نمازجنازہ کے آخر میں دونوں طرف سلام پھیرنا۔
- رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہمانے، تیس صحابہ نے نمازجنازہ میں کسی خاص چیز کو مقرر نہیں کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نمازجنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نمازجنازہ میں ابتداءاللہ کریم کی حمد اور پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود اور میت کے لئے دعاکرتے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازجنازہ کاطریقہ بتایاکہ : جب جنازہ رکھاجاتاہے تومیں پہلے تکبیر پڑھ کر اللہ کی حمد کرتاہوں، پھر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پڑھتاہوں اور پھر میت کے لئے دعاکرتاہوں۔
- ان تمام دلائل سے معلوم ہواکہ نمازجنازہ میں کوئی مخصوس دعایاقراءت فرض نہیں۔ بلکہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کریم کی حمد، دوسری تکبیر کے بعد نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے دعااور چوتھی تکبیر کے بعد سلام اور سلام کے بعدعاجو کہ مستحب ہے۔

فصل سوم

تابعین عظام کے نزدیک معمول بہا احادیث اور حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقدی جائزہ

قیامِ رمضان اور تابعین کے معمول

تابعین عظام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھتے تھے، چونکہ ان کا زمانہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ سے متصل رہا ہے، بلکہ تابعین کہتے ہی انہیں ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی زیارت کی ہو۔ لھٰذا تابعین کا معمول بتا رہا ہے کہ بیس تراویح ہی بہتر ہیں اور یہ صحابہ کا معمول رہا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اکثر اہل علم کا مذہب وہ ہے جو حضرت علی، حضرت عمر اور نبی ﷺ کے دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

(ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع الترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم: ۸۰۶)

لہٰذا تابعین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اسلئے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ ان کے اساتذہ تھے، کو بیس تراویح پڑھتے دیکھا۔ لیکن شیخ زبیر کو یہ عمل ہضم نہیں ہوا، لہٰذا شیخ نے مختلف حیلے بہانوں سے ان معتبر تابعین کے معمول کی مخالفت کی۔ مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: «أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّونَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ» حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو دیکھا کہ بشمول وتر تیئیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد: کتاب الا آثار فی الاحادیث والآثار، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ، رقم الحدیث: ۷۶۸۸)

علامہ محمد بن علی نیموی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے۔

(نیموی، محمد بن علی: آثار السنن مع التعلیق الحسن و تعلیق التعلیق، مکتبۃ العلم، کراچی، س ن، ص ۲۰۳)

شیخ زبیر اس معتبر سند کو جھٹلا تو نہ سکے لیکن ایک نیا بہانہ بنا کر اس پر جرح کی، شیخ زبیر لکھتے ہیں:

(۱) اس میں دعویٰ اور دلیل کے درمیان موافقت نہیں ہے کیونکہ اس اثر میں سنتِ مؤکدہ ہونے کی صراحت نہیں ہے۔

(۲) الناس کی صراحت نہیں ہے کہ ان سے کون لوگ سے مراد ہیں۔

(زئی، زبیر، حافظ: تعداد رکعات قیام رمضان، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۱۳ء، ص ۹۱)

شیخ نے اس کی سند کو ضعیف و موضوع من گھڑت نہیں کہا جو کہ ان کی عادت ہے، اسلئے کہ یہ سند حسن ہے، لیکن یہ بات کی کہ "دعوی اور دلیل میں موافقت نہیں ہے"۔ یعنی وہ بتاتے ہیں کہ یہ جو ہر رمضان میں بیس تراویح پڑھ رہے ہیں وہ سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھ رہے ہیں۔ تب میں مانتا۔ کمال ہے شیخ زبیر کا۔ کیا یہ کافی نہیں کہ جلیل القدر تابعی صحابہ اور تابعین کا معمول بتا رہا ہے اور کیا صحابہ کرام کے عمل کو نبی ﷺ نے سنت قرار نہیں دیا۔ (ترمذی:۲۶۸۵)

دوسرا اعتراض یہ کہ الناس کا لفظ ہے جس کا معنی لوگ ہیں اس کی صراحت نہیں کہ کون لوگ ہیں۔ شیخ صاحب حقیقت کو مسخ کرنے کیلئے کس انداز سے اعتراض کر رہے ہیں۔ یہ کس کو پتہ نہیں کہ تابعی کے زمانہ میں کون لوگ ہوتے ہیں۔ تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والا مسلمان یہ جانتا ہے کہ تابعی کے زمانہ میں صحابہ کرام اور تابعین ہوتے ہیں۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے ان صحابہ کا عمل اور تابعین کا معمول بتایا جو کہ ان کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ اور عطاء بن ابی رباح کے بارے میں تو شیخ کے بزرگوں نے لکھا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے جمہور صحابہ کی زیارت کی ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد لکھتے ہیں: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے جمہور (اکثر) صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا ہے۔ (ابن حزم، علی بن احمد: المحلی، دارالفکر، بیروت، س ن، ۸/ ۵۲)

مولانا مبارک پوری غیر مقلد نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسو اصحاب رسول ﷺ کی زیارت کی ہے۔ (مبارک پوری، عبدالرحمٰن: تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۲/ ۶۱)

سلف صالحین اور علمائے اہلِ سنت:

شیخ زبیر ایک سوال کے جواب میں بتاتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کون ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب توضیح الاحکام میں لکھتے ہیں:

سوال ہمارے اسلاف اور علمائے اہلِ سنت سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب اسلاف سے مراد اہلِ سنت کے متفقہ سلف صالحین ہیں مثلاً:

۱: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

۲: تمام ثقہ وصدوق تابعین عظام مثلاً سعید بن المسیب، عامر الشعبی، علی بن الحسین عرف زین العابدین، سعید بن جبیر، سالم بن عبد اللہ بن عمر، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، محمد بن سیرین، نافع مولا ابن عمر اور ابن شہاب الزہری وغیرہم۔ رحمہم اللہ اجمعین۔ (زئی، زبیر، حافظ: توضیح الاحکام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ۳/ ۷۸)

شیخ نے اس میں عطاء بن ابی رباح کو سلف مان لیا ہے تو شیخ کو چوں چراں تو نہیں کرنا چاہیے لیکن شاید تعصب سے ان کی جان نہیں چھوٹی وہ اپنے رسالہ "الحدیث" میں لکھتے ہیں:"امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۷ھ) فرماتے ہیں۔"علیک بآژارمن سلف وان رفضک الناس وایاک وآراء الرجال وان زخرفوالک بالقول"اسلاف (سلف صالحین) کے آثار کولازم پکڑو، اگرچہ لوگ تجھے چھوڑدیں، اورلوگوں کی (سلف صالحین کے خلاف) آراء (وقیاس زنی) سے بچو، اگرچہ وہ اپنی بات کو بڑی ملمع سازی اور مرچ مصالحہ لگا کر ہی کیوں نہ بیان کریں۔

(زئی، زبیر، حافظ: ماہنامہ الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، س ن، شمارہ ۱۵ ص ۹)

جب یہ بات مان لی کہ سلف صالحین کو پکڑو تو سلف صالحین کے عمل پر بے تکے سوال کرنا کون سی پیروی ہے، جب انہوں نے بتادیا کہ ہمارے زمانہ میں بیس تراویح کا معمول ہے تو اب یہ اعتراض کہ وہ سنت موکدہ سمجھ کر کرتے ہوں تو تب مانیں گے۔ جب آپ کو ان سلف صالحین کا معمول پتہ لگ گیا، تو کیا یہ کافی نہیں؟ یہ سب کو معلوم ہے کہ تراویح نہ فرض ہیں اور نہ ہی واجب تو پھر صحابہ کے شاگرد کیا کر رہے ہوں گے؟

جھوٹا پروپیگنڈا:

شیخ زبیر مقالات نمبر ۶ میں لکھتے ہیں کہ ہم پر بعض لوگ یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث سلف صالحین کو نہیں مانتے یہ سراسر جھوٹ ہے: اہلِ حدیث یعنی اصلی اہلِ سنت کے خلاف بعض لوگ یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث سلف صالحین کو نہیں مانتے، اکابر پر اعتماد نہیں کرتے اور اپنی مرضی وخواہشات پر عمل کرتے ہیں۔ وغیر ذالک من الاکاذیب والافتراءات یہ بالکل جھوٹا پروپیگنڈا ہے اور اس کے برعکس اہلِ حدیث کا یہ اصول ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کو حجت سمجھتے ہیں، اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں اور ہر بات میں سلف صالحین کا فہم ہمیشہ مدِ نظر رکھتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری کے ایک اہل حدیث عالم حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:"خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف صالحین کا خلاف جائز نہیں۔ (زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ۶/۱۱)

شیخ زبیر نے اپنے مسلک کے بہت بڑے عالم کی عبارت نقل کر کے بتادیا کہ:"خلاصہ یہ ہے کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں"، شیخ زبیر کس طرح کی ذہنیت کے مالک ہیں۔ ایک طرف معتبر تابعی کے قول کو مختلف حیلے بہانے سے رد کر رہے ہیں اور دوسری طرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کا خلاف جائز نہیں!

عطاء بن ابی رباح کے متعلق امام محمد بن احمد ذہبی لکھتے ہیں: "عطاء بن أبي رباح، سيد التابعين علما وعملا وإتقانا في زمانه بمكة. الإِمَامُ، شَيْخُ الإِسْلاَمِ، مُفْتِي الحَرَمِ، أَبُو مُحَمَّدٍ القُرَشِيُّ مَوْلاَهُم، المَكِّيُّ. حَدَّثَ عَنْ: عَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَأُمِّ هَانِئٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَحَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، وَرَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وَزَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ، وَصَفْوَانَ بنِ أُمَيَّةَ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَأَبِي سَعِيْدٍ، وَعِدَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ. سيرو عَنْ خَالِدِ بنِ أَبِي نَوْفٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: أَدْرَكْتُ مائَتَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ –صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– الثَّوْرِيُّ: عَنْ عُمَرَ بنِ سَعِيْدِ بنِ أَبِي حُسَيْنٍ، عَنْ أُمِّهِ: أَنَّهَا أَرْسَلَتْ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ تَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ، فَقَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ! تَجْتَمِعُوْنَ عَلَيَّ وَعِنْدَكُم عَطَاءٌ! عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ فِيْمَنْ لَقِيْتُ أَفْضَلَ مِنْ عَطَاءِ بنِ أَبِي رَبَاحٍ۔

(ذہبی، محمد بن احمد، امام: میزان الاعتدال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء، ۵/۸۹)

"عطاء رحمہ اللہ فقہ، علم، تقویٰ اور فضیلت کے لحاظ سے سب تابعین رحمہ اللہ کے سردار ہیں۔ اور یہ امام، شیخ الاسلام، مفتی حرم تھے۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو پایا ان میں سے یہ صحابہ و صحابیات ہیں جن سے انہوں نے حدیث لی: حضرت عَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَأُمِّ هَانِئٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَحَكِيْمِ بنِ حِزَامٍ، وَرَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وَزَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، وَزَيْدِ بنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ، وَصَفْوَانَ بنِ أُمَيَّةَ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَأَبِي سَعِيْدٍ اس کے علاوہ اور بہت سے صحابہ و صحابیات۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکہ میں کچھ سوالات کیے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے مکہ کے رہنے والو! تم میرے پاس سوال پوچھنے آتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس عطاء موجود ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عطاء بن ابی رباح سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا۔

امام جمال الدین مزی (م ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں: عطاء ابن ابی رباح، ابو رباح کا نام اسلم ہے، حبیبہ بنت میسرہ بن ابی خثیم کے مولا تھے، محمد بن سعد نے کہا وہ جند میں پیدا ہوا، اور مکہ میں پلا بڑھا۔ مکہ میں اس کا فتویٰ چلتا تھا، بعض اہل علم سے میں نے سنا: عطاء کالی آنکھ والے، بہرے اور لنگڑے، پھر اس کے بعد نابینا ہو گے، اور ثقہ فقیہ اور بہت سی احادیث کے عالم تھے۔ عاصم ثقفی کہتے ہیں: ابو جعفر (امام باقر) کے پاس لوگ مسائل پوچھنے آئے آپ نے فرمایا: تمہارے پاس عطاء ہے اور وہ مجھ سے بہتر ہے۔ حبیب بن جزء کہتے ہیں کہ ہمیں امام ابو جعفر نے کہا: جتنا ہو سکے عطاء سے حدیث لو۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ: مکہ میں عطاء کا فتویٰ سب سے سبقت لے گیا۔ یونس بن احمد ضبی کہتے ہیں کہ: عطاء ۲۷ھ کو پیدا ہوئے۔ ابو ملیح رقی کہتے ہیں کہ: ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔ (مزی، جمال الدین، یوسف بن عبد الرحمٰن، امام: تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۹ء، ۷/۱۴۲)

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن حبان نے "ثقات" میں ذکر کیا کہ عطاء بن ابی رباح جند میں ۲۷ھ کو پیدا ہوئے، وہ علم، فقہ، تقویٰ میں تابعین کے سردار تھے، بہت ہی اچھی نماز پڑھتے تھے، اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے میں خدا سے حیا کھاتا ہوں کہ میں زمین پر اپنی رائے سے بات کروں، قتادہ کہتے تھے: یہ چار مجھے ملیں تو میں کسی کی پرواہ نہیں کروں گا، حسن، سعید، ابراہیم اور عطاء، یہ شہروں کے امام ہیں۔ اسماعیل بن امیہ کہتے ہیں کہ عطاء خاموش طبع تھے، جب وہ بولتے لگتا کہ وہ حمایت کر رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جن سے میری ملاقات ہوئی ہے ان میں عطاء سے افضل کوئی نہیں دیکھا اور جابر جعفی سے جھوٹا کوئی نہیں دیکھا۔ دیباج کہتے ہیں: عطاء سے بڑا مفتی میں نے نہیں دیکھا۔ امام سلمہ بن کُہیل کہتے ہیں میں نے اللہ کی رضا کی خاطر صرف تین لوگوں کو علم حاصل کرتے دیکھا، عطاء، مجاہد اور طاؤس۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: تھذیب التھذیب فی رجال الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۳ء، ۴/۴۸۸)

اس جلیل القدر تابعی نے اپنی پوری زندگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کو صرف بیس رکعات تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین عظام رحمہم اللہ کا معمول تھا کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

عبادلہ اربعہ کے شاگرد کا معمول:

عبادلہ اربعہ یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردِ خاص حضرت عبد اللہ بن عبید اللہ بن ملیکہ رحمہ اللہ تابعی رحمہ اللہ کو رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھاتے تھے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے حضرت نافع رضی اللہ عنہ تابعی فقیہ فرماتے ہیں: عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: "كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَيَقْرَأُ: بِحَمْدِ الْمَلَائِكَةِ فِي رَكْعَةٍ "حضرت نافع بن عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ ہم کو رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: کتاب الا آثار فی الاحادیث والآثار: ۷۶۸۳)

علامہ نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔ (نیموی: آثار السنن، ص ۲۰۴)

شیخ زبیر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اثر بھی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ ابن ابی ملیکہ بیس رکعات سنتِ مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے تھے۔ (زئی، زبیر، حافظ: قیام تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۹۲)

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ جلیل القدر صحابہ کرام کے شاگرد ِخاص اپنے ہم عصر تابعین کو بیس تراویح پڑھا رہے ہیں اور وہ جلیل القدر تابعین ان پر اعتراض نہیں کر رہے بلکہ اس بات کو آگے پہنچا رہے ہیں تو یہ ہی دلیل کافی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے طریقے پر چل رہے ہیں اور صحابہ کرام نبی ﷺ کے طریقے کو دیکھ کر چلتے تھے اسے ہی سنت کہا جاتا ہے۔ شیخ زبیر خود اس بات کو لکھتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین عظام کی پیروی صراط مستقیم ہے: امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: "کانوا یرون انہ علی الطریق ماکان علی الاثر۔" اگلے علماء (یعنی صحابہ کرام اور کبار تابعین عظام) یہ سمجھتے تھے کہ جو شخص متبع آثار ہو (قرآن و سنت اور متفقہ آثار سلف صالحین پر قائم ہو) وہ شخص صراط مستقیم پر گامزن ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: الحدیث، شمارہ: ۱۵، ص ۴۸)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ جلیل القدر تابعی اور عبادلہ اربعہ کا شاگرد حضرت عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ رمضان المبارک میں امامت کرواتے ہوئے بیس رکعات تراویح پڑھا رہے ہیں، تو اس صراط مستقیم کی مخالفت شیخ زبیر کیوں کر رہے ہیں؟ عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: عبد الله" بن عبيد الله بن أبي مليكة زهير بن عبد الله بن جدعان بن عمرو بن كعب بن سعد بن تيم بن مرة أبو بكر ويقال أبو محمد التيمي المكي كان قاضيا لابن الزبير ومؤذنا لعَائِشَةَ أُمِّ المُؤْمِنِيْنَ، وَأُخْتِهَا؛ أَسْمَاءَ، وَأَبِي مَحْذُوْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو السَّهْمِيِّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ، وَعُقْبَةَ بنِ الحَارِثِ، وَالمِسْوَرِ بنِ مَخْرَمَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ جَعْفَرٍ، وَعَنْ عُثْمَانَ بنِ عَفَّانَقال أبو زرعة وأبو حاتم ثقة وقال البخاري وغير واحد مات سنة سبع عشرة ومائة قلت في البخاري قال ابن أبي مليكة أدركت ثلاثين من الصحابة وقال ابن سعد ولاه بن الزبير قضاء الطائف وكان ثقة كثير الحديثوقال ابن حبان في الثقات رأى ثمانين من الصحابة مات سنة ١٧ ۔(ابن حجر عسقلانی: تھذیب التھذیب، ۳/۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ زھیر بن عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ ابو بکر اور آپ کو ابو محمد تیمی مکی کہا جاتا تھا، آپ رحمہ اللہ بڑے تابعین میں سے ہیں۔ آپ کو ابن زبیر نے قاضی اور مؤذن بنایا۔ یہ عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں: انہوں نے ۱۱۷ھ میں وفات پائی اور تیس صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پایا، ابن حبان نے ''ثقات'' میں لکھاہے کہ انہوں نے اسی (۸۰) صحابہ کو پایا، ابن سعد کہتے ہیں کہ ابن زبیر نے انہیں طائف کا قاضی بنایا، اور یہ ثقہ، کثیر الحدیث تھے، امام ابن حبان ''کتاب الثقات'' میں فرماتے ہیں: انہوں نے اسی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے، اور یہ خود حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ، عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ وغیرہ جلیل القدر تابعین کے استاد ہیں۔

نیز یہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مکہ کے قاضی اور بیت اللہ کے مؤذن تھے اور حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بیت اللہ کے امام مقرر ہوئے۔ تمام ائمہ رجال نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ اور ۱۱۷ھ تک تمام لوگوان کی اقتداء میں بیس تراویح ہی پڑھتے رہے۔

ابن العماد حنبلی فرماتے ہیں: عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ قرشی تیمی، مدنی کو ابن زبیر نے قاضی بنایا مکہ اور طائف کا۔ آپ رحمہ اللہ حرم کے امام و مؤذن اور شیخ تھے۔

(ابن العماد، عبد الرحمٰن بن احمد: شذرات الذھب فی اخبار من ذھب دار ابن کثیر، بیروت، ۲۰۱۶ء، ۲/۸۰)

عبادلہ اربعہ کے شاگر، مکہ کے امام، قاضی ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کا معمول یہ کہ وہ جب رمضان میں امامت کرواتے ہیں تو بیس تراویح پڑھاتے ہیں اور اس بات کی گواہی ان کے زمانہ کہ معتبر ترین تابعین عظام دے رہے ہیں، ان معتبر حوالوں کی موجودگی میں یہ اعتراض کہ وہ سنت موکدہ سمجھ کر کر رہے تھے یا فرض یا نفل ایک بے معنی بے وقعت اعتراض لگتاہے جو کہ اہل علم کیلئے عیب کی علامت ہے۔

خلفائے راشدین کے شاگرد کا معمول:

حضرت سوید بن غفلہ جو کہ خلفائے راشدین (حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) کے شاگرد ہیں، اور جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا، پس صحابی کا درجہ پانے کے قریب تھے، کہ تھوڑی دیر کر دی، جن کو اللہ نے ایک سو تیس سال کی عمر عطا فرمائی وہ عظیم تابعی جب رمضان میں نماز تراویح پڑھاتے تھے تو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

أَبُو الْخَصِيبِ قَالَ: "كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً" وَرُوِّينَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً، وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ" وَفِي ذَلِكَ قُوَّةٌ لِمَا۔ حضرت ابو الخصیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ ہمیں رمضان المبارک میں بیس

تراویح پڑھاتے تھے۔ اور شتیر بن شکل سے بھی روایت ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، بے شک وہ بھی رمضان میں بیس تراویح پڑھاتے تھے اور تین وتر، اوراس میں قوت ہے۔

(بیہقی، احمد بن حسین: السنن الکبریٰ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳ء رق، الحدیث: ۴۲۹۰)

علامہ نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند حسن ہے۔ (نیموی: آثارالسنن، ص ۲۰۳)

سوید بن غفلہ تابعی رحمہ اللہ جو کہ خلفائے راشدین (حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی صحبت یافتہ ہیں جب وہ امامت کرواتے تو بیس رکعات تراویح پڑھاتے۔ اس پر شیخ کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

سوید بن غفلہ (تابعی) رحمہ اللہ کے اس اثر میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ بیس رکعات سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے تھے۔ اوراس سے کم وزیادہ کے قائل وفاعل نہیں تھے۔ لہٰذا یہ اثر دلیل نہیں۔ (زئی: تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۸۷)

شیخ زبیر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان سے بیس رکعات تراویح پڑھنا تو ثابت ہیں لیکن یہ انہوں نے نہیں بتایا کہ میں بیس رکعات سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھ رہا ہوں۔ دیکھیں کس طرح شیخ زبیر دلیل کا انکار کرنے کیلئے بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ جلیل القدر تابعی کا عمل آپ تک پہنچ گیا اور وہ بھی معتبر دلیل کے ساتھ پھر آپ اس میں سے کیڑے نکال رہے ہیں کہ وہ سنت سمجھ کر پڑھ رہے ہیں یا کہ نہیں۔ یہ دلیل کو جھٹلانے کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کے بارے محدثین کی آراء:

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ یہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی مسلمان ہوگئے تھے لیکن شرف ملاقات سے محروم رہے۔ جب یہ آپ ﷺ سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کی وفات ہوچکی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو لحد میں اتار چکے تھے۔ اس طرح یہ شرفِ صحابیت سے محروم رہ گئے۔ بعض محدثین نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ یرموک کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً ابی بن کعب، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم سے استفادہ کیا اوران سے روایتِ حدیث کی۔ تمام مشہور ائمہ رجال نے ان کی توثیق وتعریف کی ہے۔ ان کی وفات ۸۱ھ میں کوفہ کے شہر میں ہوئی۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: تھذیب التھذیب، مطبہ دائرہ معارف، ہند، ۱۳۲۶ھ، ۴/۲۷۸)

امام ذہبی لکھتے ہیں: ''سوید بن غفلہ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ایمان کی نعمت سے مالامال ہوئے لیکن آپ ﷺ کی صحبت سے مشرف نہ ہوسکے۔ اللہ کریم نے آپ کو ایک سو تیس (۱۳۰) سال کی زندگی عطا فرمائی، آپ جنگ یرموک میں بھی شریک ہوئے۔ ولید بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ انہیں ایک سو بیس سال کی عمر میں تراویح پڑھاتے تھے۔ ہارون بن حاتم کہتے ہیں کہ آپ نے اکیاسی ہجری میں وفات پائی۔

(ذہبی، محمد بن احمد، شمس الدین: سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۵ء، ۴/۷۰)

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کے بارے میں ابن عساکر لکھتے ہیں: سويد بن غفلة بن عوسجة بن عامر أبو أمية الجعفيأدرك الجاهلية والإسلام، وقيل إنه صلّى مع النبي صلى الله عليه وسلم، وشهد فتح اليرموك، وخطبة عمر بالجابية، وسكن الكوفة.وروى عن عمر، وعلي، وبلال، وأبي الدرداء، وأبي ذر.روى عنه الشعبي، وأبو ليلسلمة بن معاوية، ويقال: معاوية بن سلمة الكندي، أبو عبد الله الحافظ قال: قرأت بخط مسلم بن الحجاج: ذكر من أدرك الجاهلية ولم يلق النبي صلى الله عليه وسلم، ولكنه صحب الصحابة بعد النبي صلى الله عليه وسلم، منهم سويد بن غفلة الكندي، يكنى أبا أمية. عن الحارث ابن مسلم ابن عمّ زهير قال: قدم الرّحيل وسويد بن غفلة على النبي صلى الله عليه وسلم حين سوّي عليه التراب. عن الوليد بن علي، عن أبيه قال: كان سويد بن غفلة يؤمنا في شهر رمضان في القيام وقد أتى عليه عشرون ومائة سنة. عن عاصم بن كليب قال: كان سويد بن غفلة يمر بنا ماشيا إلى الجمعة، وهو ابن عشرين ومائة سنة، وتزوج جارية بكرا، وهو ابن ست عشرة سنة ومائة. حدثني أبي أحمد قال : سويد بن غفلة الجعفي، كوفي، تابعي، ثقة. وكان جاهليا، يكنى أبا أمية. خيثمة قال: أوصى سويد بن غفلة قال: إذا متّ فلا تؤذنوا بي أحدا ولا تقربوا قبري جصّا ولا آجرا ولا عودا، ولا تصحبني امرأة، ولا تكفنوني إلا في ثوبي. أبو نعيم قال: سويد بن غفلة بن عوسجة أبو أمية مات سنة ثمانين.''

ترجمہ: سوید بن غفلہ ثقہ تابعی رحمہ اللہ جن کی کنیت ابو امیہ تھی۔ آپ نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا اور اسلام کا زمانہ بھی پایا، سوید بن غفلہ نبی ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے، جب یہ نبی ﷺ سے ملنے مدینہ آئے تو اس وقت نبی ﷺ کا انتقال ہوچکا تھا اور صحابہ کرام آپ ﷺ کو دفنانے میں مصروف تھے۔ آپ جنگ یرموک میں شامل ہوئے، آپ نے حضرت عمر، علی، بلال، ابو الدرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے روایات لیں، آپ کے شاگردوں میں شعبی، ابو لیلی، سلمہ بن معاویہ، جن کو معاویہ بن سلمہ کندی کہتے تھے، عمران بن مسلم، نفاعہ بن مسلم، عبد العزیز بن رفیع، عبدہ بن ابی لبابہ، خثیمہ بن عبد الرحمٰن، طلحہ بن مصرف، ابو قیس عبد الرحمٰن بن ثروان، اسامہ بن ابی عطاء، عمران بن مسلم جعفی شامل ہیں۔ آپ اتنے مضبوط جسم کے مالک تھے کہ ایک سو بیس سال کی عمر میں لوگوں کو تراویح پڑھایا کرتے تھے، عاصم بن کلیب کہتے ہیں کہ: سوید بن غفلہ ایک سو بیس

سال کی عمر میں چل کر نماز جمعہ کو جاتے، اورآپ نے ایک سوسولہ سال کی عمر میں ایک نوجوان لڑکی سے شادی کی، آپ بڑے زاہد و متقی تھے، خیثمہ کہتے ہیں کہ آپ نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا اور نہ ہی میری قبر کو پکا کرنا اور نہ اس پر عود جلانا اور نہ ہی کوئی عورت میری قبر پر آئے، اور مجھے میرے کپڑوں میں ہی کفن دینا، ابو نعیم کہتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ اسی ہجری میں وفات پا گئے۔"

اور لوگ ۸۱ھ تک حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے۔

(ابن عساکر، ابو القاسم، علی بن حسن: تاریخ دمشق، دار الفکر للطباعہ والنشر للتوزیع، ۱۹۹۵ء، ۲/۷۲ ۳۵۸ـ۳۷۸)

شیخ زبیر کس طرح تابعین کے معمولات کے خلاف اپنی ضد وانا میں ڈوب کر اعتراضات کر رہے ہیں، تابعین کے معمولات سے واضح طور پر یہ بات سامنے آرہی ہے کہ وہ بیس رکعات تراویح کے پڑھنے پر عمل پیرا تھے جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے صحابہ کرام کا معمول تھا۔ اب یہ اعتراض کرنا کہ وہ کیا سمجھ کر کرتے تھے، اس بات کی وضاحت تو شیخ صاحب بھی نہیں کرسکتے۔ چونکہ صحابہ کے شاگرد صحابہ کے عمل کو سنت سمجھ کر ہی کر رہے ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت اور ان کے طریقہ کو اختیار کرنا لازم ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بہت بلیغ نصیحت کی جس سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل خوف زدہ ہوگئے، پس ایک شخص نے کہا: یہ تو رخصت ہونے والے شخص کی نصیحت معلوم ہوتی ہے تو یا رسول اللہ! آپ ہم سے کون سا عہد لیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور خواہ تم پر حبشی غلام کو امیر بنا دیا جائے تم اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا، سو تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا اور تم (بری) بدعات سے اجتناب کرنا کیونکہ یہ گمراہی ہے، پس تم میں سے جو شخص بدعات کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرے اور اس سنت کو اپنی داڑھوں کے ساتھ پکڑ لے۔ (ترمذی: ۲۶۸۵)

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما خلفاء راشدین میں سے ہیں اور بیس رکعات تراویح پڑھنا ان کی سنت ہے اور نبی ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کو لازم قرار دیا ہے، لہٰذا تراویح کا بیس رکعات ہونا لازم ہے، نیز جمہور صحابہ، فقہاء تابعین، ائمہ مجتہدین اور مسلمانوں میں سلف اور خلف کا طریقہ بیس رکعات تراویح پڑھنا ہے۔ اور اس سے کم، یعنی آٹھ رکعات پڑھنے کو لازم قرار دینا، ان سب کی مخالفت ہے اور قرآن مجید میں ہے:

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔(النساء ۴:۱۱۵)

اس وعید سے ڈرنا چاہیے اور بیس رکعت تراویح کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اور اس کو بدعت کہنے سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ بیس رکعت تراویح خلفاء راشدین کی سنت ہے اور نبی ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کو لازم قرار دیا ہے اور شیخ زبیر کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں نے اس کو بمنزلہ اجماع قرار دیا ہے، لٰہذا غیر مقلدین حضرات کو مسلمانوں کے اجماعی طریقہ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرِ خاص کا معمول:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرِ خاص اور حضرت عبد اللہ بن عمر، سلمان فارسی، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کے شاگرد حضرت علی بن ربیعہ جلیل القدر تابعی رحمہ اللہ لوگوں (تابعین عظام رحمہم اللہ) کو رمضان میں بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ، «أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ، وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ»(حضرت سعید بن عبید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ تابعی رحمہ اللہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔(ابن ابی شیبہ: کتاب الآثار فی الاحادیث والآثار: ۷۶۹۰)

علامہ نیموری رحمہ اللہ اس اثر کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔(نیموی: آثار السنن، ص ۲۰۴)

حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ:

حضرت علی بن ربیعہ الاسدی رحمہ اللہ، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیے اور ان سے تربیت حاصل کی۔

امام ابن حبان، امام ابن سعد، امام عجلی، امام ابن نمیر، امام نسائی اور امام ابن معین رحمہم اللہ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ کوفہ کے بڑے اور قدیم مشائخ میں سے تھے۔(ذھبی، محمد بن احمد: سیر اعلام النبلاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء، ۴/۵۹۵)

امام بخاری رحمہ اللہ علی بن ربیعہ کے بارے میں لکھتے ہیں: عَلِيّ بْن ربيعة الوالبي الأسدي الكوفِي أَبُو المغيرة، سَمِعَ عليا وابْن عمر ۳ وأسماء بن الحكم رضى الله عنهم، روى عنه سعيد ابن عُبَيْد وسلمة بْن كهيل علی بن ربیعہ اسدی کوفی ابو مغیرہ، نے حضرت علی، ابن عمر، اسماء بن حکم رضی اللہ عنہم سے احادیث نبوی کا سماعت کیا اور آپ شاگردوں میں سعید بن عبید اور سلمہ بن کُہیل شامل ہیں۔ (بخاری، محمد بن اسماعیل: تاریخ کبیر، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد–الدکن، س ن، ۶/ ۲۷۴)

امام مزی لکھتے ہیں: علي بن ربيعة بن نضلة الوالبي الأسدي، ويُقال: البجلي، أبو المغيرة الكوفي. رَوَى عَن: أسماء بن الحكم الفزاري ، وأسماء بن خارجة بن حصن بن حذيفة بن بدر الفزاري، وسلمان الفارسي، وسُلَيْمان بن سَمُرَة بن جندب، وأبيه سَمُرَة بن جندب، وعَبْد اللَّهِ بْن عُمَر بْن الخطاب، وعلي بْن أَبِي طالب، وكعب بن قطبة، والمغيرة بن شعبة. قال إسحاق بن مَنْصُورعَنْ يحيى بْن مَعِين: ثقة. وكذلك قال النَّسَائي. وَقَال أبو حاتم : صالح الحديث. وَقَال أيضا : علي بن ربيعة هذا هو البجلي الذي روى عنه العلاء بن صالح، هما واحد روى له الجماعة۔

ترجمہ: علی بن ربیعہ بن نضلہ اسدی اور ان کو بجلی بھی کہا جاتا ہے، ابو المغیرہ کوفی۔ آپ نے اسماء بن الحکم فزاری، اسماء بن خارجہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری، سلمان فارسی، سلیمان بن سمرہ، سمرہ بن جندب، عبد اللہ بن عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، کعب بن قطبہ اور مغیرہ بن شعبہ سے حدیثِ رسول کو سماعت کیا۔

(مزی، یوسف بن عبد الرحمٰن بن یوسف؛ تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت، ۱۴۰۰ھ، ۲۰/ ۴۳۳)

اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ یحی بن معین آپ کو ثقہ کہتے تھے، اسی طرح امام نسائی بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے، ابو حاتم آپ کو صالح الحدیث کہتے، اسی طرح آپ سے ایک جماعت نے حدیث کا سماع کیا امام بخاری و مسلم اور امام ترمذی نے اپنی کتابوں میں آپ سے روایت نقل کی ہیں۔ امام ترمذی سعید بن عبید سے روایت کو حسن صحیح کہتے ہیں۔

شیخ زبیر اس جلیل القدر تابعی کے عمل پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس روایت میں صراحت نہیں ہے کہ علی بن ربیعہ یہ بیس رکعات سنت موکدہ سمجھ کر پڑھنے کے قائل و فاعل تھے۔ لھٰذا دلیل اور دعویٰ میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

(زئی: تعداد رکعات قیام رمضان، ص۸۸)

شیخ زبیر تابعین کو اسلاف میں شمار کر رہے ہیں۔ پھر ان اکابر تابعین کے عمل کو حیلے بہانے بنا کر کیوں جھٹلا رہے ہیں جبکہ ان کا دعوی ہے کہ ہم اسلاف کے طریقہ پر ہیں۔ اس کے برعکس جب اپنے مطلب کی کوئی بات ہو تو تابعین بلکہ تبع تابعین کی بھی بات مان لیتے ہیں۔ اور اس عمل کو جائز کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ پانی پینے کے بعد کسی مخصوص دعا کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نبی ﷺ سے یا کسی صحابی سے موجود نہیں ہے لیکن صرف حسن بصری رحمہ اللہ علیہ جو کہ ایک مشہور تابعی تھے، سے ثابت ہے

کہ وہ پانی پینے کے بعد ایک مخصوص دعا "الحمدللہ الذی سقاناہ عذبا فراتاً برحمتہ ولم یجعلہ ملحاً اجاجاً بذنوبنا" پڑھتے تھے۔ خیر القرون کے امام حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کے صحیح اثر سے ثابت اس عمل کا اعتبار کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی نے پانی پینے کے بعد مذکورہ مخصوص دعا کو جائز و صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنے قلم سے لکھتے ہیں:"پانی پینے کے بعد یہ مذکورہ دعا پڑھنا امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔ لھٰذا پانی پینے کے بعد آثارِ سلف صالحین کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھنا جائز ہے۔(زئی، زبیر، حافظ: ماہنامہ: الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۸ء، ۵۵/ ۱۲)

شیخ زبیر کے نزدیک کسی بھی تابعی سے کوئی بات صحیح ثابت ہو تو اس کو کرنا جائز ہے۔ لیکن شیخ زبیر مشہور تابعی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد علی بن ربیعہ کے عمل کو کیوں رد کر رہے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ روایات صحیح ہیں۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے، وہ ہے ضد اور انا اور مسلک پرستی۔

خلاصہ تحقیق:

- جلیل القدر تابعین عظام رحمہم اللہ کا یہ معمول رہا ہے کہ جب وہ رمضان میں تراویح پڑھاتے تو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے جس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان تابعین نے اپنے اساتذہ یعنی خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے امامت کے فرائض سر انجام دیے۔
- عبادلہ اربعہ کے شاگرد عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ جو کہ مکہ اور طائف کے قاضی رہے اور مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے امام رہے، وہ پوری زندگی بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔
- عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ جو کہ جلیل القدر تابعی، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں انہوں نے اپنے زمانہ میں صحابہ و تابعین کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا۔
- خلفائے راشدین کے شاگرد خاص حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ، جنہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ایمان کی نعمت سے مالا مال ہوئے لیکن آپ ﷺ کی صحبت سے مشرف نہ ہو سکے۔ اللہ کریم نے آپ کو ایک سو تیس (۱۳۰) سال کی زندگی عطا فرمائی، آپ جنگ یرموک میں بھی شریک ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ ایک سو بیس سال کی عمر میں بھی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

- حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سلمان فارسی کے شاگرد حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔



فصل چہارم

تبع تابعین کی معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

قراءت خلف الامام پر مفسرین کی آراء:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے قرآنِ مجید کو نازل فرمایا۔ ہر نماز میں صراط مستقیم کیلئے دعا کی جاتی ہے، مسلمان اکیلا نماز پڑھے تو خود اللہ سے دعا کرتا ہے: "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ(فاتحہ ۱:۶) ہمیں سیدھے راستے پر چلا، اور اگر نماز باجماعت ہو تو امام کہتا ہے: " اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ "(فاتحہ ۱:۶) ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اور خدا کے فرشتے اور مقتدی آمین کہہ کر دعا میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جب مسلمان غور سے قرآن سنتا ہے اور وہ خاموش رہتا ہے تو اس پر اللہ کریم کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے: "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔(اعراف ۷:۲۰۴) اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو تم غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان جب قرآن غور سے سنے اور خاموش رہے تو اس پر رحم ہوتا ہے، چونکہ جب ہم نماز میں امام کے پیچھے ہوتے ہیں اور قرآن غور سے سنتے ہیں تو لامحالہ اس فضیلت کے ہم حقدار ہوتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے، اور وہ امام کے پیچھے بھی اپنی قراءت جاری رکھتے ہیں تو وہ اللہ کریم کے اس حکم کو پسِ پشت ڈال رہے ہوتے ہیں، جبکہ حکم ہے کہ غور سے سنو، اور جب کوئی امام کے پیچھے قراءت کر رہا ہوتا ہے تو وہ لا محالہ غور سے سنتا ہی نہیں، جب کوئی اپنی قراءت کرے گا تو امام کی قراءت کو کیسے غور سے سنے گا، اور دوسرا حکم ہے کہ خاموش رہو۔ تا کہ رحم کیا جائے۔ جب کوئی امام کی قراءت پر خاموش نہیں رہے گا تو اس پر رحم کیسے کیا جائے گا، جب کہ حکم ہے کہ "خاموش رہو" جب قرآن پڑھا جائے۔ لیکن جو شخص امام کے پیچھے بھی اپنی قراءت جاری رکھے گا، چاہے سورہ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو، وہ خاموش نہیں بلکہ اپنی تلاوت میں مگن ہے، جو کہ قرآن کے حکم کے مخالف ہے۔ تو مسلمان اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے قرآن کو غور سے سنتا اور خاموش رہتا ہے۔

شیخ زبیر علی زئی اس آیت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حالانکہ درج بالا آیت میں نہ امام کا ذکر ہے اور نہ مقتدی کا، اسی طرح اس میں سورہ فاتحہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔(زئی، زبیر، حافظ: الکواکب الدریہ، نعمان پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء، ص۹)

شیخ زبیر اس آیت سے کسی مسئلہ کی دلیل ماننے سے انکاری ہیں جبکہ امت کے بڑے بڑے مفسرین اس آیت سے امام، نماز، خطبہ کی تفسیر کر رہے ہیں۔ قرآنِ پاک کے بہت بڑے مفسر امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) جن کو خود شیخ زبیر امت کا بہت بڑا امام اور مفسر مانتے ہیں وہ تفسیر کر رہے ہیں: علمائے تفسیر اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ وہ کون سی حالت ہے جس میں قرآن پڑھنے والے کی قرأت کی جانب کان لگانے او چپ رہنے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ بعض ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ یہ اس نمازی کا حکم ہے جو امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے اور امام کی قراءت سن رہا ہے۔ اس حال میں اس پر استماع و انصات یعنی قراءت کی جانب متوجہ رہنا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول یہی ہے۔ (ابن جریر طبری، محمد بن جریر: جامع البیان المعروف بہ تفسیر ابن جریر،، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۶/۲۱۶)

اس کے بعد تفصیل کے ساتھ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ تفسیر و حدیث میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت امام زہری رضی اللہ عنہ ، عبید بن عمر رحمہ اللہ، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، عامر شعبی، سدی، عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کے آثار و اقوال سند کے ساتھ نقل کئے ہیں جو مذکورہ بالا تفسیر و تاویل کے قائل ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں خاموش رہنے کا جو حکم ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب خطبہ میں قرآن پڑھا جائے، تو خاموش رہو (گویا اس آیت کا تعلق نماز میں امام کی قراءت سے نہیں بلکہ خطبہ میں خطیب کے قرآن پڑھنے سے ہے) (ابن جریر طبری: جامع البیان، ۶/۲۱۹)

اس قول کے قائلین میں سے صرف امام مجاہد بن جبیر کا نام ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد تیسری تفسیر کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ”دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں نماز اور خطبہ دونوں میں انصات اور خاموش رہنا مراد ہے۔“
(ابن جریر طبری: جامع البیان، ۶/۲۱۹)

اس قول کے تحت امام مجاہد، عطاء، حسن بصری اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے منقول آثار سند کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ آیت مذکورہ کی تفسیر سے متعلق ان تینوں اقوال کو ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

ان تینوں اقوال میں سب سے اچھا اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے اور خطبہ بھی۔ ہم نے اس قول کو سب سے صحیح اس وجہ سے کہا ہے کہ جناب رسول ﷺ کی صحیح حدیث ہے: واذا قرء فانصتوا۔ ”جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو“ اور سارے علماء کا اتفاق ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے، ان پر بوقت خطبہ استماع و انصات لازم

ہے (خاموش رہنااور توجہ سے سننا) اس اجماع کے ہوتے ہوئے اس بارے میں نبی ﷺ کی بکثرت حدیثیں بھی ہیں۔ بس ان دوحالتوں کے علاوہ کسی بھی قراءت قرآن کے سننے والے پر استماع وانصات یعنی اس قراءت کی جانب ہمہ تن گوش متوجہ ہونااور چپ رہناواجب نہیں۔ اگر چہ امام کے پیچھے مقتدی کے استماع وانصات کے بارے میں اختلاف ہے لیکن جناب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث جس کو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، ثابت ہے کہ مقتدی پر جو امام کی قراءت کو سننے والا ہے، خاموش رہناواجب ہے، کیونکہ قرآنِ حکیم کے ظاہری وعمومی الفاظ اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے یہی ثابت ہے۔ (ابن جریر طبری: جامع البیان، ۶/۲۲۰)

قراءت خلف الامام کے مسئلہ پر حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم مومنوں کیلئے بصیرت، ہدایت اور رحمت کا موجب ہے تو اس کے بعد قرآن کریم کا احترام اور تعظیم کا عملی ثبوت پیش کرنے کا یہ طریقہ بتلایا اور حکم دیا کہ قرآن کی قراءت کے وقت تم خاموش رہو نہ جیسے کہ مشرکین قرآن سنتے وقت شور مچایا کرتے تھے۔۔۔ لیکن احادیث سے مؤکد طور پر خاموش رہنے کا حکم صرف امام کے پیچھے فرضی نمازوں میں اقتداء کرنے والوں کیلئے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے: انما جعل الاما لیوتم بہ، فاذا کبر فکبروا، واذا قرأ فانصتوا"۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام اسلیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو"۔ اسی طرح اصحاب سنن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی سند کے ساتھ پیش کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔"

(ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء: تفسیر ابن کثیر، دارالسلام، ریاض، س ن، ۲/۳۱۱)

شیخ زبیر اپنے مقالہ میں اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں: اگر تخصیص کی واضح دلیل نہ ہو تو جب قرآن پڑھا جائے، اُس وقت قرآن پڑھنا جائز ہے جیسا کہ اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے کہا: "میرے نزدیک إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو۔

تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قراءت فی الصلوٰۃ مراد نہیں۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔ (زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء، ۳/۱۱۰)

شیخ زبیر نے ان جلیل القدر مفسرین کی تفاسیر کو مدِ نظر نہیں رکھا بلکہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر پر اعتماد کیا، کیا شیخ زبیر کا تھانوی صاحب پر اعتماد کرنا قرآن کو سمجھنے کیلئے ہے؟ ہرگز نہیں۔ شیخ زبیر تو ان کو بدعتی اور گمراہ سمجھتے ہوئے ان کا نام بھی

بگاڑ کر لکھتے ہیں جیسا کہ لکھا "اشر فعلی تھانوی" اشرف علی تھانوی نام کو جان بوجھ کر "اشر فعلی تھانوی" لکھا یہ کاتب کی غلطی نہیں بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا جو کہ ان کی کتب سے واضح ہے۔

توجن کو شیخ گمراہ اور بدعتی سمجھیں پھر ان کی تفسیر پر کیسے اعتماد کر رہے ہیں؟ یہ صرف ایک چال ہے شیخ کی حالانکہ شیخ جن کو اہل سنت کا بڑا امام سمجھتے ہیں یعنی ابن جریر طبری اور ان کو رحمہ اللہ بھی لکھا ان کی تفسیر پر اعتماد نہیں کیا۔ شیخ زبیر امام ابو جعفر طبری کے بارے میں لکھتے ہیں: محمد بن جریر بن یزید، ابو جعفر الطبری: یہ اھل سنت کے بڑے اماموں میں سے تھے۔" (زئی: مقالات، ۲/۴۲۳)

ابن جریر الطبری رحمہ اللہ کے ساتھ حنابلہ کا قصہ۔ (زئی: الحدیث: ۴۳)

اہل سنت کے بڑے امام کو رحمہ اللہ لکھا اور بڑا امام تسلیم کیا لیکن ان کی تفسیر پر اعتماد نہ کیا بلکہ اس پر اعتماد کیا جن کو رحمہ اللہ نہیں سمجھتے اور جن کا نام بگاڑ کر لکھتے ہیں۔ یہ ایسا شیخ زبیر نے صرف حقیقیت سے منہ چرانے کیلئے کیا۔

قراءت خلف الامام اور تبع تابعین کا معمول

تبع تابعی محدث سفیان بن عیینہ کا موٗقف:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا»، قَالَ سُفْيَانُ: لِمَنْ يُصَلِّي وَحْدَهُ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ اور کوئی سورت نہیں پڑھی۔ سفیان کہتے ہیں کہ یہ اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھے۔

(ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی: سنن ابی داؤد، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۸۲۲)

امام سفیان بن عیینہ تبع تابعی محدث ہیں جن کا موٗقف یہ ہے کہ یہ حدیث کہ "جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں" یہ حکم منفرد کے لیے ہے، یعنی یہ حکم مقتدی کو نہیں کیونکہ مقتدی تو امام کا قرآن سنے گا۔

امام سفیان بن عیینہ کے قول پر اعتراض کرتے ہوئے شیخ زبیر لکھتے ہیں: یہ قول سفیان بن عیینہ سے ثابت نہیں ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ۱۹۸ ہجری میں فوت ہوئے، جبکہ امام ابو داود، ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ قول منقطع ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔ (زئی: نصر الباری، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص۴۹)

شیخ زبیر کے کہنے کا مطلب ہے کہ امام ابوداؤد نے یہ قول امام سفیان بن عیینہ کی طرف غلط منسوب کیا ہے (نعوذ باللہ) دوسرے لفظوں میں یہ کہ "شیخ زبیر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے جھوٹ بولا۔" کسی امام اور محدث کے بارے میں ایسی بات تعصب کی بنا پر کی جاتی ہے اور تعصب رکھنے والے سے انصاف کی امید رکھنا بہت مشکل ہے۔

تبع تابعی امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک:

حضرت امام مالک رحمہ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کے حق میں نہ تھے اور سری نمازوں میں گو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی مقتدی کو اجازت دیتے تھے، لیکن وجوب کے قائل نہ تھے۔ (امام مالک کے مشہور شاگرد) امام یحیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سنا: "ہمارا مسلک یہ ہے کہ آدمی (مقتدی) امام کے پیچھے سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے"۔

(مالک، انس بن مالک: موطا، موسسۃ زاید بن سلطان، الامارات، ۲۰۰۴ء، رقم الحدیث: ۲۸۵)

تبع تابعی محدث شیخ الاسلام شعبہ کا قتادہ سے مناظرہ:

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ ایک شخص آیا اور وہ آپ ﷺ کے پیچھے "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھنے لگا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے کس نے قراءت کی ہے"؟ لوگوں نے کہا: ایک مرد نے کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے پہچان لیا تھا کہ کوئی مجھ سے قراءت میں منازعت (جھگڑا کر رہا ہے)"۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کہا ابوالولید رحمہ اللہ نے اپنی حدیث میں کہا: امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے قتادہ رحمہ اللہ سے کہا کہ کیا سعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہیں تھا کہ قرآن کو خاموش ہو کر سن؟ تو حضرت قتادہ نے کہا: یہ اس وقت ہے جبکہ امام جہر سے پڑھے۔ ابن کثیر نے اپنی حدیث میں کہا کہ شعبہ رحمہ اللہ نے کہا: میں نے قتادہ سے کہا: گویا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو ناپسند فرمایا۔ تو قتادہ نے کہا کہ اگر ناپسند کرتے تو اس سے منع فرما دیتے۔ (ابوداود: ۸۲۸)

اس حدیث میں ہے کہ اس شخص نے ظہر کی نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھا۔ اس کے بارے میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ رحمہ اللہ نے حضرت قتادہ سے کہا کہ یہ پڑھنا تو حضرت سعید بن المسیب کے فرمان اور معمول کے خلاف ہے: الیس قول سعید: انصت للقرآن؟ (جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش رہو)۔ انہوں نے جواباً فرمایا: ذاک اذا جہر بہ۔ یعنی خاموشی کا حکم امام کی قراءت جہری کے وقت ہے اور ظہر کی نماز تو سری ہے۔ یہ سری اور جہری کا فرق حضرت قتادہ اپنے طرف سے فرما گئے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ سری اور جہری کا فرق کیا کرتے

تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان کی ذاتی رائے تھی کہ سری نماز میں امام کے پیچھے قراءت جائز ہے۔لیکن خود اسی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے انکاری لہجہ میں فرمایا:"ایکم قرأ"۔کس نے قراءت کی ہے؟مجھے اس نے خلجان میں ڈال دیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کلام کراہت پر ہی دلالت کرتا ہے۔لیکن حضرت قتادہ نے اپنی طرف سے یہ فرمایا:لو کرھہ نھی عنہ۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ سری نماز میں قراءت خلف الامام کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ہاں جہری نماز میں وہ بھی مکروہ جانتے ہیں:ذاک اذا جھر۔یعنی یہ اس وقت ہے جب کہ امام جہر سے پڑھے۔لیکن حضرت امام شعبہ رحمہ اللہ اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ دونوں سری نمازوں میں بھی قراءت خلف الامام کو مکروہ سمجھتے تھے۔اس لئے حضرت امام شعبہ رحمہ اللہ نے حضرت قتادہ کے قول کی تردید کی۔ہاں جہری نمازوں میں یہ تینوں حضرات متفق ہیں کہ قراءت خلف الامام مکروہ ہے۔

تبع تابعی محدث اور فقیہ امام محمد کا مسلک:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سری اور جہری کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہیں ہیں۔چنانچہ امام صاحب کے نامور شاگرد حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:ترجمہ:امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں قراءت جائز نہیں۔اس کی تائید میں عام احادیث وآثار وارد ہوئے ہیں۔یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اور قول ہے"

اسی طرح اپنی دوسری مشہور تالیف کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے حدیثِ رسول ﷺ (جس شخص نے امام کی اقتداء کی ،اس کو (الگ قراءت نہیں کرنی چاہیے بلکہ) امام کی قراءت ہی اس کو کافی اور بس ہے)، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:"اسی حدیث کے مطابق ہمارا مذہب ہے اور یہ ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی قول ہے"۔
(شیبانی، محمد بن حسن، امام: موطا مالک بروایۃ محمد بن الحسن شیبانی، المکتبۃ العلمیہ، بیروت، س ن، رقم:۱۱۴)

دوسری جگہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی سند سے فرماتے ہیں:"حضرت علقمہ بن قیس رحمہ اللہ نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں قراءت نہیں کی ،نہ جہری نماز میں ،نہ سری نمازوں میں ،(نہ پہلی رکعتوں میں)،نہ پچھلی رکعتوں میں ،نہ سورہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورت۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:ترجمہ:"امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں قراءت جائز نہیں"

حضرت امام طحاوی احمد بن محمد سلامہ (متوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:ترجمہ:ہمارے اصحاب یعنی فقہائے احناف ،ابن ابی لیلہ ،سفیان ثوری اور حسن بن حی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ (امام کے پیچھے) جہری اور سری کسی نماز میں قراءت نہ کی جائے۔

(طحاوی، احمد بن محمد، ابو جعفر: شرح معانی الآثار، عالم الکتب، بیروت، س ن، ۱/۲۱۹)

امام طحاوی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مشہور امام حدیث و مجتہد سفیان ثوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۱ھ)، نامور فقیہ، قاضی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلہ (متوفی ۱۴۸ھ) اور محدث مجتہد حسن بن صالح بن حی (متوفی ۱۶۸ھ) بھی احناف کے ساتھ ہیں۔ نیز مشہور امام حدیث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا بھی یہ ہی مذہب ہے۔

صحابی کے فتوے پر اعتراض:

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحابی رسول ﷺ حضرت زید بن ثابت کا فتویٰ نقل کیا کہ: عطاء بن یسار تابعی رحمہ اللہ نے بتایا کہ انہوں نے امام کے ساتھ قراءت کرنے کے بارے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کیا؟ انہوں نے کہا: امام کے ساتھ کچھ نہ پڑھے۔ (مسلم: ۱۲۹۸)

اس روایت کے متعلق شیخ زبیر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اثر کا مطلب ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو جہراً قراءت نہیں کرنی چاہئے لہٰذا دل میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے یہ اثر خلاف نہیں ہے۔ (زئی: مقالات، ۳/۱۱)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے واضح مؤقف کو کس طرح شیخ زبیر نے بگاڑنے کی کوشش کی جبکہ واضح ان کا مؤقف ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی لیکن شیخ زبیر نے کس طرح ایک صحابی کے فتوی کو اپنی مرضی سے بدل ڈالا۔

امام اور مقتدی کی ذمہ داریاں:

صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے امام اور مقتدی کی ذمہ داریوں کا تعین فرمادیا ہے۔ بعض میں امام اور مقتدی شریک ہیں جبکہ بعض میں شریک نہیں۔ لہٰذا حکمِ نبوی کے مطابق امام اور مقتدی کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کرنی چاہیے۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، ہمیں سنت سکھائی اور ہمیں نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھا کر لیا کرو۔ پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کرائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ لے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ واضح رہے کہ امام تم سے پہلے رکوع میں جاتا ہے اور تم سے پہلے اٹھتا ہے جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم "اللّٰھم ربنا لک الحمد" کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول کرے گا چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے توسط سے یہ بتایا ہے کہ جو شخص اللہ

تعالیٰ کی تعریف کرکے دعامانگے گااللہ تعالیٰ اس کی دعاکو قبول کرتاہے اور جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے توتم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو"۔(مسلم:۹۰۴)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں پہلے اوپر ذکر کردہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی پھر اس کی متعدد سندیں ذکر فرمائی ہیں اور حدثنا۔۔۔ عن ابي موسى اشعرى کی سند ذکر کرکے فرمایا کہ اس میں "اذا قراء فانصتوا" جب امام قراءت کرے تم خاموش رہو۔ کااضافہ ہے۔اس اضافہ کو اگر طویل حدیث کے نماز سے متعلق حصہ کے ساتھ ملایاجائے توروایت کے الفاظ اس طرح ہوجاتے ہیں: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا. فَقَالَ: " إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذْ قَالَ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} [الفاتحة: ٧]، فَقُولُوا: آمِينَ۔ ترجمہ: بیشک رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیااور ہمارے سامنے سنت کابیان فرمایا۔ ہمیں نماز کاطریقہ سکھایا۔اور ہمیں بتایاکہ ہم نماز میں کیاپڑھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب نماز کاارادہ کرو، توپہلے اپنی صفیں درست کرلو۔ پھر چاہیے کہ تم میں سے ایک امام بنے۔جب امام تکبیر کہے توتم بھی تکبیر کہواور جب وہ قرآن پڑھنے لگے توتم خاموش ہوجاؤاور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ لے توتم آمین کہو"۔ (مسلم:۹۰۵)

اس حدیث میں امام کی قراءت کے عوض مقتدیوں کو خاموش رہنے کاحکم فرمایا۔ جس کاحاصل یہ ہے کہ تم کوالگ دعاکے مانگنے کی حاجت نہیں کیونکہ تم نے امام کے ساتھ آمین کہہ لی توتم اورامام سب دعامیں شریک ہوگئے۔اور تم سب کی دعامقبول ہوگئی۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ:عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا» حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز کاطریقہ سکھایا۔جب نماز کاارادہ کرو، توپہلے اپنی صفیں درست کرلو۔ پھر چاہیے کہ تم میں سے ایک امام بنے۔جب امام قرآن پڑھنے لگے توتم خاموش ہوجاؤ"۔(احمد بن حنبل: مسند احمد، بیت الافکار، بیروت، س ن، ۲/۷۴۴، رقم الحدیث:۱۹۹۶۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب امام قرآن پڑھنے لگے توتم خاموش ہوجاؤاور جب قعدہ میں ہوتوتم میں سے ہر ایک کااولین ذکر تشہد ہوناچاہیے۔(ابن ماجہ:۸۴۷)

قابلِ غور امور:

مذکورہ بالا احادیث سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوئے:

۱۔ ان صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ قراءت کرنا امام کے ذمہ ہے۔ مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا ہے۔ چونکہ یہ روایات مطلق ہیں۔ لہٰذا سری اور جہری تمام نمازوں کو شامل ہیں۔ اور مقتدیوں کو کسی نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جب امام جہر کرے تو تم خاموش رہو، بلکہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور یہ حکم جہری اور سری نمازوں کو ایسا شامل ہے کہ اس میں کوئی ابہام نہیں۔

۳۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے کیونکہ اس میں نماز باجماعت کی تصریح ہے۔

۴۔ باجماعت نماز کے دوران امام اور مقتدی کے کاموں میں تعین کر دیا گیا ہے اور جہاں دونوں کے کاموں میں فرق نہیں، اس کی بھی وضاحت کر دی۔ مثلا امام تکبیر تحریمہ کہے تو تم بھی تکبیر تحریمہ کہو۔ وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ وہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔

۵۔ امام اور مقتدی کے متفرق کاموں کی وضاحت یوں کی کہ جب امام قراءت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ سورہ فاتحہ ختم کرکے ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اس طرح جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

۶۔ اس حدیث پاک کے الفاظ اور اسلوب میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ باجماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے چونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جب امام قرآن پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ یہاں ایک طرف امام کو پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا مقتدی نہ تو سورہ فاتحہ پڑھے، اور نہ کوئی اور سورہ پڑھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے کہ جب امام "غیر المغضوب علیہم والا الاضالین" تک پڑھ لے تو تم آمین کہو۔ یہاں بھی پڑھنے والا امام ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ اس حدیث میں سورہ فاتحہ کی تصریح اور تعیین بھی موجود ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تک پہنچ جائے تو تم آمین کہو۔ اب ظاہر ہے کہ تکبیر کے

بعد اور "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" تک جو کچھ پڑھا گیا ہے یہ سورہ فاتحہ ہی تو ہے اور اسی دوران مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔

جہری نمازوں میں مقتدی کی قرأت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اس کی اقتداء یہ ہے کہ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ" (نسائی:۹۲۲)

امام مسلم کے شاگرد ابو بکر نے امام مسلم رحمہ اللہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بابت پوچھا تو امام مسلم نے فرمایا: "یہ حدیث صحیح ہے یعنی جس میں واذا قرأ فانصتوا (جب امام قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ) کا جملہ آیا ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ (مسلم:۹۰۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں آپ ﷺ نے قراءت جہر سے کی تھی فرمایا: "کیا تم میں سے کسی نے اس وقت میرے ساتھ قراءت کی ہے؟"۔ ایک شخص نے کہا: ہاں! یارسول اللہ! میں نے قراء ت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں بھی تو کہوں کہ یہ کون ہے جو میرے ساتھ قراءت کے بارے میں نزاع (جھگڑا) کر رہا ہے"۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو اس نماز میں قراءت کرنے سے رک گئے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ جہر سے قراءت فرمایا کرتے تھے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ (نسائی:۹۱۸)

ابوداؤد میں ہے کہ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً نَظُنُّ أَنَّهَا الصُّبْحُ بِمَعْنَاهُ إِلَى قَوْلِهِ: «مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ»، قَالَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ: قَالَ مَعْمَرٌ: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيمَا جَهَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ابوداؤد:۸۲۷) "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ ہم جانتے ہیں کہ صبح کی نماز تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر جس میں آپ ﷺ نے قراءت جہر سے کی تھی فرمایا: "کیا تم میں سے کسی نے اس وقت میرے ساتھ قراءت کی ہے؟"۔ ایک شخص نے کہا: ہاں! یارسول اللہ! میں نے قراء ت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں بھی تو کہوں کہ یہ کون ہے جو میرے ساتھ قراءت کے بارے میں نزاع (جھگڑا) کر رہا ہے"۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو اس نماز میں قراءت کرنے سے رک گئے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ جہر سے قراءت فرمایا کرتے تھے۔

شیخ زبیر کا اس حدیث پر اعتراض کہ یہ منسوخ ہے:

شیخ زبیر علی زئی کہتے ہیں: یہ منسوخ ہے۔اس حدیث کے راوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام کا حکم دیتے تھے۔(زئی، زبیر، حافظ: فاتحہ خلف الامام، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۴ء ص ۱۱۰)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ» ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ. فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ: «اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ»

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔پس وہ (نماز) ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں"۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (پھر بھی پڑھیں)۔تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (ہاں!) تو اس کو دل میں پڑھ۔(مسلم: ۸۷۸)

شیخ زبیر کا یہ دعوی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے حدیثِ رسول ﷺ منسوخ ہو گئی ہے۔یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔نہ محدثین کے ہاں، نہ فقہائے حنفیہ کے ہاں۔محدثین کے ہاں اسلئے صحیح نہیں ہے کہ راوی کے عمل اور فتویٰ کو اس کی روایت کے نسخ کی علامت قرار نہیں دیتے بلکہ وہ لوگ اس کی حدیث کے مطابق عمل کرتے ہیں، نہ کہ اس کے فتویٰ کے مطابق۔

فقہ حنفیہ کے ہاں اگرچہ یہ دلیل نسخ ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ راوی صحابی کا عمل یقین کے ساتھ اس کے خلاف ہو۔اگر خلاف ظنی ہو یا اس کا قول مختلف فیہ ہو۔تو پھر ہرگز وہ ناسخ نہیں ہو سکتا۔یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یقین کے ساتھ ان کے قول کے ہرگز مخالف نہیں ہے۔دو وجہ سے :ایک یہ کہ ان کا فتویٰ اور قول ان کی روایات کے موافق ہے۔جیسا کہ بیہقی نے روایت کیا ہے: حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما حکم دیتے تھے کہ امام جب جہری قراءت نہ کرے، تو اس کے پیچھے قراءت کی جائے۔پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ صرف جہری نمازوں میں حکم نہ کرتے تھے۔پس فتویٰ ان کا حدیث کے موافق ہوا۔(بیہقی، السنن الکبری، ۲/۱۷۱)

دوسری وجہ: یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیثِ خداج میں مقتدی کو اس سے خارج کر دیا ہے: ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص ہوتی ہے، ہاں! البتہ وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما حکم دیتے تھے کہ امام جب جہری قراءت نہ کرے، تو اس کے پیچھے قراءت کی جائے۔(بیہقی، السنن الکبری، ۲/۱۷۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہیں تھے۔امام بیہقی نے دونوں اکابر صحابہ کا یہ عمل دوسندوں سے ذکر کیا ہے۔دونوں کی سندیں جید ہیں۔دوسری سند جزءالقرات للبخاری میں ہے:

سری نمازوں میں دل میں قراءت کرتے تھے۔

اس حدیث میں سورہ فاتحہ کی رکنیت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے اس کو واجب کہنا زبردستی ہے۔

حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے۔اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ مقتدی کے ذمہ قراءت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قراءت خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی۔

اقرأ بھافی نفسک کا مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔عرفاً قراءت قلبی کو بھی قراءت کہا جاتا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ اے سائل جب تم امام کے پیچھے اقتداء کر چکے ہو تو اپنے دل ہی دل میں سورہ فاتحہ کا تدبر اور غور کیا کرو:"اقرأ بھافی نفسک"اس کو دل میں پڑھ (اور زبان کو حرکت تک نہ دینا)اس روایت کا یہ مطلب امام ابن عبد البر نے بیان کیا۔(گکڑھوی، سرفراز، احسن الکلام، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ، ۱۹۹۸ء، ۲/ ۵۸)

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے:

امام اسلئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور جب وہ قراءت کرے تو مقتدی خاموش رہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے امام کی قراءت کو مقتدی کی قراءت قرار دیا ہے:«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ، فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ»رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے لیے امام ہو، تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔(ابن ماجہ: ۸۵۰)

شیخ البانی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شروع میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی پھر آپ ﷺ نے جہری نمازوں میں مقتدی کو ہر قسم کی قراءت سے روک دیا۔اور امام کی قراءت کے وقت مقتدی کی خاموشی کو اقتداء کے لوازمات میں سے قرار دیا۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:"انما جعل الامام لیؤتم بہ، فاذا کبر، فکبروا واذا قراء فانصتوا":امام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔وہ یوں کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔جیسا کہ امام کے پیچھے قراءت سننے کو مقتدی کیلئے قراءت سے مستغنی قرار دیا ہے۔ارشاد نبوی

ﷺ ہے: ’’من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ‘‘۔جس آدمی نے امام کی اقتداء کی ،توامام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے۔(البانی،ناصر الدین:صفۃ صلاۃ النبی ﷺ،المکتب الاسلامی،بیروت،۱۳۹۱ھ،۹۳)

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت پر حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق:

حافظ ابن تیمیہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:ثابت ہوا کہ اس حالت میں امام کی قراءت،مقتدی کی قراءت ہے،جیسا کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اوران کے سچے پیروکاراسی کے قائل ہیں۔اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی معروف حدیث بھی ہے:’’من کان لہ امام،فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔‘‘جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے،توامام کی قراءت اس کی بھی قراءت ہے‘‘۔یہ حدیث مرسل ومسند دونوں طرح سے مروی ہے۔لیکن اکثر ائمہ ثقات نے اس حدیث کوعبداللہ بن شداد سے مرسلاروایت کیاہے بعض نے اس کوسند متصل سے روایت کیاہے۔ابن ماجہ نے اسے مسند ذکر کیاہے۔ظاہر قرآن وسنت اس مرسل کی تائید کرتے ہیں۔جمہوراہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔اس حدیث کومرسل نقل کرنے والے اکابر تابعین میں سے ہیں۔اس قسم کی مرسل حدیث سے ائمہ اربعہ اوردیگراہل علم کے نزدیک بالاتفاق استدال صحیح ہے۔اورامام شافعی رحمہ اللہ نے اس طرح کی مرسل روایت سے استدلال جائز ہونے کی تصریح فرمائی۔(ابن تیمیہ،احمد بن عبدالحلیم:مجموعہ فتاویٰ،مطابع الریاض ۱۳۸۲ھ،۲۳/۲۷۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ. جس نے کوئی رکعت ایسی پڑھی جس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی،تواس نے نماز ہی نہیں پڑھی،سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔(یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے)امام ترمذی کہتے ہیں:یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ترمذی:۳۱۳)

شیخ زبیر اس روایت پراعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:جابر رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔(زئی:الکواکب الدریہ،ص۶۹)

مزید آگے لکھتے ہیں،حضرت جابر رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل وفاعل تھے۔

(زئی:الکواکب الدریہ،ص۱۰۶)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ظہر وعصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے دورکعتوں میں سورہ فاتحہ اورایک سورت اورآخری دورکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔(ابن ماجہ:۸۴۳)

شیخ زبیر نے یہ دعویٰ کیا کہ ''جابر رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔'' حالانکہ واضح طور پر ترمذی میں موجود ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ''جس نے کوئی رکعت ایسی پڑھی جس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی، سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔'' ایسی واضح دلیل کو یوں جھٹلانا کسی عقلمند شخص کا کام نہیں، اور دلیل یہ دی کہ وہ ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ نماز کے مسائل میں دن بدن تبدیلی واقع ہوئی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں۔ آپ ﷺ کے پیچھے بھی قراءت کی صحابہ نے ظہر اور عصر کی نماز میں تو آپ ﷺ نے ناگواری کا اظہار کیا تو صحابہ کرام نے اس کو ترک کر دیا، جیسا کہ مسلم میں ہے: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کس نے میرے پیچھے ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' پڑھی ہے۔ تو ایک شخص نے عرض کیا: میں نے! اور میرا اس سے صرف خیر و بھلائی کا ارادہ ہی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جانا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قراءت میں منازعت (جھگڑا) کر رہا ہے''۔ (مسلم: ۸۸۷)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل ترک ہو گیا، اب اس ترک والے عمل کو دلیل کیسے بنائی جا سکتی ہے جبکہ آپ ﷺ کی ناگواری بھی موجود ہے۔

سری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت منع:

جہری نمازوں میں مقتدی کی قراءت منع کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سری نمازوں میں بھی اس عمل کو ناگوار سمجھا چنانچہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کس نے میرے پیچھے ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' پڑھی ہے۔ تو ایک شخص نے عرض کیا: میں نے! اور میرا اس سے صرف خیر و بھلائی کا ارادہ ہی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جانا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قراءت میں منازعت (جھگڑا) کر رہا ہے''۔ (مسلم: ۸۸۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کس نے میرے پیچھے ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' پڑھی ہے۔ تو ایک شخص نے عرض کیا: میں نے! اور میرا اس سے صرف خیر و بھلائی کا ارادہ ہی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جانا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قراءت میں منازعت (جھگڑا) کر رہا ہے''۔ (مسلم: ۸۸۸)

اس سے واضح منع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے عمل کو ناپسند کیا چونکہ وہ قراءت کر رہا تھا، جس سے آپ ﷺ کی قراءت میں خلل واقع ہو رہا تھا، یہ نہیں کہ سورہ اعلیٰ سے تو خلل واقع ہو لیکن سورہ فاتحہ سے خلل واقع نہ ہو! آپ ﷺ کو مطلقا مقتدی کی قراءت سے خلل واقع ہو رہا تھا۔ جس کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا، تو جس کو آپ ﷺ ناپسند فرمائیں تو اس کو امتی پسندیدہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

جہری اور سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کی ممانعت:

رسول اللہ ﷺ نے مقتدی کو مطلقا امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا: صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قراءت کی ہے؟" صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ! قراءت کی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تب ہی تو میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قراءت میں منازعت اور کشمکش کیوں کی جا رہی ہے؟"۔ آپ ﷺ کیا یہ ارشاد جب سنا تو لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قراءت ترک کر دی۔ یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔

(احمد بن حنبل، امام: مسند احمد، طبع بیت الافکار الدولیہ، لبنان، ۲۰۱۰ھ ۲/ ۷۵۲، رقم: ۲۳۳۱۰)

اس میں جہری نماز کی کوئی قید بھی مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت جہری اور سری تمام نمازوں کو شامل ہے۔ گویا اس روایت کے پیشِ نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تمام نمازوں میں قراءت ترک کر دی تھی۔ بلکہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔

صحابہ کا فاتحہ خلف الامام کے خلاف فتویٰ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قراءت کافی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح ہے۔ (بیہقی: السنن الکبری، ۲/ ۱۶۱)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قراءت کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام کے پیچھے کچھ نہیں پڑھنا۔ (مسلم: ۱۲۹۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

جس نے کوئی رکعت ایسی پڑھی جس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی، سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ (یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے) (ترمذی:۳۱۳)

ان جلیل القدر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ان فتوؤں سے واضح ہوتا ہے کہ مقتدی کو چاہیے کہ وہ قرآن سنے اور خاموش رہے، یہ ہی قرآن کا فیصلہ ہے اور یہ ہی نبی ﷺ کی تعلیم ہے۔

نماز کی تعلیم اور قراءت خلف الامام:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو نماز کی مکمل تعلیم عطا فرمائی جس کا ذکر کتب احادیث میں موجود ہے، اگر آپ ﷺ مقتدی کو سورہ فاتحہ کے واجب ہونے کا حکم ارشاد فرماتے تو ضرور اس تعلیم کے دوران ارشاد فرمایا ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیمِ نماز کا واقعہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ کیلئے منبر بنایا گیا: آپ ﷺ اس پر کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے قبلہ کی جانب منہ کر کے اللہ اکبر کہا۔ لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے قراءت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے رکوع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر آپ ﷺ منبر سے پیچھے ہٹ آئے۔ تو زمین پر آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔ پھر آپ ﷺ دوبارہ منبر کی طرف لوٹ آئے۔ پھر آپ ﷺ نے قراءت کی پھر رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر آپ ﷺ منبر سے پیچھے ہٹ آئے۔ یہاں تک زمین پر آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔

(بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ: الجامع صحیح، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۳۷۷)

بخاری کی اس روایت میں نبی ﷺ کی قراءت اور رکوع دونوں کا ذکر ہے جبکہ صحابہ کرام کے صرف رکوع کا ذکر ہے۔ اگر صحابہ کرام نے اس وقت قراءت کی ہوتی تو راوی اس کا ذکر کرتے۔ راویوں کا اس کو ذکر نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراءت نہیں کیا کرتے تھے۔

آمین اور قراءت خلف الامام:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب قرآن پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بیشک فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ پس جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو گا۔ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔ (بخاری:٦٤٠٢)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ:

١۔ اگر مقتدیوں پر بھی سورہ فاتحہ فرض ہوتی تو آپ ﷺ یوں فرماتے :اذاقلتم "غیر المغضوب علیہم والا الضالین" فقولوا آمین۔ کہ جب تم خود "غیر المغضوب علیہم والا الضالین" پڑھا کرو تو آمین کہا کرو۔ "قال" واحد کا صیغہ امام کے لئے استعمال فرمایا کہ صرف امام فاتحہ پڑھے اور "قولوا آمین" جمع کا صیغہ استعمال فرمایا کہ سب مقتدی آمین کہیں۔

٢۔ یہ حدیث نماز باجماعت کے بارے میں بالکل واضح ہے۔

٣۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے "قاری" یعنی قرآن پڑھنے والے کا اطلاق صرف امام پر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ باجماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے اور اگر امام و مقتدی سب کے ذمہ پڑھنا ہوتا تو امام ہی کو قاری نہ کہا جاتا۔

٤۔ یہاں امام کو قاری فرمایا۔ وہ بھی اس سورت میں جو اس نے آمین کہنے سے پہلے پڑھنی ہے۔ یعنی سورہ فاتحہ کا قاری صرف اکیلا امام ہو گا اور آمین سب مقتدی کہیں گے۔

٥۔ پورے ذخیرہِ حدیث میں کہیں آپ ﷺ نے مقتدی کو قاری نہ فرمایا۔

٦۔ رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم دیا، جو سنت ہے۔ اور یہ نا فرمایا: اذا قرأ الفاتحۃ فاقروا الفاتحۃ" کہ جب امام فاتحہ پڑھے تو تم بھی فاتحہ پڑھو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قرآن پڑھنے والا غیر المغضوب علیہم والا الضالین کہے اور اس کے مقتدی آمین کہیں تو جس کی آمین آسمان والوں کی آمین سے موافق ہو گی اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (مسلم:٩١٨)

اس حدیث میں مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں:

۱۔ گذشتہ حدیث کی طرح یہ حدیث بھی بڑی واضح ہے جو کہ نماز باجماعت کے بارے میں ہے اور اس میں بھی صرف امام کو"قاری "یعنی قراءت کرنے والا قرار دیا گیا ہے، تو امام کے علاوہ باقی سب قراءت کے وقت خاموش رہیں۔ البتہ جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی آمین کہیں۔ سو اب اگر امام کی طرح مقتدی بھی پڑھنے لگ جائیں تو ان حدیثوں کی مخالفت لازم آئے گی۔

۲۔ الغرض بخاری و مسلم کی ان دو حدیثوں سے بھی واضح ہو گیا کہ نماز باجماعت میں قرآن کی قراءت کرنے والا امام ہی ہوتا ہے۔ مقتدی اس وقت خاموش رہتے ہیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم (اے مقتدیو!) آمین کہو۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ قراءت فقط امام کا کام ہے مقتدی کا نہیں۔ ورنہ تو آپ ﷺ اول تو سب کو قاری قرار دیتے، دوسرے مقتدیوں سے فرماتے کہ جب تم لوگ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہہ چکو، تو آمین کہو۔ مگر آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

۴۔ ظاہر ہے کہ فرشتے خود تلاوت نہیں کرتے، بلکہ امام کی دعا پر آمین کہتے ہیں، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے آمین میں فرشتوں کی موافقت کا حکم فرمایا ہے۔ اسی پر گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس وعدے کو صرف آمین کہنے پر معلق فرمایا ہے، نہ کہ خود اپنی قراءت کرنے پر، بلکہ امام کو"القاری" کہہ کر اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قراءت کرنا امام کا منصب ہے، نہ کہ مقتدی کا، مقتدی کا منصب امام کی قراءت کو سننا اور خاموش رہنا ہے۔

فاتحہ کے بغیر نماز نہیں کا مفہوم:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جو شخص سورہ فاتحہ اور اس کے آگے کچھ اور نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی"۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے، جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔ (ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی: سنن ابی داؤد، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث::۸۲۲)

اس حدیث کے مرکزی راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے وضاحت کر دی کہ یہ حدیث "جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں" کا مطلب یہ حکم منفرد کو ہے یعنی یہ حکم مقتدی کو نہیں، کیونکہ مقتدی نے امام کی قراءت کو سننا ہے۔ اس حدیث کو مقتدی پر لاگو کرنا حدیثِ پاک کے فہم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ کریم فرماتا ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(الاعراف ۲۰۴:۷)

اللہ کریم نے رحم کی شرط غور سے سننے اور خاموش رہنے سے مشروط کی ہے، اب چونکہ مقتدی امام کی پیروی کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ امام کی قراءت کو غور سے سنے اور خاموش رہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مقتدی کو حکم دیا ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔(مسلم:۹۰۵)

ان واضح قرآن و سنت کے دلائل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث "جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں" یہ منفرد اور امام کے متعلق ہے۔ چونکہ مقتدی کو قرآن سننے کا حکم قرآن و حدیث سے ملتا ہے۔

نبی ﷺ کی آخری باجماعت نماز:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی ﷺ کی آخری باجماعت نماز کی وضاحت فرماتی ہیں کہ: جب نبی ﷺ نے سکون اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا۔ تو آپ ﷺ، ظہر کی نماز کے وقت، دو صحابہ کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ ان میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے دوسرے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو نماز پڑھا رہے تھے، ان کی نظر حضور ﷺ پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو، اپنی جگہ پر رہو۔ جو دو حضرات آپ ﷺ کو لیکر گئے تھے، ان سے فرمایا: مجھے ابو بکر کے برابر ہی بٹھا دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نبی ﷺ کی اقتداء کرنے لگے، اس حال میں نبی ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنے لگے۔(بخاری:۶۸۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے تکلیف میں کچھ تخفیف محسوس کی، تو آپ ﷺ (نماز کیلئے گھر سے) نکلے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی آہٹ محسوس کی، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے۔ تو حضور ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہرو۔ حضور ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب پہلو میں بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس آیت سے قراءت شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قراءت کر کے پہنچ چکے تھے۔(احمد بن حنبل: مسند احمد، ۱/۲۱۲، رقم الحدیث:۲۰۵۵)

دوسری روایت میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے قراءت شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔(احمد بن حنبل: مسند احمد، ۱/۲۱۲، رقم الحدیث:۳۳۳۰)

ایک اورروایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے وہیں سے قراءت شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔(ایضا:۳۳۵۵، قال شعیب ارنؤط: اسنادہ صحیح۔(ابن ماجہ:۱۲۳۵)

اس حدیث کی شرح میں امام طحاوی فرماتے ہیں:"اس حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے وہاں سے قرات شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔پس دوصورتوں میں سے ایک یہاں ضرور موجود ہے:جناب رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوئے اور قراءت شروع کی ،تواس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ مکمل پڑھ چکے تھے یااس کاکچھ حصہ پڑھ چکے تھے ۔پس رسول اللہ ﷺ نے نہ توسورہ فاتحہ مکمل پڑھی اورنہ ہی اس کاکچھ حصہ پڑھا،مگرباوجوداس کے آپ ﷺ کی نماز صحیح اور مکمل ہوگئی۔پس اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ کی مکمل قراءت کویااس کے بعض حصے کوترک کردینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی"۔(طحاوی:شرح معانی الآثار،رقم الحدیث:۱۰۹۹)

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:"سورہ فاتحہ کے عموم سے مسبوق بھی مستثنیٰ ہے جیساکہ حضرت ابو بکرہ وغیرہ کی حدیث میں ہے۔اسی طرح دواماموں کی نماز بھی اس سے مخصوص ہے۔اس لئے کہ نبی ﷺ نے جب لوگوں کونماز پڑھائی ۔اورآپ ﷺ سے پہلے حضرت ابو بکر نماز کاکچھ حصہ پہلے پڑھاچکے تھے تو آپ ﷺ نے قراءت وہاں سے شروع کی جہاں حضرت ابو بکر پہنچ چکے تھے۔حضور ﷺ نے سورہ فاتحہ کونئے سرے سے شروع نہیں کیاتھا۔کیونکہ آپ ﷺ نے نماز کوحضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز پر بنا کیا تھا۔جب آپ ﷺ سے اس نماز میں سورہ فاتحہ ساقط ہوگئی تو مقتدی سے بدرجہ اولیٰ ساقط ہے۔"(ابن تیمیہ: مجموعہ فتاویٰ،۲۳/ ۲۹۰)

ان واضح دلائل سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنافرض یاواجب ہوتاتورسول اللہ ﷺ جو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی سورہ فاتحہ رہ گئی اورآپ ﷺ نے اس کونہیں دوھرایا۔تومعلوم ہوا کہ مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتااوروہ نماز بھی مکمل ہی ہوتی ہے۔جب رسول اللہ ﷺ کی نماز مکمل ہے سورہ فاتحہ کے بغیر تورسول اللہ ﷺ کے امتیوں کی بھی نماز مکمل ہے۔

مدرکِ رکوع سے ترکِ قراءت خلف الامام کاثبوت:

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ رکوع کی حالت میں تھے ۔ توحضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کرلیا۔جب نبی ﷺ کے سامنے اس بات

کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہارے اس شوق کو بڑھائے، آئندہ ایسا نہ کرنا (کہ صف میں شامل ہونے سے پہلے نماز شروع کر دو)۔ (بخاری: ۷۸۳)

شیخ زبیر اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس روایت سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سلام پھیر دیا تھا، لہٰذا "ادراک الرکعۃ" کا مسئلہ اس سے ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔" (زئی: الکواکب الدریہ، ص ۱۱۲)

شیخ زبیر جان بوجھ کر جاہل بننے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ دوسری کتابوں میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی نماز میں شرکت کی جو تفصیلات ہیں۔ وہ شیخ زبیر جانتے ہیں جیسا کہ جزء القراءۃ للبخاری میں بھی یہ روایت ہے جس کا ترجمہ خود شیخ زبیر نے کیا کہ: "حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع میں شرکت کے لئے تیز چلنا شروع کیا، تو ان کا سانس پھول گیا۔ اور وہ صف سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے۔ اور اسی حالت میں چل کر صف سے جا ملے حضور ﷺ نے پوچھا کہ سانس کس کا پھول رہا تھا؟ تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "مجھے یہ اندیشہ تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ میری رکعت فوت نہ ہو جائے۔ یعنی اس وجہ سے میں نے تیز گامی اختیار کی اور سانس پھول گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تیری حرص زیادہ کرے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا جو ملے پڑھ لو اور جو پہلے گزر چکا ہو اسے قضا (یعنی) پورا کر لو۔"

(بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ: جزء القراءۃ، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۷)

اتنے واضح دلائل اور خود ترجمہ کرنے کے باوجود انکار کرنا ایک عظیم دھوکہ ہے کہ "اس روایت سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سلام پھیر دیا تھا، لہٰذا "ادراک الرکعۃ" کا مسئلہ اس سے ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (زئی: الکواکب الدریہ، ص ۱۱۲)

حدیث کے شارحین کی رائے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ترجمہ: طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کس نے ایسا کیا ہے تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے تاکہ آپ ﷺ کے ساتھ میری یہ رکعت فوت نہ ہو جائے۔ (ابن حجر عسقلانی: فتح الباری، ۲/ ۳۴۷)

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا، اس کو وہ رکعت مل جائے گی۔ جو رکوع کے بعد یا سجدے میں پائے اس کو وہ رکعت نہ ملے گی۔ امام کے بعد وہ رکعت پڑھنی ہو گی۔ (بغوی، حسین بن مسعود: شرح السنہ، المکتب الاسلامی، بیروت، س ن، ۳/ ۳۸۰)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے متعدد احادیث ذکر کر کے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی بتلایا کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے علاوہ بھی اسی طرح جماعت میں شرکت کی ہے۔ اور اس رکعت ور کوع کو بغیر فاتحہ کے معتبر سمجھا ہے۔ (عینی، محمود بن احمد، بدرالدین: عمدۃ القاری شرح البخاری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن،، ۶/ ۸۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے شوق کو سراہتے ہوئے انہیں دعا دی اور آئندہ صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کرنے سے روکا۔

حضرت ابن مغفل مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم امام کو سجدہ کی حالت میں پاؤ تو اس کے ساتھ سجدہ کرو، اگر رکوع کی حالت میں پاؤ تو اس کے ساتھ رکوع کرو اور اگر قیام کی حالت میں پاؤ تو اس کے ساتھ قیام شروع کردو، لیکن جب تک رکوع نہ ملے اس وقت تک رکعت کا کوئی اعتبار نہ کرو۔ (البانی: سلسلہ احادیث صحیحہ: رقم: ۱۱۸۸)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں: امام مقتدی کی طرف سے قراءت کو برداشت کرلیتا ہے کیونکہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقتدی جب امام کو رکوع میں پائے تو تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور کسی شے کی قراءت نہ کرے۔

(ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، ابو عمر: الکافی، مکتبۃ الریاض، ۱۹۹۸ء، ص ۴۰)

شیخ ابن تیمیہ کی رائے:

جماعت میں تاخیر سے شامل ہونے والے شخص کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ملے تو وہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور اس سلسلہ میں اختلاف کی حیثیت شذوذ کے مترادف ہے۔

(ابن تیمیہ: مختصر فتاویٰ، ص ۵۹)

امام احمد فرماتے ہیں: لما أجمع الخلق أن كل من أدرك الإمام راكعاً فركع معه [ركعة] أدرك تلك الركعة وقراء تھا اس میں کوئی اختلاف نہیں سنا گیا کہ رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہو جاتی۔ اگرچہ اس نے خود قراءت نہ کی ہو۔

(مروزی، اسحاق بن منصور: مسائل احمد، عمادۃ البحث العلمی، مکہ، ۲۰۰۲ء، ۹/ ۴۶۴۴)

قراءت خلف الامام سے متعلق منسوخ روایات:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبح کے وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپ ﷺ قراءت کررہے تھے، آپ ﷺ پر قراءت ثقیل ہوگئی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟" ہم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی (اور کچھ بھی نہ پڑھو)۔ (ابوداؤد:۸۲۳)

علامہ البانی کی رائے:

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والی یہ حدیث منسوخ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "اصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ من التکبیر الی التسلیم" میں عنوان باندھا ہے۔ "نسخ القراءۃ وراء الامام فی الجھریۃ" اس کے تحت لکھتے ہیں: "شروع میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی (آگے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ ہی حدیث بیان کرکے لکھتے ہیں) پھر آپ ﷺ نے جہری نمازوں میں مقتدی کو ہر قسم کی قراءت سے روک دیا۔ (آگے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے) اور امام کی قراءت کے وقت مقتدی کی خاموشی کو اقتداء کے لوازمات میں سے قرار دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "انما جعل الامام لیوتم بہ، فاذا کبر، فکبروا واذا قراء فانصتوا۔" امام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ وہ یوں کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ جیسا کہ امام کے پیچھے قراءت سننے کو مقتدی کیلئے قراءت سے مستغنی قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔" جس آدمی نے امام کی اقتداء کی، تو امام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے۔" (البانی: صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، ص ۹۳)

قراءت خلف الامام پر شیخ ابن تیمیہ کا تجزیہ:

شیخ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں مسئلہ قراءت خلف الامام کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَأَيْضًا فَالْمَقْصُودُ بِالْجَهْرِ اسْتِمَاعُ الْمَأْمُومِينَ وَلِهَذَا يُؤَمِّنُونَ عَلَى قِرَاءَةِ الْإِمَامِ فِي الْجَهْرِ دُونَ السِّرِّ فَإِذَا كَانُوا مَشْغُولِينَ عَنْهُ بِالْقِرَاءَةِ فَقَدْ أَمَرَ أَنْ يَقْرَأَ عَلَى قَوْمٍ لَا يَسْتَمِعُونَ لِقِرَاءَتِهِ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ أَنْ يُحَدِّثَ مَنْ لَمْ يَسْتَمِعْ لِحَدِيثِهِ وَيَخْطُبَ مَنْ لَمْ يَسْتَمِعْ لِخُطْبَتِهِ وَهَذَا سَفَهٌ تُنَزَّهُ عَنْهُ الشَّرِيعَةُ. وَلِهَذَا رُوِيَ فِي الْحَدِيثِ: {مَثَلُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا} فَهَكَذَا إذَا كَانَ يَقْرَأُ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ عَلَيْهِ. امام کے جہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ پڑھے اور مقتدی سنیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ امام جہری نمازوں میں جب ولا الضالین پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں۔ اور سری نمازوں میں چونکہ مقتدی سنتے ہیں۔ اسی لئے وہ

آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی قراءت کر رہاہو اور مقتدی بھی پڑھتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ امام کو یہ حکم دیا جارہاہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو اس کے لئے آمادہ نہیں۔ اور ایسی قوم کو خطبہ اور وعظ کہو جو توجہ نہیں کرتی۔ اور یہ ایسی کھلی حماقت ہے جس سے شریعت مطہرہ کا دامن بالکل پاک ہے۔ ایک حدیث میں آتاہے کہ جو شخص خطبہ امام کے وقت باتیں کر رہاہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادا گیاہو۔ ایساہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرتاہو۔

(ابن تیمیہ: مجموعہ فتاوی، ۲۳/۲۷۹)

شیخ ابن تیمیہ نے ان لوگوں کے متعلق بہت سخت بات کی ہے جو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ "ایک حدیث میں آتاہے کہ جو شخص خطبہ امام کے وقت باتیں کر رہاہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادا گیاہو۔ ایساہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرتاہو"

شیخ زبیر شیخ ابن تیمیہ کی علمیت اور ان کے علمی کارناموں سے بہت متاثر ہیں اور جابجا ان کی کتب کا حوالہ پیش کرتے ہیں، کیا شیخ زبیر نے شیخ ابن تیمیہ کی امام کے پیچھے قراءت کے متعلق تحقیق کو نہیں پڑھا، جس میں وہ کتنا سخت مؤقف رکھتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قراءت کرے گویا وہ گدھا ہے۔

خلاصہ تحقیق:

- اللہ کریم کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو، اللہ کریم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیے کہ جب قرآنِ پاک کی تلاوت کی جائے تو اسے غور سے سنیں اور خاموش رہیں تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔ بالخصوص نماز میں قرآن کو غور سے سنناچاہیے تاکہ امام کی مکمل طور پر پیروی کے حکم پر عمل ہو سکے۔
- رسول ﷺ نے اپنے پیچھے مقتدی کی قراءت کو ناپسند کیاہے، اور یہ عمل آپ ﷺ پر ناگوار گزراہاہے، اور رسول اللہ ﷺ نے نمازی کو تعلیم دی ہے کہ وہ امام کی اقتداء کرے، اور جب امام تلاوت کرے تو مقتدی خاموشی سے اُس کی قراءت کو سماعت کرے۔
- صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنے شاگردوں کو حکم دیاہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔
- تابعین اور تبع تابعین کا معمول رہاہے کہ وہ امام کی قراءت کے وقت وہ خاموش رہتے تھے۔
- تبع تابعی محدث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس روایت میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ اس میں یہ حکم منفرد کو ہے۔ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے یہ رسول اللہ تعلیم ہے۔

- تبع تابعی محدث امام شعبہ رحمہ اللہ اس حق میں نہیں کہ امام کے پیچھے قراءت کی جائے۔
- تبع تابعی امام وفقیہ، امام مالک رحمہ اللہ بھی مقتدی کو حکم دیتے تھے کہ وہ امام کی قراءت کو سنے۔
- تبع تابعی محدث وفقیہ اورامام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد خاص امام محمد رحمہ اللہ لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے اوراس پر صحابہ کا عمل ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ہیں۔



باب چہارم

عقائد و فضائل کے متعلق معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

فصل اول

عقیدہ الٰہ پر معمول بہا احادیث پر زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

صفاتِ باری تعالیٰ اور خبرِ آحاد:

عقیدہ کسی بھی مذھب کی اساس اور بنیاد ہوتا ہے۔ جس کا قطعی ہونا اور ہر قسم کے وہم واحتمال سے پاک ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے اوپر یقین کی بنیاد رکھی جاسکے، یہاں ظنی دلیل کفایت نہیں کرے گی، چونکہ خبر آحاد کا تعلق ظن سے ہے۔ قطعی دلائل میں سے قرآن اوراحادیثِ متواترہ ہیں۔ لہٰذا صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے جو بھی ہمارے عقائد کی بنیاد ہوگی وہ قرآن واحادیث متواترہ پر ہوں گی۔ اس بارے میں اہل علم کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے۔

۱۔امام رازی (م۶۰۶ھ) فرماتے ہیں: **اخبار الآحاد مظنونة فلم یجز التمسک بھا فی معرفة اللہ تعالیٰ و صفاته۔** اخبار آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہیں لھٰذا ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اوراس کی صفات کے بارے میں استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

(رازی، محمد بن عمر، فخر الدین: اساس التقدیس فی علم الکلام، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ص۱۲۷)

۲۔علامہ تفتازانی (م۷۹۳ھ) فرماتے ہیں: **لاعبرة بالظن فی الاعتقادیات۔** اعتقادیات میں ظن معتبر نہیں ہے۔ (تفتازانی، مسعود بن عمر، سعد الدین: شرح المقاصد، دار معارف النعمانیہ، پاکستان، ۱۴۰۱ھ، ۱/۶)

۳۔محمد بن احمد سفارینی حنبلی (م۱۱۸۸ھ) فرماتے ہیں: **کل مایطلب فیه الجزم یمتنع التقلیدفیه ،والاخذفیه بالظن، لانه لایفید، وانمایفیده دلیل قطعی۔** ہر ایسا معاملہ جس میں جزم مطلوب ہو اس میں تقلید اور ظن سے استدلال کرنا ممتنع ہوتا ہے کیونکہ ظن جزم کا افادہ نہیں کرتا، جزم کا بس دلیل قطعی افادہ کرتی ہے۔

(سفارینی، محمد بن احمد، حنبلی: لوامع الانوار البہیہ، مؤسسۃ الخافقین ومکتبتہا، دمشق، ۱۴۰۱ء، ص۱)

مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں: جسم وجسمانیات ومکان وجہات واعضاء وآلات وتمام عیوب ونقصانات سے پاک ومنزہ ہے یہ سب اوراس کی مثل جو کچھ وارد ہوا ان میں جو کچھ روایۃً ضعیف ہے اور زیادہ وہ ہی ہوگا اور صریح تشبیہ کی صاف تصریحیں کہ تاویلی محاروں سے بعید پڑیں اسی میں ملیں گی اُسے تو یہ خدا کے موافق بندے ایک جو کے برابر نہیں سمجھتے اور جو کچھ روایت صحیح مگر خبر احاد ہوا سے بھی جبکہ متواترات سے موافق المعنےٰ نہ ہو پایہ قبول پر جگہ نہیں دیتے۔

فان الاحاد لا تفید الاعتماد فی باب الاعتقاد و لو فرضت فی اصح الکتب باصح الاسناد ترجمہ: اعتقاد کے بارے میں اخبارِ آحاد اگرچہ صحیح کتاب اور صحیح سند سے ہوں وہ اعتماد کے لئے مفید نہیں ہیں۔ رہ گئے متواترات، اور وہ نہیں مگر معدودے چند، اور وہ بھی معروف و مشہور محاوراتِ عرب کے موافق تاویل پسند مثل "ید" و "وجہ" و "عین" و "وساق" و "استوی" و "اتیان" و "نزول" وغیرہا، ان میں تاویل کیجئے تو راہ روشن، اور تفویض کیجئے تو سب سے احسن، نہ یہ کہ منہ بھر کر خدا کو گالی دیجئے اور اس کے لئے صاف صاف مکان مان لیجئے، یا اٹھتا، بیٹھتا، چڑھتا، اترتا، چلتا، ٹھہرتا، تسلیم کیجئے۔ اللہ عزوجل اتباعِ حق کی توفیق دے اور مخالفتِ اہلسنت سے ہر قول و فعل میں محفوظ رکھے، آمین!

(بریلوی، احمد رضا، مولانا: فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۲۹/۱۷۹)

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ عقائد کے لیے قرآن کے علاوہ احادیث متواترہ ہی معتبر ہیں۔ اور بالخصوص صفات باری تعالی کے متعلق تو اخبار احاد کو قبول نہیں کیا گیا جبکہ اس کے خلاف شیخ زبیر کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔ شیخ زبیر اسی بات پر اعتراض کرتے ہوئے امام بیہقی کے خلاف لکھتے ہیں: "بے شک (سیدنا) زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو نبی ﷺ سے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی طرف اپنے کان لگا دیے، حتیٰ کہ اس آدمی نے اپنی حدیث بیان کر کے ختم کر دی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ (حدیث) سنی ہے؟ تو اس آدمی نے کہا: جی ہاں! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اور اس طرح کی باتیں ہمیں نبی ﷺ سے حدیث بیان کرنے سے روکتی ہیں، قسم ہے کہ تُو (یا میں) نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے اور میں اس دن حاضر تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کی ابتداء (شروع) میں ہمیں اہل کتاب کے ایک آدمی سے حدیث سنائی، تم اس دن اس وقت آئے جب حدیث کا ابتدائی حصہ اور اہل کتاب کے آدمی کا ذکر ختم ہو چکا تھا، لہٰذا تم یہ سمجھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔"

(بیہقی، احمد بن حسین: کتاب الاسماء والصفات، مکتبۃ الصوادی، جدہ، ۱۹۹۳ء، ۲/۴۵۰، رقم الحدیث: ۷۶۴)

اس روایت کے متصل بعد کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہوا ہے کہ: "شیخ (غالباً بیہقی) نے کہا: احتمال کی اس وجہ سے ہمارے اصحاب (متکلمین اشاعرہ) کے اہل نظر نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبار آحاد سے حجت پکڑنا ترک کر دیا، اگر جس میں تفرد ہو، اس کی اصل (اللہ کی) کتاب یا اجماع میں نہ ہو، اور وہ اس کی تاویل میں مشغول ہوئے، اور اس راویت میں جو نقل کیا گیا، یہ تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر تھک جاتے ہیں، یا عمل سے تھکان پہنچتی ہے تا کہ لیٹ کر اور اپنی ٹانگیں ایک دوسرے پر رکھ کر آرام کریں، یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ اس نے زمین و آسمان پیدا کرنے

کے بعد آرام فرمایاتو اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا قرار دیااور فرمایا:اور یقیناَ ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایااور ہمیں کوئی کمزوری لاحق نہیں ہوئی۔پس یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو۔"

(الاسماء والصفات،ص۴۵۰)

روایتِ مذکورہ(جس کی طرف اشارہ کیا گیا)سے مراد وہ منکر(ضعیف)روایت ہے،جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات پیدا کیے تو لیٹ گیا اور ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھ دی۔(الاسماء والصفات،ص۴۴۸)

ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا،لہٰذا یہ روایت منکر ومردود ہے۔

امام بیہقی کی اس عبارت میں مذکورہ کلام:اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبار احاد سے حجت پکڑنا ترک کردیا"کئی وجہ سے غلط ہے۔"(زئی،زبیر،حافظ:مقالات،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۲۰۱۱ء،۴/۲۵)

شیخ زبیر کا یہ کہنا کہ ''ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا،لہٰذا یہ روایت منکر ومردود ہے۔"کیا شیخ زبیر امام بیہقی کو محدث نہیں مانتے جبکہ امام بیہقی نے یہ روایت نقل کرکے لکھا کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق ہمارے عقیدہ قرآن،متواتر احادیث اور اجماع سے ہوگا نہ کہ صرف خبر آحاد سے جبکہ امام بیہقی کی تائید امام رازی امام تفتازانی وغیرہ جیسے محقق کررہے ہیں۔

اللہ عرش پر ہے:

شیخ زبیر کا عقیدہ ہے کہ اللہ عرش پر ہے جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ کا عقیدہ تھا،اس پر شیخ نے جو دلائل دیے ہیں وہ عرش پر ہونے کے نہیں بلکہ علو کے جس کو سب مانتے ہیں،شیخ زبیر یہ بتانا چاہتے ہیں جو عرش پر ہے وہ ہی علو یعنی بلند ہے۔شیخ زبیر لکھتے ہیں:"اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے۔وہ اس عقیدے پر پانچ دلیلیں رکھتے ہیں:

۱۔قرآن ۲۔سنت ۳۔اجماع ۴۔عقل ۵۔فطرت

قرآن: اللہ کے بلند ہونے کے اثبات میں قرآن میں ہر قسم کی دلیلیں موجود ہیں۔بعض آیات میں(سبح اسم ربک الاعلی)اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کرجو اعلیٰ ہے۔(اعلی:۱)علو کا لفظ موجود ہے اور بعض آیات میں (وھوالقاھر فوق عبادہ)اور وہ زبردست ہے،اپنے بندوں کے اوپر ہے۔(الانعام:۱۸)

اس میں وقیت (بلندی) کا لفظ موجود ہے اور بعض آیات میں اللہ کی طرف اشیاء کا چڑھنا اور بلند ہونا مذکور ہے، مثلا (تعرج الملائکۃ والروح الیہ) فرشتے اور روح اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔ (المعارج:۴) اور اسی طرح اللہ کا فرمان: (**الیہ یصعد الکلم الطیب**) اور پاک کلمے اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ (فاطر:۱۰) اس کی دلیل ہے۔ بعض آیات میں اللہ کے پاس سے اشیاء کا نزول مذکور ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (یدبر الامر من السماء الی الارض) اور وہ امور کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے۔ (السجدہ:۵)

سنت: سنت، حدیث کی تینوں قسموں: قول، فعل اور تقریر میں یہ عقیدہ مذکور ہے۔

قول: رسول اللہ ﷺ سجدوں میں (سبحان ربی الاعلیٰ) پاک ہے میرا رب اعلیٰ، پڑھتے تھے۔"

(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء، ۱/۱۵)

شیخ زبیر اپنی بات میں وزن ڈالنے کیلئے اہلسنت کا نام استعمال کر رہے ہیں وگرنہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلوانا پسند کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں اہل حدیث کیلئے میری جان قربان۔ اہلسنت کا عقیدہ امام ابن فورک اور امام بیہقی سے زیادہ شیخ زبیر تو نہیں جانتے چنانچہ امام بیہقی نے امام ابن فورک سے نقل فرمایا کہ انہوں نے بعض ائمہ اہلسنت سے حکایت کی:

"استویٰ بمعنی علو ہے اور اس سے مسافت کی بلندی یا مکان میں ہونا مراد نہیں بلکہ یہ کہ وہ حد و نہایت سے پاک ہے، عرش و فرش کا کوئی طبقہ اُسے محیط نہیں ہو سکتا، نہ کوئی مکان اسے گھیرے، اِسی معنی پر قرآنِ عظیم میں اُسے آسمان کے اوپر فرمایا، یعنی اس سے بلند وبالا ہے کہ آسمان میں سما سکے۔" (بیہقی: کتاب الاسماء والصفات ۲، /۱۵۳)

اور خود امام بیہقی کا بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کریم ذات کے لحاظ سے ہر چیز سے بالاتر ہے۔ لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ بلند وبالا سے مراد عرش پر بیٹھنا ہے؟ یا مکان سے پاک ہے۔ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم بلند وبالا ہے اور مکان و جسمیت سے پاک ہے، چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں: "میرا قول وہ ہی پہلا ہے کہ اللہ عزوجل نے عرش کے ساتھ فعل استواء کیا اور ایک عرش ہی کیا وہ تمام اشیاء سے بالا اور سب سے جدا ہے بایں معنی کہ نہ اشیاء اس میں حلول کریں نہ وہ ان میں، نہ وہ اِن سے مس کرے نہ اُن سے کوئی مشابہت رکھے، اور یہ جدائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء سے ایک کنارے پر ہو، ہمارا رب حلول، مس و فاصلہ اور عزلت سے بہت بلند ہے۔۔ جل واعلیٰ" (بیہقی: کتاب الاسماء والصفات ۲، /۱۵۳)

امام بیہقی رحمہ اللہ اس کی مزید وضاحت کیلئے امام ابو الحسن علی بن محمد طبری سے نقل کرتے ہیں: "مولیٰ تعالیٰ عرش پر علو رکھتا ہے مگر نہ اس پر بیٹھا ہے نہ کھڑا، نہ اس سے لگا ہوا نہ اس معنی پر جدا کہ اس سے ایک کنارے پر ہو یا دور ہو کہ الگ

ہونا اور اٹھنا بیٹھنا تو جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ احد صمد ہے، نہ جنا نہ جنا گیا، نہ اس کے جوڑ کا کوئی، تو جو باتیں اجسام پر رواں ہیں اللہ پر روا نہیں ہو سکتیں۔" (بیھقی: کتاب الاماء واصفات، ۲/۱۵۲)

مولانا احمد رضا اللہ کریم کے علو کے بارے میں لکھتے ہیں:

استویٰ بمعنی علو ہے، اور علو اللہ عز و جل کی صفت ہے نہ علو مکان بلکہ علو مالکیت و سلطان۔ (بریلوی: فتاویٰ رضویہ، ۲۹/۱۲۵)

اللہ کے علو کے بارے میں ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ائمہ اہلسنت اللہ کے علو کے خلاف نہیں نعوذ باللہ، اگر خدا کی ذات علو نہیں تو پھر کون ہے؟ شیخ زبیر صرف اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کیلئے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، ان مثالوں کے بعد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خدا آسمان پر ہے۔ جو کہ اہلسنت کا عقیدہ نہیں بلکہ ائمہ اہسنت نے وضاحت سے اپنے عقیدے کو بیان کیا ہے کہ اللہ کو آپ آسمان پر مان رہے ہیں آسمان پر ماننے کا مطلب ہے کہ اللہ کے لئے جسمیت ماننا جو کہ خدا کے لئے جائز نہیں۔

شیخ زبیر اس پر لکھتے ہیں: "فطرت: فطرت کے سلسلے میں جتنا بیان کریں اتنا کم ہے۔ ایک بوڑھی عورت جو نہ تو پوری قرأت کے ساتھ قرآن جانتی ہے اور نہ اسے سنت کا (بخوبی) علم ہے، نہ اس نے سلف کی کتابیں مثلاً "فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" پڑھا ہے تاہم وہ جانتی ہے کہ اللہ آسمان پر ہے۔

تمام مسلمان جب اللہ سے دعا کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ کوئی مسلمان بھی زمین کی طرف ہاتھ اٹھا کر "اللہم اغفرلی" اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے، کبھی نہیں کہتا۔

تعجب ہے کہ ان واضح دلائل کے باوجود بصیرت کے اندھے بعض لوگ اللہ کے علو (بلند ہونے) کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں: "ذات کے ساتھ اللہ کا بلند ہونا ممکن نہیں" اگر کوئی انسان یہ کہے کہ "بے شک اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے" تو وہ اسے کافر کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس نے اللہ کی حد بیان کر دی ہے۔" (زئی: مقالات، ۱/۱۶)

شیخ زبیر نے جو فطرت کی دلیل دی ہے اس کا جواب شیخ زبیر کے پیدا ہونے سے پہلے محققینِ دین دے چکے ہیں، چنانچہ امام سعد الدین عمر تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

"اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اور جہت منتفی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت کا ثبوت ملتا ہے اور باوجود اختلاف آراء اور تفریق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کیلئے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی

طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے ماوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جہت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو اِن سے خطاب کرنے کے لئے زیادہ مناسب اوران کے عرف کے زیادہ قریب ہے اوران کو دینِ حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جہت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سے سب سے اشرف ہے اس لئے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی طرف اس لئے متوجہ ہوتے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔کیونکہ تمام خیرات وبرکات اورانوار اور بارشیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔" (تفتازانی، مسعود بن عمر، امام: شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الرضی، قم، ایران، ۱۴۰۹ھ، ۴/۵۰)

ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لئے اپنے چہروں اوراپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جہت نہیں ہے لیکن چونکہ علو اور بلندی کو باقی جہات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اسلئے دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا، اس کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔اس کے بندوں کو اس کی ضرورت تھی تاکہ وہ دعا کے وقت حیران نہ ہوں کہ وہ کس کیطرف منہ کریں جیسے اس نے کعبہ کو پیدا کیا تاکہ لوگ عبادت کے وقت اس کی طرف منہ کریں۔حالانکہ اللہ کا حقیقت میں گھر ہے نہ اس کو اس کی ضرورت ہے۔اسی طرح اس نے آسمان کو پیدا کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ اپنی دعاؤں میں کس طرف متوجہ ہوں۔

اللہ ہر مکان میں ہے:

شیخ زبیر نے یہ دعویٰ کیا کہ جو اللہ کے علو(بلندی) کو نہیں مانتے (نعوذ باللہ) وہ اللہ کی حدبندی کر رہے ہیں اور وہ اللہ کو ہر مکان میں مانتے ہیں: "جو شخص اللہ کو (اپنی ذات کے لحاظ سے) اوپر مانتا ہے کیا وہ اللہ کے محدود ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے؟ کبھی نہیں اللہ اوپر ہے، کسی نے اس کا احاطہ نہیں کیا۔اللہ کو محدود کہنے والا وہ شخص ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "اللہ ہر مکان میں ہے ۔اگر تو مسجد میں ہے تو اللہ مسجد میں ہے اوراگر تو بازار میں ہے تو اللہ بازار میں ہے، والخ۔اہل سنت کہتے ہیں کہ "اللہ آسمان پر ہے ،مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کرسکتی" یہ اعلیٰ درجے کی تنزیہ (اللہ کو ہر عیب سے پاک سمجھنا) ہے۔علو صفت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وللہ المثل الاعلیٰ) اوراعلی مثال اللہ ہی کے لئے ہے۔(النحل:۶۰) یعنی کامل ترین صفت اللہ ہی کیلئے ہے اور یہ سماعی دلیل ہے۔رہی عقل کی بات تو وہ اس کا قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ رب تعالیٰ کی کامل و مکمل صفات ہونی چاہئیں۔

(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، ۱/۱۸)

شیخ زبیر بات کو گھمانے کے ماہر ہیں، محققین کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ ہر مکان میں ہے بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ مکان سے پاک ہے جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ ابن فورک کے حوالے سے لکھتے ہیں: استویٰ بمعنی علو ہے اور اس سے مسافت کی بلندی یا مکان میں ہونا مراد نہیں بلکہ یہ کہ وہ حد و نہایت سے پاک ہے، عرش و فرش کا کوئی طبقہ اُسے محیط نہیں ہو سکتا، نہ کوئی مکان اسے گھیرے، اِسی معنی پر قرآنِ عظیم میں اُسے آسمان کے اوپر فرمایا، یعنی اس سے بلند و بالا ہے کہ آسمان میں سما سکے۔

(بیہقی: کتاب الصفات: ۲/ ۱۵۳)

امام بیہقی کا دوٹوک مؤقف:

امام بیہقی اپنا مؤقف دوٹوک انداز میں پیش کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں: اور بعض ائمہ اہلسنت نے اللہ عزوجل سے نفی مکان پر نبی ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا کہ اپنے رب عزوجل سے عرض کرتے ہیں تو ہی ظاہر ہے تَو کوئی تجھ سے اوپر نہیں، اور تو باطن ہے تو کوئی تیرے نیچے نہیں۔ جب اللہ عزوجل سے نہ کوئی اوپر ہوا نہ کوئی نیچے تو اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہ ہوا۔ (بیہقی: کتاب الاسماء والصفات، ۲/ ۱۴)

اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے، دیگر ائمہ اہلسنت کی طرح مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بھی موقف یہ ہی ہے، لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کا تمام امکنہ زیر و بالا کو بھرے ہونا بداہۃً محال ہے ورنہ وہی استحالے لازم آئیں گے، اب اگر مکان بالا میں ہو گا تو اشیاء اس کے نیچے ہوں گی اور مکان زیریں میں ہو تو اشیاء اُس سے اوپر ہوں گی اور وسط میں ہوا تو اوپر نیچے دونوں ہوں گی حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: نہ اس سے اوپر کچھ ہے نہ نیچے کچھ۔ تو واجب ہوا کہ مولیٰ تعالیٰ مکان سے پاک ہو۔

(بریلوی، احمد رضا، مولانا: فتاویٰ رضویہ، ۲۹/ ۱۵۴)

شیخ زبیر کس طرح اپنے فاسد مقاصد کیلئے اہلسنت کا نام لے کر ان پر جھوٹ گھڑ رہے ہیں، یہ تو اہلسنت کا عقیدہ ہی نہیں کہ اللہ ہر مکان میں ہے جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے وضاحت کی، مولانا احمد رضا خاں مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مومن سُنی کو ان سے بحمد للہ یوں روشن راستہ ہدایت کا ملتا ہے کہ جب آیات و احادیث عرش و کعبہ و آسمان و زمین و ہر موضع و مقام کے لئے وارد ہیں تو تین حال سے خالی نہیں۔ ا۔ یا تو ان میں بعض کو ظاہر پر محمول کریں اور بعض میں تفویض و تاویل۔ ۲۔ یا سب ظاہر پر ہوں۔ ۳۔ یا سب میں تفویض و تاویل۔

اول: تحکم بیجا و ترجیح بلا مرجح اور اللہ عزوجل پر بے دلیل حکم لگا دینا ہے، اور شق دوم قطع نظر اُن قاطعہ قاہرہ دلائل زاہرہ تنزیہ الٰہی کے یوں بھی عقلاً و نقلاً ہر طرح باطل کہ مکینِ واحد وقتِ واحد میں امکنہ متعددہ میں نہیں ہو سکتا تو ہر جگہ

ہونا اُسی صورت پر بنے گا کہ ہوا کی طرح ہر جگہ بھرا ہوا اور اس سے زائد شنیع وناپاک اور بداہتہ باطل کیا بات ہو گی کہ ہر نجاست کی جگہ ہر پاؤں کے تلے، ہر شخص کے منہ، ہر مادہ کے رحم میں ہونا لازم آتا ہے، اور پھر جتنی جگہ مکانوں پہاڑوں وغیرہ اجسام سے بھری ہوئی ہے بعینہ اس میں بھی ہو تو تداخل ہے اور نہ ہو تو اس میں کروڑوں ٹکڑے پرزے جوف سوراخ لازم آئیں، اور جو نیا پیڑ اُگے نئی دیوار اُٹھے تیرے معبود کو سمٹنا پڑے ایک نیا جوف اس میں اور بڑھے اور اب استواء کے لئے عرش اور دار کے لئے جنت بیت کے کعبے کی کیا خصوصیت رہے گی۔ لا جرم شق سوم ہی حق ہے۔"

(بریلوی، احمد رضا، مولانا: فتاویٰ رضویہ، ۲۹/ ۱۵۴)

مولانا احمد رضا نے ہر جگہ خدا والے الزام کو جڑ سے پھینک کر رکھ دیا کہ "ہر جگہ ہونا اُسی صورت پر بنے گا کہ ہوا کی طرح ہر جگہ بھرا ہوا اور اس سے زائد شنیع وناپاک اور بداہتہ باطل کیا بات ہو گی"۔ مولانا احمد رضا اہلسنت کی ترجمانی کرتے ہوئے صریح لکھ رہے ہیں کہ یہ عقیدہ شنیع وناپاک ہے کہ خدا ہر جگہ ہے، دوسری طرف شیخ زبیر اس عقیدہ کو اہلسنت کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔!!!

الٹی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق:

شیخ زبیر کی عجب غضب کہانی ہے کہ جو چاہا لکھ ڈالا، شیخ زبیر لکھتے ہیں: "اگر کوئی انسان یہ کہے کہ "بیشک اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے" تو وہ اسے کافر کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس نے اللہ کی حد بیان کر دی ہے۔"

(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ۱/ ۱۷)

الٹی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق کے مصداق شیخ زبیر کی کہانی ہے۔ شیخ زبیر کا یہ کہنا کہ "اگر کوئی انسان یہ کہے کہ "بیشک اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے" تو وہ اسے کافر کہتے ہیں"۔ حالانکہ فتویٰ اس کے الٹ پر ہے، مولانا احمد رضا رحمہ اللہ بحر ائق، عالمگیری، فتاویٰ قاضی خاں کی عبارات نقل کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے مکان مانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(بریلوی: فتاویٰ رضویہ، ۲۹/ ۱۳۸)

اس لئے کہ اس نے اللہ کریم کیلئے جسمیت کا عقیدہ بنالیا۔ شیخ زبیر نے کہا کہ "اگر کوئی انسان یہ کہے کہ "بیشک اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے" تو وہ اسے کافر کہتے ہیں" حالانکہ یہ بات ہی نہیں، اللہ کریم کی ذات کے بلند ہونے سے کسی نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا بلکہ کفر کا فتویٰ اس پر ہے جو رب عزوجل کیلئے مکان کا عقیدہ رکھے۔ شیخ زبیر نے کس طرح چالاکی سے کام لیا جو کہ ایک بہت بڑی خیانت اور دھوکہ دہی ہے۔

اجماع سے ثابت اللہ عرش پر ہے!

شیخ زبیر اپنے مقالہ کا ٹائٹل دے رہے ہیں اللہ عرش پر ہے اور بات کر رہے ہیں کہ اللہ کے علو پر اجماع ہے۔ بات ہو رہی ہے کہ کیا اللہ کا مکان ہے اگر آپ مکان مانتے ہیں تو یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کا جسم ہے اور یہ مجسمہ گمراہ فرقے کا عقیدہ ہے، لیکن بات کو گھماتے ہوئے لیجاتے ہیں "علو" پر، اللہ کریم علو نہیں تو اور کون ہے؟ اس پر اختلاف ہی نہیں لیکن شیخ کی چالاکی!:

"اجماع: اجماع کے سلسلے میں عرض ہے کہ تمام سلف صالحین، صحابہ، تابعین اور ائمہ دین کا اس پر اجماع ہے۔ اجماع کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی علو والے دلائل میں ظاہر سے مجاز کیطرف کلام پھیر نا مروی اور ثابت نہیں ہے۔ ہماری کتاب میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اجماع کے معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ اگر کوئی پوچھنے والا آپ سے پوچھے کہ یہ کون کہتا ہے کہ انہوں نے اجماع کیا ہے؟ کون کہتا ہے کہ ابو بکر (ضی اللہ عنہ) اللہ کو بذاتہ بلند سمجھتے تھے؟ اور کون کہتا ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے؟ اور کون کہتا ہے کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے یہ بات کہی ہے؟ اور کون کہتا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) یہ عقیدہ رکھتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان (صحابہ و تابعین) سے علو والے دلائل کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان آیات واحادیث کا اثبات کرتے ہوئے انہیں ظاہر پر محمول کرتے تھے۔ عقل کے سلسلے میں عرض ہے کہ بلند (عالی) ہونا صفتِ کمال ہے اور اس کی ضد (بلند نہ ہونا) صفتِ نقص ہے اور اللہ تعالیٰ صفتِ نقص سے مبرہ (بری) ہے۔ اور سلطنت کا تمام علو ہوتا ہے۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بادشاہوں کے لئے بلند تخت بچھائے جاتے ہیں جن پر وہ بیٹھتے ہیں۔ (زئی: مقالات، ۱/۱۶)

اللہ کریم علو ہے اور وہ مکانوں اور زمانوں سے مستغنی ہے۔ اس پر اجماع ہے نہ کہ اللہ کا مکان ہے اس پر۔ دیکھیے شیخ زبیر کس طرح کا اجماع پکا کر رہے ہیں جبکہ امام بیہقی کا عقیدہ بھی ملاحظہ کریں۔ اللہ کے علو اور مکانوں اور زمانوں سے مستغنی ہونے پر۔ امام بیہقی فرماتے ہیں:

نام الٰہی متعالی (علو) کہ یہ معانی ہیں کہ اللہ عزوجل اس سے پاک و منزہ ہے کہ جو باتیں مخلوقات کے لئے روا ہیں جیسے جورو، بیٹا، اولاد، اعضاء، تخت پر بیٹھنا، پردوں میں چھپنا، ایک مکان سے دوسرے کی طرف انتقال کرنا (جس طرف چڑھنے، اترنے، چلنے، ٹھہرنے میں ہوتا ہے) اس پر روا ہو سکیں، اسلئے کہ ان میں بعض باتوں سے نہایت لازم آئے گی بعض سے احتیاج بعض سے بدلنا متغیر ہونا اور ان میں سے کوئی امر اللہ عزوجل کے لائق نہیں، نہ اس کے لئے امکان رکھے۔

(بیہقی: کتاب الاسماء والصفات، ۱/۲۷، ۱۷)

مزید وضاحت کے ساتھ امام بیہقی اپنا عقیدہ لکھتے ہیں:

"معرفت الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ آپ اسے موجود سمجھیں۔ قدیم سمجھیں۔ ہمیشہ ہے۔ فنا نہیں ہوگا۔ ایک ہے۔ صمد ہے اور ایسا ایک ہو جو وہم و گمان میں اور تصور میں نہیں آسکتا۔ تقسیم نہیں ہو سکتا۔ حصے، ٹکڑے نہیں ہو سکتا۔ وہ جوہر نہیں، عرض نہیں ہے (قائم بالغیر) جسم نہیں ہے۔ قائم بنفسہ ہے۔ غیر سے بالکل مستغنی ہے۔ زندہ ہے، قادر ہے، عالم ہے، مرید (ارادہ کرنے والا) ہے، سمیع ہے، بصیر ہے۔ متکلم ہے۔ اس کی حیات ہے۔ قدرت ہے، علم ہے، ارادہ ہے سمع ہے، بصر ہے، کلام ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ وہ ان صفات کے ساتھ، مخلوق کی کوئی صفات اس کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔ یہ نہیں کہا جائے کہ صفات وہی ہیں اور نہ ہی غیر ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ اس سے جدا ہیں۔ یا مجاوز ہیں، یا مخالف ہیں، موافق ہیں۔ یا اس کو حلول کر چکی ہیں، بلکہ یہ اس کی تعریف و ثنا ہیں، ازلی ہیں اور اس کی صفات ابدی میں اسی کے ساتھ قائم ہیں اسی کے وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ اسی کے دوام کے ساتھ دائم ہیں۔ نہ ہیں اعراض میں نہ ہی اغیار ہیں۔ نہ اعضاء میں اترنے والی ہیں۔ ذہنوں میں خیال و تصور کے اعتبار سے غیر مکلف ہیں یعنی ان کی کیفیت کا تصور ذہن میں نہیں آسکتا۔ ان کی تمثیل وہموں کے لئے غیر مقدور ہے۔ اس کی قدرت مقدورات کو عام شامل ہے۔ اور اس کا علم معلومات کے لئے عام ہے اور شامل ہے۔ اور اس کا ارادہ تمام مرادات کو شامل ہے۔ وہ ہی ہوتا ہے جو کچھ وہ ارادہ کرتا ہے۔ جو کچھ نہیں ہوتا اس کا وہ ارادہ ہی نہیں کرتا۔ وہ حدود اور جہات واطراف سے اور غایت سے وراء ہے۔ مکانوں اور زمانوں سے مستغنی ہے۔ نہیں پا سکتیں اس کو حاجات اور نہیں چھو سکتے اس کو منافع اور نقصانات۔ نہیں لاحق ہوتیں اس کا لذات۔ نہ ہی تقاضے نہ ہی شہوات ایسی کوئی کیفیت اس پر جائز نہیں جو حادث چیزوں پر جائز ہیں۔ اور حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں اس کا مطلب ہے کہ نہ حرکت درست ہے اس پر نہ ہی سکون، نہ ہی اجتماع نہ ہی افتراق نہ ہی برابری نہ ہی معاملہ۔ نہ ہی ایک دوسرے کو چھونا۔ نہ ایک دوسرے کا مجاور ہونا پڑوسی ہونا نہ ہی کوئی حادث شئ اس کے ساتھ قائم ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی ازلی صفت اس سے باطل ہوتی ہے۔ اس پر عدم صحیح نہیں ہے محال ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ یا بیوی ہو، یا شریک ہو، اپنے سوا ہر زندہ کو موت دینے پر قادر ہے۔ اپنے سوا ہر شئ کو فنا کر سکتا ہے۔ فنا کے بعد دوبارہ اجسام کو بنا سکتا ہے۔ ہر شئ کی مثال بغیر کسی کمی کوتاہی کے پیدا کر سکتا ہے۔ ہر شئ پر قادر ہے۔ اس کی بادشاہت ہے اسی کا حکم ہے۔ ہر انعام اس کا فضل ہے، ہر اکرام اس کی طرف سے انصاف ہے۔ اور اس کی طرف نسب ظلم صحیح نہیں ہے۔"

(بیہقی، احمد بن حسین، امام: شعب الایمان، فصل فی معرفۃ اللہ عزوجل و معرفۃ صفاتہ واسمائہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۷ء، ۱/ ۱۱۳)

امام بیہقی نے واضح بتادیا کہ میرا عقیدہ ہے "اللہ علو ہے اور میرا خدا مکانوں اور زمانوں سے مستغنی ہے۔ اور یہ ہی عقیدہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ شیخ زبیر نے دعویٰ اجماع کا کیا کہ "اللہ عرش پر ہے" اور دلائل دیے علو کے جس پر سب متفق ہیں، یہ کیسا اجماع ہے شیخ کا، دعویٰ اللہ عرش پر اور دلائل علو والے!

شیخ زبیر اور شیخ ابن تیمیہ کا عقیدہ:

شیخ زبیر کا وہ ہی عقیدہ ہے جو شیخ ابن تیمیہ کا تھا کہ " اللہ عرش پر ہے" وہ ذاتی طور پر مکان رکھتا ہے، جس کو شیخ زبیر پروان چڑھا رہے ہیں اور اس عقیدہ کو خوبصورت بنانے کیلئے ایک نیا طریقہ نکالا ہے کہ اللہ علو ہے جس پر کسی کو اختلاف نہیں لیکن اپنے عقیدہ کو پختہ کرنے کیلئے شیخ کا یہ نیا ڈھونگ کہہ سکتے ہیں۔ شیخ زبیر اپنے شیخ ابن تیمیہ کے عقیدہ کو جو پروان چڑھا رہے ہیں ان کے بارے میں علماء کیا رائے رکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی، پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا جس طرح میں اترا ہوں اللہ تعالیٰ اسی طرح اترتا ہے، اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت کا قائل ہے۔"

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: الدرر الکامنہ، ۱/ ۱۵۲، مطبوعہ دار الجیل، بیروت، س ن)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

"ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا، لیکن اس کی عقل میں کمی تھی، دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے اس کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے کہا ان اعتراضات کے جواب دو، اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ اور کوئی جواب نہیں دیا، دوبارہ کہا دوبارہ اس نے یہ ہی جواب دیا اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا، میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن ان کے پیچھے جمعہ پڑھا، یہ مسجد کے منبر پر واعظ کر رہا تھا، دورانِ وعظ اس نے کہا اللہ آسمانِ دنیا سے اس طرح اترتا ہے یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا، پھر اس سے ابن الزھراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا۔ اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعزیر لگانے کا حکم دیا۔ اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں: اس نے کلمہ وحدہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا، قبر انور کی زیارت کرنے والوں کیلئے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا، ملک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا۔"

(ابن بطوطہ، محمد بن عبد اللہ: رحلہ، مطبوعہ، داراحیاء العلوم، بیروت، س ن، ۱/ ۱۱۲)

امام ابو عبد اللہ شمس الدین محمد الذھبی (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

''حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا، اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں، یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا، اور مصر، قاہرہ، اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دمشق میں ۷۲۸ھ میں فوت ہوا، اس کے بہت سے متفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک کے قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔''

(ذھبی، محمد بن احمد: تذکرۃ الحفاظ، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ۴/ ۱۴۹)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، پیر، چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا، تو اس نے کہا میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام کے خواص میں سے ہے، اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے تحیز او انقسام کا قائل ہے، بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی ﷺ سے مدد نہیں مانگنی چاہیے، اس کے قول میں نبی ﷺ کی تنقیص ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم کا انکار ہے، بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سترہ مقامات میں خطا کی، اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی، انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے، اور ان کی جنگ حکومت کے لئے تھی دین کے لئے نہیں تھی، نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مال سے محبت کرتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا۔''

(ابن حجر عسقلانی: الدرر الکامنہ، مطبوعہ دارالجیل، بیروت، س ن، ۱/ ۱۵۵)

علامہ احمد شہاب الدین حجر ہیتمی مکی (۹۷۴ھ) اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''احمد ابن تیمیہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا، اور گمراہ کیا اور اندھا اور بہرہ کیا اور ذلیل کیا، اس کی بڑے بڑے ائمہ نے تصریح کی ہے مثلا امام مجتہد سبکی، اور ان کے بیٹے تاج سبکی اور امام عزبن جماعہ اور ان کے معاصرین اور دیگر شافعی، مالکی اور حنفی علماء، اس شخص نے اکثر اکابر صوفیاء کو بدعتی کہا مثلا عارف ابو الحسن شاذلی کو اور ابن عربی، ابن

الفارض، ابن سبعین، الحلاج حسین بن منصور کو، اس کے معاصر تمام علماء نے اس کو فاسق اور بدعتی کہابلکہ بہت سے علماء نے اسکو کافر کہا، اس کے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہامیں نے خود اس سے جامع الجبیل کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے سناہے اس نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا: انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں، اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین سو سے زیادہ غلطیاں کیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جسمیت اور جہت اور منتقل ہونے کا قول کیا، اور اس نے کہا اللہ عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا ہے اور اس نے کہا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی اور انبیاء غیر معصوم ہیں، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی وجاہت نہیں اور نہ آپ ﷺ کے ساتھ توسل کیا جائے، اور اس نے کہا نبی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا معصیت ہے اور اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عنقریب آپ ﷺ کی شفاعت سے قیامت کے دن محروم ہو گا، اور اس نے کہا کہ تورات اور انجیل کے الفاظ تبدیل نہیں ہوئے صرف معانی تبدیل ہوئے ہیں۔"

(ابن حجر مکی: فتاویٰ حدیثیہ، ص ۱۰۰، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ، مصر، س ن)

علمائے کرام کی تصریحات ومشاہدات سے معلوم ہوا کہ شیخ ابن تیمیہ کاعقیدہ اور مجسمہ گمراہ فرقے کاعقیدہ ملتاجلتا تھا، اور اسی عقیدہ کی پیروی شیخ زبیر بھی کر رہے ہیں، جو دلائل اپنے عقیدے کے دفاع میں شیخ ابن تیمیہ دیتے تھے وہ ہی دلائل شیخ زبیر دے رہے ہیں۔

اللہ آسمان پر ہے:

شیخ زبیر نے اپنے عقیدہ "اللہ عرش پر ہے" اور "اللہ آسمان پر ہے" میں یہ دعویٰ کیا کہ میرے پاس قرآن وسنت سے دلائل ہیں، قرآن سے جو دلائل دیے آپ نے ملاحظہ کیے کہ دلیل دینی تھی کہ اللہ عرش پر ہے یا اللہ آسمان پر ہے، شیخ نے دلیل دی اللہ علو ہے، دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں، شیخ کی دوسری دلیل سنت سے اور وہ بھی تقریری سنت سے:

"تقریر: آپ ﷺ نے ایک لونڈی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے ؟ اس لونڈی نے کہا: آسمان پر ہے، تو آپ ﷺ نے لونڈی کی تعریف کی۔" (القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۵۳۷/ ۳۳)

یہ تقریری حدیث ہے جو اللہ کے عرش پر ہونے کی دلیل ہے۔" (زئی: مقالات، ۱/ ۱۵)

شیخ زبیر کی اس دلیل پر حدیث کے ماہرین کی کیا رائے ہے ؟ اور وہ اس حدیث کی کس طرح شرح کر رہے ہیں، ؟ اور وہ حدیث کے ماہرین اپنا عقیدہ کیا بیان فرما رہے ہیں ؟ ان کی زبانی پڑھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق:

حضور اکرم ﷺ نے جب اس لونڈی سے پوچھا: "اللہ کہاں ہے؟" تو جاریہ نے کہا: "آسمان میں۔" "تو حضور اکرم ﷺ نے اس پر ایمان کا حکم لگایا تاکہ وہ تعطیل میں نہ پڑ جائے، کیونکہ اس لونڈی میں عقل و فہم کی کمی تھی۔ اس لئے کہ وہ تشبیہ سے پاک تنزیہ کو سمجھنے کے لائق نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔"

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: فتح الباری شرح صحیح البخاری،، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ' ' ۱۳/ ۴۰۲)

امام نووی کی تحقیق:

"اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا: "اللہ کہاں ہے؟" اس لونڈی نے کہا: آسمان میں پھر حضور ﷺ نے پوچھا: "میں کون ہوں؟"۔ اس نے کہا: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کو آزاد کردو، کیونکہ یہ مومنہ ہے"۔ یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے۔ اس میں دو مذاہب ہیں جیسا کہ کتاب الایمان میں کئی بار بحث گزرچکی ہے

پہلا مذھب:

ان صفات پر ان کے معانی میں غور و خوض کئے بغیر ایمان لانا ہے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک اور منزہ سمجھنا ہے۔

دوسرا مذھب:

تاویل کرنا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ جس شخص نے یہ کہا گویا اس کی مراد یہ ہے کہ اس لونڈی کا امتحان لینا تھا۔ آیا وہ لونڈی موحدہ ہے۔ وہ اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ خالق، مدبر، فعال وہی اللہ ہے جو یکتا ہے۔ وہ ذات ہے جب دعا مانگنے والے دعا مانگتے ہیں تو وہ آسمان کی طرف منہ کر لیتے ہیں جیسا کہ نمازی جب نماز پڑھتا ہے تو کعبہ کیطرف منہ کرکے نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں ہے جو آسمان میں منحصر ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کعبہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس لئے کہ آسمان دعا مانگنے والوں کا قبلہ ہے جیسا کہ کعبہ نمازیوں کا قبلہ ہے۔

یا وہ لونڈی بتوں کی پوجا کرنے والی ہے، ان بتوں کی جو ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ جب اس نے کہا: آسمان میں۔ تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ موحدہ ہے اور وہ بتوں کی پوجا کرنے والی نہیں ہے۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: شرح صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ۵/ ۲۴)

امام ابن فورک رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۶ھ) کی تحقیق:

"اس طرح اس لونڈی کا قول: "آسمان میں" اشارہ کرکے بتلانا اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عظمت ہے۔

اس لونڈی رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف اشارہ اسلئے کیا تھا کہ وہ گونگی تھی۔ پس اس کا اشارہ کرنا اس جیسے معانی کی طرف دلالت کرتا ہے۔ جب ایسا ہے تو ان الفاظ کو اس کے علاوہ معانی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے جس سے حد، تشبیہ، مکان میں تمکن واستقرار اور کیفیت کا معنیٰ نکلتا ہو۔ (ابن فورک، محمد بن حسن بن فورک، انصاری: مشکل الحدیث وبیانہ، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۵ء، ۱۵۸تا ۱۶۱)

علامہ بدرالدین بن جماعہ کی تحقیق:

"اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو جہت کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس دلیل کو بہت ہی عمدہ جانا ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ بعثت کے شروع کے زمانہ میں یہ بات زیادہ اہم تھی کہ عام لوگوں سے اس بات کا مطالبہ تھا کہ وہ وجود باری تعالیٰ کا اثبات اور توحید الوہیت کا اقرار کریں۔ اس لئے عام لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ روا رکھا گیا جس سے وہ انس اور الفت رکھتے ہوں اور ان سے وجود باری تعالیٰ کے ثبوت اور توحید الوہیت کے اعتقاد کے اقرار کو کافی سمجھا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی عقلیں اور ذہن ان دقیق بحثوں، دلائل اور تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتیں جن سے وہ مانوس نہیں ہیں۔ پس ان سے ابتدائی طور پر توحیدِ باری تعالیٰ کے اجمالی اثبات پر ہی اکتفاء کیا گیا۔ اس لئے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت ہی نہ تھی کہ ان سے صرف وہی طلب کیا جائے جس کو ان کے ذہن اور عقل قبول کرتے ہوں۔

جب اس لونڈی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو نبی ﷺ نے یہ معلوم کر لیا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت کا عقیدہ موجود ہے، اور زمین کے معبودوں کی اس کے دل میں نفرت ہے جن کی مشرک لوگ پوجا کرتے ہیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے توحید کا اثبات جان لیا تو اس سے اپنی ذاتِ مقدس کا سوال کیا تاکہ اس سے نبوت کا بھی اقرار معلوم ہو جائے جو اسلام کا دوسرا عقیدہ ہے۔ پھر جب اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ۔ تو اس کے مسلمان ہونے کا آپ ﷺ کو علم ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی مراد لفظ: "این" سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی منزلت اور رتبہ کے بارے میں سوال کرنا تھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں، فلاں سے کہاں ہے؟ زید تجھ سے کہاں ہے؟ کلام میں وسعت پیدا کرنے کیلئے۔ اس سے

مراد صرف رتبے اور منزلت کا سوال کرنا ہے۔ اور انسان اپنے ساتھی سے کہتا ہے: میرا مقام تجھ سے کہاں ہے؟ وہ کہتا ہے: آسمان میں۔ اس سے اس کی مراد اعلیٰ مقام کی ہوتی ہے۔"

(ابن جماعہ، کنانی، محمد بن ابراہیم، ابوعبداللہ: التنزیہ فی ابطال حجج التشبیہ، ص۴۷۹ تا ۴۸۱، دارالبصائر، قاہرہ، مصر، ۱۴۳۱ھ)

کسی محدث نے مذکورہ بالا روایت سے یہ اخذ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، بلکہ انہوں ے اس سے اس لونڈی کی مراد "علیٰ مقام ہے" کی ہے جبکہ اس طرح کی واضح آیات تو قرآن میں بھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ- وہ اللہ آسانوں اور زمینوں میں ہے۔ (انعام ۶:۳)

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ- ہم اس کی شہہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ (ق۵۰:۱۶)

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ- سجدہ کر اور قریب ہو۔ (علق۹۶:۱۹)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ- جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے متعلق تو میں قریب ہوں۔ (بقرہ۲:۱۸۶)

أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ- تم دونوں میرے گھر کو صاف کرو۔ (بقرہ۲:۱۲۵)

حدیث جاریہ کے ظاہری الفاظ سے مسائل کو اخذ کرنے والے ان آیات کے ظاہر سے بھی مسائل اخذ کریں! کیونکہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ زمین پر بھی ہے، اللہ کا گھر ہے، اللہ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، تو معلوم ہوا کہ جس طرح حدیث جاریہ کا ظاہری معنی محدثین اور فقہاء نے نہیں لیا اسی طرح ان آیات کے بھی ظاہری معنی مراد نہیں۔ اسی طرح کئی احادیث ہیں جن سے اگر حدیث جاریہ کی طرح ظاہری معنی سے عقیدہ بنالیا جائے تو رب کی حویلی، چہرہ وغیرہ بھی ماننا پڑے گا چنانچہ احادیث میں اس طرح کے مضامین موجود ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے رب پر اذن طلب کروں گا اس کی حویلی میں، تو مجھے اس کے پاس حاضر ہونے کا اذن ملے گا۔

(بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۷۴۴۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور تمام سامان چاندی کا ہے، دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور تمام سامان سونے کا ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار اور قوم میں صرف کبریائی کی چادر ہو گی جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہو گی۔

(بخاری: ۷۴۴۴)

اے لوگو! اپنے آپ پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، تم تو پکارتے ہو سمعی و قریب کو، وہ تمہارے پاس ہے۔ (بخاری: ۲۹۹۲)

وہ ذات جسے تم پکارتے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی قریب تر ہے۔ (مسلم: ۲۷۰۴)

بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہوتا ہے جب وہ سجدہ کرتا ہے، تو دعا زیادہ کرو۔ (مسلم: ۴۸۲/ ۲۱۵)

میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ (بخاری: ۷۴۰۵)

اے بندے میں تیرے گمان کے ساتھ ہوں جو تو میرے متعلق کرتا ہے اور میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں جب تو مجھے یاد کرتا ہے۔ (حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ: المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء، رقم الحدیث: ۱۸۲۸)

اگر ظاہر پر محمول کرنا ہے تو ان آیات واحادیث کو بھی ظاہر پر رکھیں، اور خدا کیلئے جسم کو ثابت کریں! حالانکہ اہل علم نے ان جیسی آیات واحادیث کو عقیدہ تفویض (پس ایمان لانا ہے اور ظاہر پر محمول نہیں کرنا) پر عمل کیا، یا ان کی وہ تاویل کی جو اللہ رب العزت کی شان کے لائق ہے۔

اللہ کا صرف علم ہی محیط ہے؟

شیخ زبیر علی زئی کا عقیدہ ہے کہ اللہ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔ اس کے علم سے کوئی مکان خالی نہیں۔ (زئی: مقالات، ۶/ ۴۴)

شیخ اپنے اس عقیدہ کو امام مالک کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ ان کا عقیدہ بھی یہ ہی تھا۔ جو سراسر غلط ہے یہ عقیدہ ان کی طرف ایک ضعیف راوی نے منسوب کیا جن کو امام بخاری، امام احمد بن حنبل کمزور اور ضعیف کہتے ہیں۔ (ذھبی، محمد بن احمد: میزان الاعتدال، دار المعرفہ والنشر، بیروت، ۱۹۶۳ء، ۲/ ۵۱۳، رقم: ۴۶۴۷)

جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ ان کے ثقہ شاگردوں نے جو روایت کیا ہے وہ یہ ہے:

"حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سندِ صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت یحیٰ بن یحیٰ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھے کہ ایک شخص آیا تو اس نے کہا:

اے ابو عبد اللہ! قرآن مجید میں ہے: الرحمٰن علی العرش استویٰ (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ اور اس کا استواء کیسا ہے؟ تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا: "استواء مجہول نہیں ہے اور کیفیت غیر معقل ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے

سوال کرنا بدعت ہے۔ اے سائل! تو بلاشبہ ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے"۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "اس کو یہاں سے نکال دو۔" (بیہقی، احمد بن حسین، ابو بکر: الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد علی مذھب السلف واصحابہ الحدیث، طبع دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۴۰۱ء، ص ۱۱۶)

شیخ زبیر نے اللہ کے علم کا احاطہ فقط ازروئے علم کیا ہے، جبکہ اس میں اللہ کی قدرت کا بھی انکار کر رہا ہے، اللہ عزوجل کی صفتِ بصر کا بھی انکار ہے۔ جبکہ اللہ کریم قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے: أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ۔ سن لو وہ شک میں ہیں اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں اور سن لو اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔ (فصلت ۵۴:۴۱)

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا۔ اللہ ہر شئی کو محیط ہے۔ (نساء ۱۲۶:۴)

وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ۔ اللہ ان کے آس پاس سے محیط ہے۔ (بروج ۲۰:۸۵)

ان تینوں آیتوں میں اللہ عزوجل کا محیط ہونا ثابت ہے جبکہ احاطۂ علم کی آیات جدا ہیں۔

احاطۂ علم، اللہ کریم فرماتا ہے: وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ (طلاق ۱۲:۶۵)

اللہ عزوجل کی بصر بھی محیط ہے، اللہ کریم فرماتا ہے: إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ۔ اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ (ملک ۲۰:۶۷)

اللہ عزوجل کی قدرت بھی محیط ہے: إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ (بقرہ ۲۰:۲)

اللہ کریم کی خالقیت بھی محیط ہے، اللہ کریم فرماتا ہے: خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ. اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ (انعام ۱۰۲:۶)

مالکیت بھی محیط ہے، اللہ کریم فرماتا ہے: بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ۔ اُسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ ہے۔ (یس ۳۶:۸۳)

صرف احاطۂ علم کو ماننے کا مطلب باقی تمام صفاتِ الٰہیہ کا انکار ہے۔ تو اللہ جس طرح ازروئے علم محیط ہے یونہی ازروئے قدرت وازروئے سمع وازروئے بصر بھی محیط ہے۔ تو فقط علم میں احاطہ منحصر کر دینا اِن سب صفات وآیات سے منکر ہو جانا ہے۔

خلاصۂ تحقیق:

- اللہ کریم اپنے علم، قدرت، ملکیت، خالقیت، سمع وبصر کی طاقت سے ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ کریم ہر چیز سے بلند وبالا ہے، اللہ کریم مکان، جسمیت وجہت سے پاک ہے، اللہ کریم زندہ ہے، قادر ہے، عالم ہے، مرید (ارادہ کرنے والا) ہے، سمیع ہے، بصیر ہے۔ متکلم ہے۔ اس کی حیات ہے۔ قدرت ہے، علم ہے، ارادہ ہے سمع ہے، بصر ہے، کلام

ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ وہ ان صفات کے ساتھ، مخلوق کی کوئی صفات اس کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔ وہ ہی ہوتا ہے جو کچھ وہ ارادہ کرتا ہے۔ جو کچھ نہیں ہوتا اس کا وہ ارادہ ہی نہیں کرتا۔

- وہ حدود اور جہات واطراف سے اور غایت سے وراء ہے۔ مکانوں اور زمانوں سے مستغنی ہے۔ محال ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ یا بیوی ہو، یا شریک ہو، اپنے سوا ہر زندہ کو موت دینے پر قادر ہے۔ اپنے سوا ہر شئی کو فنا کر سکتا ہے۔ فنا کے بعد دوبارہ اجسام کو بنا سکتا ہے۔ ہر شئی کی مثال بغیر کسی کمی کوتاہی کے پیدا کر سکتا ہے۔ ہر شئی پر قادر ہے۔ اس کی بادشاہت ہے اسی کا حکم ہے۔ ہر انعام اس کا فضل ہے، ہر اکرام اس کی طرف سے انصاف ہے۔
- باوجود اختلاف آراء اور تفریق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کیلئے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے ماوراء ہے حتی کہ جو چیز کسی سمت اور جہت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو اِن سے خطاب کرنے کے لئے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب ہے اور ان کو دینِ حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جہت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سے سب سے اشرف ہے اس لئے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا۔ چونکہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور تمام خیرات وبرکات اور انوار آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔
- استویٰ بمعنی علو ہے اور اس سے مسافت کی بلندی یا مکان میں ہونا مراد نہیں بلکہ یہ کہ وہ حد ونہایت سے پاک ہے، عرش وفرش کا کوئی طبقہ اُسے محیط نہیں ہو سکتا، نہ ہی کوئی مکان اسے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔
- اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق موجود ہے لیکن جگہ سے پاک ہے۔
- اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے ایک ایک چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔
- کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، وہ ہر چیز پر تصرف رکھتا ہے۔
- ہمہ وقت وہ مطلع رہتا ہے، اور اس کا علم بدلتا نہیں۔
- اللہ تعالیٰ بھول سے پاک وصاف ہے۔
- وہ ہمارا ماضی، حال اور مستقبل جانتا ہے۔

فصل دوم

عقیدہ رسالت کے متعلق معمول بہا احادیث پر زبیر زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا:

اللہ کریم کی بارگاہ میں قُرب حاصل کرنے یا اپنی کسی پریشانی، حاجت یا ضرورت کے وقت مراد کے حصول کے لیے بوقتِ دعا کسی مقبول عمل، نبی یا صالح بزرگ کا واسطہ پیش کرنا توسل ہے۔ جمہور اہل ایمان کا قرون اُولیٰ سے ہی اس پر اجماع ہے کہ اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے، جبکہ جمہور ائمہ و محدثین اعمالِ صالحہ کی طرح اشخاص سے بھی توسُّل کے جواز کے قائل و فاعل ہیں اور ان کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے آئے ہیں، اس پر ان کے پاس قرآن، حدیث اور صحابہ و سلف صالحین سے دلائل موجود ہیں دوسری طرف شیخ زبیر علی زئی ہیں جو کہ ان تمام دلائل کی مخالفت اور معمول بہا روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک سوال کا جواب دیتے ہیں:

سوال: نبی اکرم ﷺ کے وسیلے اور آپ کے صدقے سے دعا کرنا کیسا ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے وسیلے اور آپ کے صدقے سے دعا کرنا قرآن، حدیث، اجماع اور آثار سلفِ صالحین سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا»، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ۔

(بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ: الجامع الصحیح، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۱۰۱۰)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ استسقاء کرتے (یعنی نماز استسقاء پڑھتے) تو فرماتے: اے اللہ ہم تیری طرف نبی ﷺ (کی دعا) کے ذریعے سے توسل کرتے تھے تو تُو ہمیں پانی پلاتا تھا اور ہم نبی ﷺ کے چچا کے ذریعے (یعنی ان کی دعا) سے توسل کرتے ہیں لھٰذا ہم پر پانی نازل فرما۔ پھر بارش ہوتی تھی۔" (زئی، زبیر، حافظ: توضیح الاحکام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ۱/ ۴۷۰)

شیخ زبیر نے دعویٰ کیا کہ قرآن، حدیث، اجماع اور آثار صالحین سے قطعاً نبی ﷺ کا وسیلہ لینا جائز نہیں، جبکہ معاملہ اس کے الٹ ہے۔ قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ صالحین سے نبی ﷺ کا وسیلہ لینا جائز و معمول رہا ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود آپ ﷺ کے وسیلہ سے رب کی بارگاہ میں دعائیں کرتے رہے ہیں اور رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کے صدقے سے ان کی دعاؤں کو قبول کیا ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے قرآنِ کریم کے ماہر مفسرین کی رائے درج ذیل پیش کی جاتی ہے۔

علامہ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) امام ابن جریر طبری آیت وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ (ترجمہ: حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب قرآن کے وسیلے سے) کافروں پر فتحیابی (کی دعا) مانگتے تھے، سو جب ان کے پاس وہی نبی تشریف لے آیا جسے وہ (پہلے ہی سے) پہچانتے تھے تو اسی کے منکر ہو گئے)۔" (البقرہ ۲:۸۹)

اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہودی آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ کے توسل سے دعا کرتے تھے:

"أن يهود كانوا يستفتحون على الأوس والخزرج برسول الله صلى الله عليه وسلم قبل مبعثه. فلما بعثه الله من العرب، كفروا به، وجحدوا ما كانوا يقولون فيه۔ یہود حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل قبیلہ اوس اور خزرج پر فتح حاصل کرنے کیلئے آپ ﷺ کے توسل سے دعائیں کرتے تھے۔ جب اللہ نے عربوں میں سے آپ ﷺ کو بعثت عطا فرمائی تو انہوں نے (حسداً) آپ ﷺ کا انکار کر دیا اور اس بات سے مکر گئے جس کا وہ خود اقرار کیا کرتے تھے۔"

(ابن جریر طبری: جامع البیان فی تسیر القرآن ۱/۳۲۵)

امام ابو بکر محمد بن حسین آجری (۳۶۰ھ)

امام ابو بکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ چوتھی صدی ہجری کے ایک عظیم امام اور محدث ہیں۔ آپ اپنی کتاب (الشریعہ) میں حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہود کا آپ ﷺ کے توسل سے اللہ سے مدد و نصرت طلب کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل یہود عربوں سے لڑا کرتے تھے۔ جب عرب یہود کو شکست دیتے تو یہود ایک دوسرے کو کہتے: آؤ ہم اپنی لڑائی میں عربوں کے خلاف اللہ سے محمد ﷺ کے وسیلہ سے مدد طلب کریں، جن کا ذکر ہم اپنی

کتابوں میں پاتے ہیں کہ ان کا ظہور عربوں میں سے ہو گا۔جب ان کا آپس میں ٹکراؤ ہو تا تو وہ یہ دعا کرتے :اللھم بحق محمدالنبی الامی الذی وعدتناانک تخرجه الانصرتنا علیھم (اے اللہ !اگر تو نے ہمیں عربوں پر فتح ونصرت عطانہ کی تو ہم تجھ سے محمد ﷺ جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایاہے،کے توسل سے دعاکرتے ہیں (کہ ہمیں فتح ونصرت سے ہمکنار کر)،تو اللہ ان کی دعا قبول فرماتا۔لھٰذا اللہ یہود کی عربوں کے مقابلہ میں مدد فرماتا۔لیکن جب حضور نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان یہود نے آپ ﷺ کو نبی برحق جانتے ہوئے بھی حسداً آپ ﷺ کا انکار کر دیا حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت کا ان کے ہاں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔اس پر اللہ نے ان پر لعنت کی اور یہ آیت نازل فرمائی وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ اوران پر اترنے والی کتاب قرآن کے وسیلے سے) کافروں پر فتحیابی (کی دعا) مانگتے تھے،سوجب ان کے پاس وہیں تشریف لے آیا جسے وہ (پہلے ہی سے) پہچانتے تھے تو اسی کے منکر ہو گئے)۔"

(آجری، محمد بن حسین: کتاب الشریعہ، مطبوعہ انصارالسنہ، لاہور، س ن، ص ۴۴۶)

علامہ اسماعیل حقی (۱۱۳۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی تفسیر روح البیان میں نبی اکرم ﷺ سے توسل کے جواز پر بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وہ یہود آپ ﷺ کی آمد سے قبل آپ ﷺ کے وسیلہ سے کافروں یعنی مشرکین عرب اور کفار مکہ پر مدد ونصرت طلب کرتے تھے۔(جب وہ ان سے لڑتے تو)یوں دعا کرتے: اے اللہ! آخری زمانے میں بھیجے جانے والے جس نبی کی صفت ہم (اپنی کتاب)تورات میں پاتے ہیں،انکے وسیلہ سے ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما۔(وہ یہود) اپنے مشرکین دشموں سے کہتے تھے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ وہ نبی اس بات کی تصدیق کرتا ہوا تشریف لائے گا جو ہم بیان کرتے ہیں۔پھر ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں قومِ عادوارم کی طرح قتل کریں گے۔" (اسماعیل حقی: تفسیر روح البیان: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۹۸۹ء، ۱/۱۷۹)

مذکورہ مفسرین نے جو تفسیر بیان کی ہے وہ ہی تفسیر درج ذیل مفسرین بیان کرتے ہیں: امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی (۳۳۳ھ) اپنی تفسیر "تاویلات اھل السنہ، ۱/۷۰، امام جاراللہ محمد بن عمر زمخشری (۵۳۸ھ) نے "الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ۱/۱۶۴، علامہ ابن عبد الرحمٰن ابن جوزی (۵۹۷ھ) نے "الوفاء باحوال المصطفیٰ" ۱/۴۴، امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے "التفسیر الکبیر" ۳/۱۸۰، امام عبد اللہ بن محمود النسفی (۷۱۰) نے "مدارک التنزیل وحقائق التاویل

"۱/۶۷، علامہ ابن قیم جوزیہ (۷۵۱ھ) نے "ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصاریٰ" ص۴۹۳، علامہ اسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ) نے "تفسیر روح البیان" ۱/۱۷۹، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) نے "التفسیر المظہری" ۱/۹۴، شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی (۱۲۳۹ھ) نے "فتاویٰ عزیزی" ص۳۲۹، علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) نے "تفسیر روح المعانی" ۱/۳۲۰ میں نبی ﷺ کے وسیلہ کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے بلکہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی جاتی تھی اور اللہ کریم ان دعاؤں کو قبول فرماتا تھا۔

نبی ﷺ کی وفات کے بعد وسیلہ:

دعاؤں میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہ معمول رہا ہے، اس کے جواز کے متعلق امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:

"(اے طالبِ حق!) تو جان لے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل، استعانت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی درخواست جائز اور مستحسن ہے۔ اس کا جواز اور حسن اُن امور میں سے ہے جو ہر مومن کو معلوم ہے اور انبیاء و مرسلین، سلف صالحین، علماء اور عامۃ المسلمین کا طریقہ ہے۔"

(سبکی، علی بن عبد الکافی، ابو الحسن: شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، دائرہ معارف نظامیہ، حیدر آباد، بھارت، ۱۳۱۵ھ، ص۱۶۱)

علامہ سبکی رحمہ اللہ مزید بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ سے توسل ہر حال میں جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اور میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سے توسل، آپ کی تخلیق سے قبل اور تخلیق کے بعد، آپ ﷺ کی دنیوی زندگی میں اور وصال کے بعد برزخی زندگی میں، اور موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے یعنی قیامِ قیامت اور دخولِ جنت کے وقت، ہر حال میں جائز ہے۔" (سبکی، علی بن عبد الکافی، ابو الحسن: شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، دائرہ معارف نظامیہ، حیدر آباد، بھارت، ۱۳۱۵ھ، ص۱۶۱)

علامہ زاہد الکوثری نبی ﷺ کی وفات کے بعد وسیلہ کے جواز کے متعلق لکھتے ہیں قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ- اور تلاش کرو اس کی طرف وسیلہ۔ (المائدہ ۵:۳۵)

لفظ "وسیلہ" اپنے عموم کی وجہ سے توسل بالذات اور توسل بالاعمال دونوں کو شامل ہے، بلکہ شریعت میں اس سے پہلے شخصیات کا وسیلہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ صرف زندوں کا وسیلہ ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ ہو سکتا ہے ہے

جو یہ کہے کہ ارواح اجسام سے الگ ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حشر و نشر بھی کوئی چیز نہیں اور ارواح کے اجسام سے جدا ہونے کے بعد ادراکات جزئیہ بھی فنا ہو جاتے ہیں اور یہ بات دلائل شرعیہ کے انکار کو مستلزم ہے۔"

(زاہد الکوثری، محمد زاہد بن الحسین بن علی: محقق التقول فی مسئلۃ التوسل، اکبر بک سیلرز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۲۷۹)

علامہ ابن تیمیہ نے مسئلہ توسل پر کتاب "قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلہ" میں اللہ پاک کے ارشاد يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ کے تحت کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں اللہ پاک کے ارشاد (مائدہ: ۳۵) اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا صرف حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اتباع کی وجہ سے ہے۔ اور آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ پر ایمان کی وجہ سے یہ توسل ہر ایک پر ہر حال میں ظاہراً باطناً اور آپ ﷺ کی حیات میں اور وفات کے بعد موجودگی اور غیبوبت میں فرض ہے۔"

(ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، حرانی: قاعدہ جلیلۃ فی التوسل والوسیلہ، ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۵)

شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی (۱۲۰۶ھ) رسائل شیخ محمد بن عبد الوھاب القسم الخامس میں صفحہ ۱۲ پر توسل کے جواز اور اپنے اوپر لگائے الزامات سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"سلیمان بن سحیل نے بعض ایسے امور کے بارے میں مجھ پر افتراء باندھا ہے جو میں نے بیان نہیں کیے ان میں سے اکثر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ ان میں سے یہ ہے کہ جو صالحین سے توسل کرتا ہے میں اس کی تکفیر کرتا ہوں اور میں امام بوصیری کی ان کے شعر یا اکرم الخلق کی وجہ سے تکفیر کرتا ہوں اور یہ کہ میں دلائل الخیرات جلاتا ہوں۔ ان تمام الزامات کے بارے میں میرا جواب یہ ہے کہ سبحانک ھٰذا بھتان عظیم۔" (ترجمہ: اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے)"

(نجدی، محمد بن عبد الوہاب، شیخ: الرسالۃ الأولی، القسم الخامس، ۱۲)

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (۵۶۱ھ) بھی اس بات کے قائل تھے کہ آج بھی دعاؤں میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ دیکر دعا کرنی چاہیے چنانچہ زیارت قبر انور کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ جائے تو مسجد نبوی ﷺ میں جانا مستحب ہے اور اس مبارک مسجد میں داخل ہوتے وقت دعا اور درود شریف پڑھے۔ مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے اور دعا اور درود شریف کے بعد اب امام الانبیا ﷺ کے روضہ انور پر حاضر ہو اور منبر شریف کے قریب اس طرح کھڑا ہو کہ وہ بائیں طرف ہو اور اپنا منہ روضہ انور کی طرف کرے پھر اس طرح بارگاہ **سرور کونین ﷺ میں عرض کرے:**

اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکت نازل ہو۔اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ اولاد پر بھی رحمتیں نازل فرماجیسا کہ تونے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی۔بیشک توہی ہر تعریف کے لائق ہے۔اے اللہ! ہمارے آقاو سردار حضرت محمد ﷺ کو ہمارے لیے وسیلہ بنااور دنیاو آخرت میں ان کا مقام بلند فرمااور انہیں مقام محمود عطافرما جس کا تونے ان سے وعدہ کیاہے۔اے اللہ! میں تیرے نبی کے وسیلہ سے جو کہ نبی علیہ الرحمہ ہیں تیری طرف رجوع کرتاہوں۔یارسول اللہ! میں آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے رب کی طرف رجوع کرتاہوں کہ وہ میرے گناہوں کو معاف کردے اور مجھ پر رحم فرمادے۔" (جیلانی، عبدالقادر، شیخ: غنیۃ الطالبین، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن، ۱/۳۶)

قرآن پاک کی آیات اور مفسرین کی آراء سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی ﷺ کا وسیلہ آج بھی لیاجاسکتاہے، اور کتب حدیث میں صحیح روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ مانگاکرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو نبی ﷺ کا وسیلہ سکھایاکرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا مشہور واقعہ جو کتب حدیث میں موجود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابی کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑگیاتو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے روزہ انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیایارسول اللہ ﷺ اپنی امت کیلئے بارش کی دعاکیجئے۔

"عَنْ مَالِكِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: " ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ "، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ۔مالک الدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوارک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آگیا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر گیااور عرض کیایارسول اللہ! اپنی امت کیلئے بارش کی دعاکیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہورہے ہیں، نبی ﷺ اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہواور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی، اوران سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس

گئے اوران کو یہ خبر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔" (ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، ابو بکر، امام: الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ، رقم الحدیث: ۳۲۰۰۲)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کیلئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہورہے ہیں، نبی ﷺ اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، عمر کے پاس جاؤاوران کو میری طرف سے سلام کہو، اوران کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہو گی اوران سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو، اس شخص نے جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے میرے رب میں صرف اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔"

(ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء: البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۸ء، ۷/ ۹۲۔۹۱)

علمِ حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیاہے اوراس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر انور پر جاکر آپ ﷺ سے بارش کی دعا کیلئے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اوراپنا خواب بیان کیااور حضرت عمر نے اس کو مقرر رکھااوراس پر انکار نہیں کیااس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحبِ قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"بذلك وروى بن أَبِي شَيْبَةَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ مَالِكٍ الدَّارِيِّ وَكَانَ خَازِنُ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَلَهُ ائْتِ عُمَرَ الْحَدِيثَ وَقَدْ رَوَى سَيْفٌ فِي الْفُتُوحِ أَنَّ الَّذِي رَأَى الْمَنَامَ الْمَذْكُورَ هُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ أَحَدُ الصَّحَابَةِ۔

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر کے خازن مالک الدار سے روایت کیاہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا ایک شخص نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! اپنی امت کیلئے بارش کی دعا کیجئے، کیونکہ وہ ہلاک ہورہے ہیں، پھر اس شخص کو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس

جاؤ، الحدیث۔۔ سیف نے فتوح میں روایت کیاہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: فتح الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، ۲/ ۴۹۶/ مکتبہ شاملہ ۲/ ۴۹۵)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سندا صحیح قرار دیاہے اوران دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار درخور اعتناء ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابی کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا

امام سلیمان بن احمد المعروف امام طبرانی (۳۶۰ھ) رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب معجم الصغیر میں روایت بیان کرتے ہیں کہ:

"حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھااور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے،اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے، ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی،اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی، حضرت عثمان بن حنیف نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جاکر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤاور وہاں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ کہو اے اللہ !میں تجھ سے سوال کرتاہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد ﷺ کے وسلیہ سے تیری طرف متوجہ ہوتاہوں،اے محمد میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوتاہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اوراپنی حاجت کاذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتی کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں وہ شخص گیااوراس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیادربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اوران کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایااور پوچھاتمہاراکیاکام ہے ؟اس نے اپناکام ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس کاکام کردیااور فرمایاتم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کاذکر نہیں کیاتھااور فرمایاجب بھی تمہیں کوئی کام ہوتوتم ہمارے پاس آجانا، پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلاگیااور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تواس نے کہااللہ تعالیٰ آپ کوجزائے خیر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتی کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، حضرت عثمان بن حنیف نے کہابخدا!میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی ،لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا، آپ ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص آیااوراس نے اپنی نابینائی کی آپ ﷺ سے شکایت کی ، نبی ﷺ نے فرمایاکیاتم

اس پر صبر کروگے؟ اس نے کہا یارسول اللہ مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو، حضرت عثمان بن حنیف نے کہا ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آگیا درآں حالانکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔" (طبرانی، سلیمان بن احمد، امام: المعجم الصغیر، المکتب الاسلامی دار عمار، بیروت، ۱۴۰۵ھ، باب الطاء من اسمہ الطاہر، رقم الحدیث: ۵۰۸)

اس روایت کے بارے میں امام طبرانی لکھتے ہیں: وَالْحَدِیثُ صَحِیحٌ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ نے (الترغیب والترہیب ج۱ ص ۴۷۴، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۰۷ھ) میں اور حافظ الہیثمی نے (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ بیروت) میں اس حدیث کو بیان کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ان واقعات سے یہ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کا وسیلہ مانگا کرتے تھے اور یہ ان کا معمول رہا ہے بلکہ وسیلہ کی دعا سکھایا کرتے تھے۔ اور ان احادیث کو بہت بڑے بڑے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔

ائمہ فقہ و محدثین کا نظریہ:

ائمہ فقہ اور محدثین نے جب بھی روضہ رسول ﷺ کی حاضری کا طریقہ سکھایا ہے تو اس میں انہوں نے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے کا طریقہ بھی بتایا اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے۔ چنانچہ امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی (۶۷۶ھ) رحمہ اللہ "المجموع" میں توسل بالنبی اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر استشفاء کے جواز پر رقمطراز ہیں:

"اور جان لے کہ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت تمام قربتوں سے بڑھ کر اہم ترین قربت ہے اور تمام کوششوں سے بڑھ کر کامیاب ترین کوشش ہے۔ پھر کہا: اس کے بعد زائر آپ ﷺ کی قبر انور کے پاس آئے، قبلہ کی طرف پشت کرکے کھڑا ہو، اور قبر انور کی دیوار اس کے سامنے ہو اور اپنی نگاہ کو مقام ہیبت اور جلال پر مرکوز کرکے یوں کہے: السلام علیک یارسول اللہ "یارسول اللہ! آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔" پھر (زائر) حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی جان کیلئے وسیلہ پکڑے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کو وسیلہ بنا کر پیش کرے۔" (نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: المجموع، دارالفکر، بیروت، س ن، ۸/ ۲۰۲)

علامہ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) "المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی" میں حضور ﷺ سے استشفاء، آپ ﷺ کی قبر انور سے توسل اور دیگر مسلمانوں کو توسل اور استمداد کی ترغیب دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"(قبر انور کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ) تو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس آ، اور اپنی پشت قبلہ کی طرف کر اور قبر کے وسط کی طرف منہ کر کے یہ کہہ: اے نبی! آپ پر سلامتی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں۔ اے اللہ عزوجل کے نبی اور اس کی مخلوق میں سے سب سے بہتر آپ پر سلامتی ہو۔ یہاں تک کہہ کے پھر یہ کہے: اے اللہ! تو ہماری طرف سے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو وہ افضل ترین جزا عطا فرما جو تو نے انبیاء و مرسلین میں سے کسی کو عطا فرمائی ہے اور انہیں اس مقام محمود تک پہنچادے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا تھا۔ وہ مقام جس کی وجہ سے پہلے اور بعد میں آنے والے لوگ آپ ﷺ پر رشک کرتے ہیں۔ یہاں تک کہہ کر پھر یہ کہہ 'اے اللہ!' تیرا یہ قول حق ہے: اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناپر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔) اور یارسول اللہ! تحقیق میں آپ کی بارگاہ اقدس میں اپنے گناہ کی بخشش کیلئے اللہ کے حضور آپ کو وسیلہ بنا کر پیش کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ یہ نص نقل کر کے ابن قدامہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: (اے معترض) حضور نبی اکرم ﷺ سے شفاعت طلب کرنا ملاحظہ کر، حالانکہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہیں۔"

(ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المقدسی: لمغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۲۹۸/۳)

امام کمال الدین ابن ھمام حنفی (۶۸۱ھ) رحمہ اللہ "فتح القدیر" میں بیان کرتے ہیں کہ سائل اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے اپنی حاجت پیش کرے، پھر حضور اقدس ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے اور اس طرح عرض کرے: "یارسول اللہ! اسالک الشفاعۃ یارسول اللہ! اتوسل بک الی اللہ۔" یارسول اللہ! میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور یارسول اللہ! میں آپ کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناتا ہوں۔

(ابن ھمام، محمد بن عبد الواحد، کمال الدین: فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن، ۳۳۷/۲)

شیخ عبدالحق محدث دھلوی اکابر اسلاف میں سے ہیں۔ ان کے اقوال کو تمام مکاتب فکر معتبر سمجھتے ہیں۔ آپ "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح" میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ سے توسل و استمداد کے جواز پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں، یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں جو کچھ ہم سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ اور اس سے

اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور اس سے اللہ کے ولی کا وسیلہ پیش کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ !تونے اپنے اس بندہ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف و کرم کیا ہے اس کے وسلیہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کریم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی !میری شفاعت کریں اور اللہ تعالی سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت برلائے، سو عطا کرنے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا (ہر دو صورتوں میں) صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے اور قادر، فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے فعل، سطوت، قدرت اور غلبہ میں فانی اور ہالک ہیں اور ان کو اب قبر میں افعال پر (اس جیسی) قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت تصرف حاصل تھا جب وہ زندہ تھے۔" (محدث دھلوی، عبد الحق: اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، پاکستان، ۱۹۷۶ء، ۳/۴۰۱)

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"دعا کی قبیح ترین بدعات میں سے دعا میں اللہ کے سامنے بعض مخلوق کا وسیلہ پکڑنا اگرچہ یہ پہلی قسم سے کچھ کم ہے، مثلا کسی نبی، نیک انسان یا فرشتہ وغیرہ کے ذریعے توسل پکڑنا یہ بدعت لوگوں کے درمیان پھیل چکی ہے، بلکہ بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ جو آدمی اللہ کے دربار میں نبی ﷺ کا وسیلہ نہیں پکڑتا تو وہ ظالم حق کا منکر اور سنت کا مخالف ہے۔

ایسے لوگوں سے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اس طرح نہیں ہوتی اور نہ اس کا نام محبت ہے، اتباع تو آپ ﷺ کی سنت پر عمل اور آپ کے احکام کے اطاعت کا نام ہے، آپ ﷺ نے ہمیں اپنی تعظیم میں اس درجے کا مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے جو کہ شرک اور نافرمانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

(زئی: زبیر، حافظ: عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان کار، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۲۵۷)

توسل اور استمداد کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و مستحب ہونے پر دلائل دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

"امداد و استمداد کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مسلتزم ہوتا جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے تو چاہیے یہ تھا کہ صالحین سے طلب دعاء اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا، حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و مستحب ہے۔ اور اگر منکر یہ کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ سے معزول ہو جاتے ہیں اور زندگی میں جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی وہ باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے؟ اور اگر یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و بلیلات میں مبتلاء ہوئے کہ انہیں دعا وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء

کے لئے ابتلاء قیامت تک رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استمداد سود مند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب واستغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے مشاہدہ میں اسطرح منہمک ہوں کہ اس دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ رہے۔ پس اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد کرنے میں مستقل ہیں اور اللہ کی جانب میں توجہ کیے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں، جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبور کو بوسہ دیتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور ناواقف عوام کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور وہ خارج از بحث ہیں۔ عرفائے شریعت اور عالم باحکام دین ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں۔ مشائخ اور اہل کشف سے ارواح کاملہ سے استفادہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ حصر سے خارج ہے اور ان کی کتابوں میں مشہور اور مذکور ہے حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب کو فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بدعقیدگی سے محفوظ رکھے۔"

(محدث دھلوی، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح ۳/ ۴۰۲)

مشہور محدث ابن ابی حاتم رازی (م ۳۵۴ھ) رحمہ اللہ حضرت امام علی رضا بن موسیٰ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شہر طوس قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسی رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، خدا تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی اور مشکل دور ہو گئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا ہے۔" (ابن ابی حاتم رازی، عبدالرحمٰن: الثقات، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۷۱ھ، ۸/ ۴۵۷، رقم: ۱۴۴۱۱)

ائمہ فقہ اور محدثین کی ان تصریحات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ سلف صالحین کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں نبی ﷺ کا وسیلہ مانگا کرتے تھے بلکہ اس کی ترغیب دیتے تھے کہ جب تم نے نبی ﷺ کے روضہ انور پر جانا ہے تو نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنی ہے۔ جبکہ شیخ زبیر نے کس طرح مدّ و شد کے ساتھ بیان کیا کہ سلف صالحین سے قطعاً ثابت نہیں! اللہ اکبر

علمائے اہل حدیث کا نظریہ:

شیخ زبیر کا یہ دعویٰ کہ قرآن، حدیث اور آثارِ سلف صالحین سے قطعاً نبی ﷺ کا وسیلہ مانگنا ثابت نہیں، جبکہ قرآن، حدیث اور آثار سلفِ صالحین، جمہور محدثین وفقہاء سے پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کا وسیلہ لینا جائز ہے اور اب شیخ زبیر کے مسلک کے علماء کی آراء کو شامل کریں گے کہ وہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

شیخ محمد بن علی شوکانی(م۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں: **ان التوسل به ﷺ یکون فی حیاته وبعدموته، وفی حضرته ومغیبته، ولایخفاک انه قدثبت التوسل به ﷺ فی حیاته وثبت التوسل بغیره بعدموته باجماع الصحابة، اجماعا سکوتیا لعدم انکار احدمنهم علی عمر فی التوسل بالعباس۔**

حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل آپ ﷺ کی حیات میں بھی ہے اور وصال کے بعد بھی، آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھی ہے اور بارگاہ سے دور بھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ سے توسل ثابت ہے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد دوسروں سے توسل باجماع صحابہ ثابت ہے۔ یہ اجماع سکوتی تھا کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنے پر کسی نے انکار نہیں کیا۔

(شوکانی، محمد بن علی بن محمد: الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید، دار ابن خزیمہ للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۴۱۴ھ، ص۱۹)

نواب وحید الزمان توسل بالنبی ﷺ کے شرک نہ ہونے کی دلیل دیتے ہوئے نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علامہ بھوپالی یاسیدی یاعروتی وسیلتی کے الفاظ سے حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل کرتے تھے۔ نواب وحید الزمان حاشیہ ھدیۃ المھدی میں لکھتے ہیں:

صاحب جامع البیان (نواب صدیق حسن خان بھوپالی) نے اپنی تفسیر کی ابتداء میں حضور نبی اکرم ﷺ سے امداد طلب کی ہے، اگر غیر اللہ سے مطلب استغاثہ شرک ہو تو لازم آئے گا کہ صاحب جامع البیان مشرک ہوئے، پھر ان کی تفسیر پر اعتماد کیسے کیا جائے گا؟ حالانکہ تمام اھل حدیث نے ان کی تفسیر کو قبول کیا ہے۔ سید علامہ صدیق حسن خان بھوپالی نے ایک طویل قصیدے میں کہا ہے:

۱۔ اے میرے آقا! میرے سہارے، میرے وسیلے، سختی اور نرمی میں میرے کام آنے والے!

۲۔ میں آپ کے دروازے پر حاضر ہوا ہوں، اس حال میں کہ میں ذلیل ہوں گڑگڑا رہا ہوں، غمزدہ ہوں اور میری سانس پھولی ہوئی ہے۔

۳۔ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے، جس سے مدد مانگی جائے، اے رحمۃ اللعالمین! میری آہ بکا پر رحم فرمائیے۔
(وحید الزمان: حاشیہ ھدیۃ المھدی چشتی کتاب خانہ، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی حدیث ربیعہ بن کعب۔ فقال لی سل فقلت اسالک مرافقک فی الجنۃ۔۔ کی شرح کرتے ہوئے مسک الختام شرح بلوغ المرام میں لکھتے ہیں:

(اس حدیث میں) مطلقا فرمایا کہ مانگو اور کسی خاص مقصد کی تعیین نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کام حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس اور آپ ﷺ کی ہمتِ کرم سے وابستہ ہیں، جو کچھ چاہیں اور جسے چاہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ (بھوپالی، صدیق حسن خان: مسک الختام شرح بلوغ المرام، المکتبۃ الاثریہ، جامع اہلحدیث باغ والی مسجد، سانگلہ ھل، ۱/۵۲۱)

شیخ زبیر علی زئی نے بخاری سے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا، اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر نبی ﷺ کا وسیلہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ لیتے، اور یہ نتیجہ نکالا کہ اب نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ لینا جائز نہیں۔ شیخ زبیر کے اس نتیجہ اور سوچ کی مخالفت ان کے ہم مسلک بہت بڑے عالم وحید الزماں پہلے ہی کر چکے ہیں اور انہوں نے اس سوچ پر افسوس کا اظہار کیا ہے، چنانچہ معروف غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان (م ۱۳۲۷ھ) اپنی کتاب "ھدیۃ المھدی من فقہ المحمدی" میں توسل بعد از وصال پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب دعا میں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسلیہ سے دعا کی تھی، وہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے ممانعت پر دلیل نہیں ہے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے اس لئے دعا کی تا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ساتھ دعا میں شریک کریں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اسی طرح شہداء و صالحین بھی زندہ ہیں۔ ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف دعویٰ کیا پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا کہ بطور عبادت نبی ﷺ سے استعانت کرنا جائز نہیں ہے ،ہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنے کی تعلیم دی اور جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔ اس دعا میں یہ الفاظ تھے: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ** اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ

ہوتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔ کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب وسنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور امام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الحِصن الحَصین کے باب آداب دعا میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے۔ ایک اور حدیث میں ہے (یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں) سید نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ایک حدیث میں ہے الدعاء بمحمد نبیک و بموسیٰ میں تیرے نبی محمد ﷺ اور موسی علیہ السلام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، اس کو علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں اور علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحارالانوار میں ذکر کیا ہے، اور امام حاکم، امام طبرانی اور امام بیہقی نے ایک حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی اس دعا کو روایت کیا ہے: یارب اسالک بحق محمد "اے اللہ! میں تجھ سے بحق محمد ﷺ سوال کرتا ہوں" اور ابن منذر نے روایت کیا ہے اللھم انی اسالک بجاہ محمد عندک و کرامتہ علیک (اے اللہ تیرے نزدیک محمد ﷺ کی جو وجاہت اور عزت ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں)۔ علامہ سبکی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وسیلہ پیش کرنا، مدد طلب کرنا اور شفاعت طلب کرنا مستحسن ہے۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آہ وزاری کرنے کا متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے انکار کیا۔

(وحید الزمان: ھدیۃ المھدی من فقہ المحمدی، چشتی کتاب خانہ، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء، ص۴۹)

غیر مقلد عالم شیخ مبارکپوری "الدرالنضید" سے قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرتے ہیں:

انبیاء اور صالحین کے توسل سے منع کرنے والے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں: " مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ" "ہم ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں (زمر:۳)" فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (جن:۱۸) لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اسی کو (معبود سمجھ کر) پکارنا برحق ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے ہیں جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے۔" (رعد:۱۴) ان آیات سے استدال صحیح نہیں ہے، سورہ زمر کی آیت نمبر ۳ میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس عالم کے علم کی وجہ سے اسکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت اور وجاہت ہے وہ اس وجہ سے اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، اسی طرح سورہ جن کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے پکارنے (یا عبادت کرنے) سے منع کیا ہے، مثلاً کوئی شخص کہے میں اللہ

اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں، اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے بعض نیک بندوں کے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ پیش کرتا ہے، جیسا کہ ایک غار میں تین شخص تھے اور اس غار کے منہ پر ایک چٹان گر گئی، انہوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی، اس طرح سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۴ میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے اور جو ان لوگوں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے تھے جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور اپنے رب کو نہیں پکارتے تھے، جو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور کسی اور سے دعا نہیں کرتا، اللہ کے بغیر نہ اللہ کے ساتھ۔

(مبارک پوری، عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم: تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۴/ ۲۸۳)

شیخ زبیر کے ہم مسلک جید علماء اس بات کی تصریح کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کا وسیلہ مانگنا یہ احادیث اور سلف صالحین سے ثابت ہے جبکہ شیخ زبیر نے کیسا دعویٰ کیا کہ یہ قطعاً ثابت نہیں!، شیخ زبیر کے ہم مسلک عالم دین وحید الزماں صاحب نے شیخ زبیر کو آئینہ دکھایا ہے اور لکھا کہ: کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب و سنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور امام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الحِصن الحَصین کے باب آداب دعا میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے

علمائے دیوبند کا نظریہ:

تمام مسالک کے علماء کی طرح علمائے دیوبند بھی نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے کو جائز و مستحسن قرار دیتے ہیں، بانی دار العلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) اپنے قصائدِ قاسمی میں حضور ﷺ سے استمداد و استعانت کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامیٔ کار
ثنا کر اس کی، اگر حق سے کچھ لیا چاہے
تو اس سے کہ اگر ش سے ہے کچھ درکار
یہ ہے اجابتِ حق کو تیری دعا کا لحاظ
قضا مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار

(نانوتوی، محمد قاسم: قصائد قاسمیہ، مکتبہ قاسمیہ جامع مسجد نورالحنفیہ مسلم پارک راجگڑھ، لاہور، س ن، ص ۵)

مولوی خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ) اپنے رسالہ المھند علی المفند میں عقائدِ علمائے دیوبند بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء، صلحاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین رحمہم اللہ علیہم کا توسل ان کی حیات میں یا بعد از وفات جائز ہے۔ بایں طور کہ دعا کرنے والا کہے: یااللہ میں تیری بارگاہ میں فلاں بزرگ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ تو میری دعا کو قبول اور میری حاجت کو پورا فرما۔" (سہارن پوری، خلیل احمد: المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۳۶)

مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ)

توسل بعد از وفات کے جواز پر مولانا اشرف علی تھانوی صاحب "نشر الطیب" میں المعجم الصغیر درج بالا روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس سے توسل بعد از وفات بھی ثابت ہوا۔

(تھانوی، اشرف علی: نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۷۷)

مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

مولانا شبیر احمد عثمانی حاشیۃ القرآن (تفسیر عثمانی) میں ایاک نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ کے مقبول و مقرب بندوں سے استعانتِ ظاہری جائز ہے کیونکہ یہ استعانت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے۔ تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (عثمانی، شبیر احمد عثمانی: تفسیر عثمانی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ۱/ ۵۲)

خلاصہ:

- دعا میں نبی ﷺ کا وسیلہ مانگنا اجماع سے ثابت
- رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا اس وقت بھی کی جاتی تھی جب آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے اور ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔
- جب نبی ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے وسیلہ سے دعا سکھائی، اور آپ ﷺ کے اس دنیا سے جانے کے بعد صحابہ نے آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔

- شیخ زبیر نے یہ دعویٰ کیا کہ "اجماع سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کا وسیلہ نہ لیا جائے" حالانکہ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کا وسیلہ مانگنا جائز ہے۔ جو کہ شیخ زبیر کے ہم مسلک علامہ شوکانی بیان کر رہے ہیں۔
- قرآن، حدیث، آثار سلفِ صالحین اور شیخ زبیر کے ہم مسلک علماء کی آراء بلکہ تمام مسالک کے علماء سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کا وسیلہ مانگنا جائز ہے۔

فصل سوم

محدثین اور فقہاء کے متعلق معمول بہا احادیث پر شیخ زبیر کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

طائفہ منصورہ:

اللہ کے نبی ﷺ نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ: لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الحَقِّ- میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گی"۔ (بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبد اللہ: الجامع الصحیح، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء رقم الحدیث: ۷۳۱۱)

ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ "مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا۔

(القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، رقم الحدیث: ۱۹۲۳)

ان فرامین مصطفیٰ ﷺ کی شرح کرتے ہوئے محدثین نے مسلمانوں کے کئی گروہوں کا ذکر فرمایا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس سے اہل علم کا گروہ مراد ہے۔ (بخاری: ۷۳۱۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "اگر اس سے محدثین کا گروہ مراد نہیں ہے تو پھر میں نہیں جانتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ (عینی، محمود بن احمد، ابو محمد: عمدۃ القاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، ۲۵/۷۳)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا "اس سے اہل سنت وجماعت اور محدثین مراد ہیں۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: شرح صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، ۲/۱۴۳)

امام نووی فرماتے ہیں: "مسلمانوں کے اس گروہ کی کئی اقسام ہیں، ان میں بہادر مجاہدین ہیں، فقہاء ہیں، محدثین ہیں، زہاد ہیں، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں، اس طرح نیکی اور خیر کے اور متعدد شعبوں کے لوگ مراد ہیں"۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: شرح صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، ۲/۱۴۳)

ان محدثین کی نظر میں مسلمانوں کے تمام گروہ مراد ہیں جو کہ فقیہ، محدث، زہاد، مجاہد، نیکی کا حکم دینے والے برائی سے منع کرنے والے، اہل علم اور متعدد شعبوں کے لوگ مراد ہیں۔ ان محدثین کا معمول رہا ہے کہ اس فضیلت میں ان تمام شعبہ جات کے مسلمانوں کو شریک کرتے ہوئے آئے ہیں۔ لیکن شیخ زبیر علی زئی نے اس معمول بہا فضیلت کو ترک کر کے

صرف ان محدثین کو شامل کیا ہے جو کہ تقلید نہیں کرتے تھے اور اپنے مسلک کے لوگوں کو شامل کیا ہے جس کا نام "اہلحدیث" انگریز کے زمانہ میں الاٹ ہوا۔

شیخ زبیر وہ تمام اقوال وفضائل جو اہل علم نے محدثین (حدیث پڑھنے، پڑھانے کے ماہرین) کے بارے میں فرمائے ہیں وہ سب کے سب فضائل واقوال اپنے فرقہ پر لاگو کرتے ہیں اسلئے کہ ان کے فرقہ کا نام اہلحدیث ہے۔ چنانچہ اس حدیث کا پورا کا پورا کریڈٹ بھی اپنے فرقہ کے علماء اور عوام کو دیتے ہیں۔ شیخ زبیر لکھتے ہیں:

بہت سے علمائے حق مثلا امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی اور امام بخاری وغیر ہم نے اہل حدیث کو طائفہ منصورہ قرار دیا ہے۔ اسے مد نظر رکھ کر عرض ہے کہ یہ کہنا: صرف محدثین کرام طائفہ منصورہ ہیں اور ان کے عوام نہیں، یا صرف محدثین کرام جنت میں جائیں گے اور ان کے عوام باہر کھڑے رہیں گے، باطل ہے بلکہ اسلام کے ساتھ مذاق ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: اہل حدیث ایک صفاتی نام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۳۹)

اسلام کے ساتھ مذاق!

شیخ زبیر کہتے ہیں کہ اگر ان فضائل میں ہمارا فرقہ شامل نہیں تو یہ اسلام کے ساتھ مذاق ہے۔ وہ جنت میں جائیں اور ہم محروم ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ان روایات میں جنت کی بات ہی نہیں ہے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ایک گروہ جہاد کرے گا، حق پر ہو گا اور غالب رہے گا۔ کہاں سے شیخ زبیر جنت لے کر بیٹھ گئے۔

طائفہ منصور کون؟ محدثین کی رائے:

طائفہ منصورہ میں کون لوگ شامل ہوں گے اس بات کی وضاحت محدثین نے سینکڑوں سال پہلے اپنی کتب میں کر دی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح البخاری میں اس روایت کے اوپر باب باندھتے ہیں کہ طائفہ منصورہ سے مراد اہل علم لوگ مراد ہیں:

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الحَقِّ» يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ العِلْمِ
عَنِ المُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لاَ يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ، حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ»

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا} [البقرة: ١٤٣] وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلُزُومِ الجَمَاعَةِ، وَهُمْ أَهْلُ العِلْمِ-ترجمہ: نبی ﷺ کا ارشاد: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، وہ جہاد کرتے رہیں گے اور وہ لوگ اہل علم ہوں گے۔(بخاری:۷۳۱۱)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ غالب رہے گی حتیٰ کہ ان پر اللہ کا امر (قیامت) آجائے گی اور وہ غالب ہوں گے۔باب، اللہ تعالیٰ کے فرمان[اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا]اور جو نبی ﷺ نے جماعت کے پکڑنے کا حکم دیا، وہ جماعت اہل علم کی جماعت ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے میں وہ جماعت اہل علم کی جماعت ہو گی۔اہل علم میں امت کے وہ تمام گروہ شامل ہیں چاہے محدثین ہوں یا چاہے فقہائے کرام ہوں۔یا دوسرے طبقہ کے مسلمان جس کی وضاحت امام نووی نے فرمائی ہے۔چنانچہ ان روایات کے بارے میں امام نووی لکھتے ہیں:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) وَأَمَّا أَلْفَاظُ الْبَابِ فَفِيهِ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قِيلَ اسْمُهُ عَبْدُ الْحَمِيدِ وَقَدْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ وَفِيهِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَحَدٍ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ هُوَ بِرَفْعِ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى وَقَدْ يَغْلَطُ فِيهِ بَعْضُ النَّاسِ فَلَا يَرْفَعُهُ وَاعْلَمْ أَنَّ الرِّوَايَاتِ كُلَّهَا مُتَّفِقَةٌ عَلَى تَكْرِيرِ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى فِي الرِّوَايَتَيْنِ وَهَكَذَا هُوَ فِي جَمِيعِ الْأُصُولِ قَالَ الْقَاضِي عِيَاضٌ رحمه الله۔

اس باب کی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: "مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا،" امام بخاری نے کہا: اس سے اہل علم کا گروہ مراد ہے، امام احمد بن حنبل نے کہا: اگر اس سے محدثین کا گروہ مراد نہیں ہے تو پھر میں نہیں جانتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں، قاضی عیاض نے کہا: اس سے اہل سنت وجماعت اور محدثین مراد ہیں۔(نووی: شرح صحیح مسلم،۲/۱۴۳)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا أَرَادَ أَحْمَدُ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَنْ يَعْتَقِدُ مَذْهَبَ أَهْلِ الْحَدِيثِ قُلْتُ وَيَحْتَمِلُ أَنَّ هَذِهِ الطَّائِفَةَ مُفَرَّقَةٌ بَيْنَ أَنْوَاعِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ شُجْعَانٌ مُقَاتِلُونَ وَمِنْهُمْ فُقَهَاءُ وَمِنْهُمْ مُحَدِّثُونَ وَمِنْهُمْ زُهَّادٌ وَآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَمِنْهُمْ أَهْلُ أَنْوَاعٍ أُخْرَى مِنَ الْخَيْرِ وَلَا يَلْزَمُ أَنْ يَكُونُوا مُجْتَمِعِينَ بَلْ قَدْ يَكُونُونَ مُتَفَرِّقِينَ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ مُعْجِزَةٌ ظَاهِرَةٌ فَإِنَّ هَذَا الْوَصْفَ مَا زَالَ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْآنَ۔

مسلمانوں کے اس گروہ کی کئی اقسام ہیں، ان میں بہادر مجاہد ہیں، فقہاء ہیں، محدثین ہیں، زہاد ہیں، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں، اس طرح نیکی اور خیر کے اور متعدد شعبوں کے لوگ ہیں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام اقسام کسی ایک جگہ جمع ہوں بلکہ یہ تمام اقسام روئے زمین کے مختلف حصوں میں رہیں گی، کہیں محدث ہوں گے، کہیں فقیہ ہوں گے، کہیں قرآن کے قاری ہوں گے، کہیں واعظ ہوں گے اور کہیں اولیاء اللہ ہوں گے، اس حدیث میں نبی ﷺ کا معجزہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ سے لیکر یہ وصف آج تک قائم ہے۔ (نووی: شرح صحیح مسلم، ۲/۱۴۳)

امام بخاری اور امام نووی رحمہا اللہ کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ صرف گروہ محدثین ہی مراد نہیں بلکہ وہ تمام مسلمان جو کفار کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہوں گے چاہے وہ محدثین ہوں، چاہے مجاہدین ہوں، چاہے وہ فقہاء ہوں یا کہ مبلغین، یہ تمام اس فضیلت میں شامل ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ أَيْ عَلَى مَنْ خَالَفَهُمْ أَيْ غَالِبُونَ أَوِ الْمُرَادُ بِالظُّهُورِ أَنَّهُمْ غَيْرُ مُسْتَتِرِينَ بَلْ مَشْهُورُونَ وَالْأَوَّلُ أَوْلَى وَقَدْ وَقَعَ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا تُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ وَلَهُ فِي حَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَمْرِ اللَّهِ قَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِمْ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ وَقَدْ ذَكَرْتُ الْجَمْعَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ حَدِيثِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ فِي أَوَاخِرِ كِتَابِ الْفِتَنِ وَالْقِصَّةُ الَّتِي أَخْرَجَهَا مُسْلِمٌ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ الْخَلْقِ هُمْ شَرٌّ مِنْ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَدْعُونَ اللَّهَ بِشَيْءٍ إِلَّا رَدَّهُ عَلَيْهِمْ وَمُعَارَضَةُ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَجَلْ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ رِيحًا كَرِيحِ الْمِسْكِ فَلَا تَتْرُكُ نَفْسًا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ ثُمَّ يَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ عَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ وَقَدْ أَشَرْتُ إِلَى هَذَا قَرِيبا فِي الْكَلَامِ عَلَى حَدِيثِ قَبْضِ الْعِلْمِ وَأَنَّ هَذَا أَوْلَى مَا يُتَمَسَّكُ بِهِ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَدِيثِينِ الْمَذْكُورين وَذكرت مَا نَقله بن بَطَّالٍ عَنِ الطَّبَرِيِّ فِي الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا أَنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِينَ تَقُومُ عَلَيْهِمُ السَّاعَةُ يَكُونُونَ بِمَوْضِعٍ مَخْصُوصٍ وَأَنَّ مَوْضِعًا آخَرَ يَكُونُ بِهِ طَائِفَةٌ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ ثُمَّ أَوْرَدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُمَامَةَ نَحْوَ حَدِيثِ الْبَابِ وَزَادَ فِيهِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَيْنَ هُمْ قَالَ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَطَالَ فِي تَقْرِيرِ ذَلِكَ وَذَكَرْتُ أَنَّ الْمُرَادَ بِأَمْرِ اللَّهِ هُبُوبُ تِلْكَ الرِّيحِ وَأَنَّ الْمُرَادَ بِقِيَامِ السَّاعَةِ سَاعَتُهُمْ وَأَنَّ الْمُرَادَ بِالَّذِينَ يَكُونُونَ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ الَّذِينَ يَحْصُرُهُمُ الدَّجَّالُ إِذَا خَرَجَ فَيَنْزِلُ عِيسَى إِلَيْهِمْ فَيَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَيَظْهَرُ الدِّينُ فِي زَمَنِ عِيسَى ثُمَّ بَعْدَ مَوْتِ عِيسَى تَهُبُّ الرِّيحُ الْمَذْكُورَةُ فَهَذَا هُوَ الْمُعْتَمَدُ فِي الْجَمْعِ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: فتح الباری، مکتبہ دار المرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، ۸/ ۴۵۰ تا ۴۵۱)

اس حدیث میں مذکور ہے "میری امت کی وہ جماعت اپنے مخالفین پر ظاہر ہو گی"۔اس کا معنی ہے یعنی ان پر غالب ہو گی، یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ظاہر ہوں گے اور مستور نہیں ہوں گے بلکہ مشہور ہوں گے اور پہلا معنی زیادہ اولیٰ ہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی جماعت اس دین کی حفاظت کے لئے لڑتی رہے گی حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

نیز امام مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے احکام پر قتال کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے:

امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قیامت صرف بدترین مخلوق پر قائم ہو گی اور وہ اہل جاہلیت سے بدتر ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی بھی دعا کریں گے اللہ تعالیٰ وہ ان پر رد کر دے گا۔

جب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پر اس حدیث سے معارضہ کیا گیا تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا جو مشک کی طرح خوشبودار ہو گی، اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا اس کے ایمان کو سلب کر لے گی، پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہو گی۔اس طریقہ سے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے امام طبری سے نقل کر کے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ وہ بدترین لوگ جن پر قیامت قائم ہو گی وہ کسی مخصوص جگہ میں ہوں گے اور بیشک دوسری جگہ کے اندر ایک دوسری جماعت ہو گی جو حق کیلئے لڑتی رہے گی اور ان کے مخالف ان کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ پھر انہوں نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس میں، اور میں نے بیان کیا کہ جو لوگ بیت المقدس میں ہوں گے، یہ وہ ہوں گے جن کو دجال گھیر لے گا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کر دیں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دین کو غلبہ ہو گا اور پھر ان کی وفات کے بعد وہ ہوا چلے گی، ان احادیث کی تطبیق میں یہ ہی تقریر معتمد ہے۔

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی (متوفی ۸۵۵ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَإِن قلت: من هَؤُلَاءِ الطَّائِفَة؟ قلت: قَالَ البُخَارِيّ: هم أهل الْعلم. وَقَالَ الإِمَام أَحْمد: إِن لم يَكُونُوا أهل الحَدِيث فَلَا أَدْرِي من هم. وَقَالَ القَاضِي عِيَاض: إِنَّمَا أَرَادَ الإِمَام أَحْمد أهل السّنة وَالْجَمَاعَة. وَقَالَ النَّوَوِيّ: يحْتَمل أَن تكون هَذِه الطَّائِفَة مفرقة من أَنْوَاع الْمُؤمنِينَ، فَمنهمْ مُقَاتِلُونَ وَمِنْهُم فُقَهَاء وَمِنْهُم محدثون وَمِنْهُم زهاد إِلَى غَيره ذَلِك.

اگر تو کہے کہ اس سے کون مراد ہیں، تو میں کہوں گا کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ اہل علم ہوں گے، امام احمد نے کہا ہے کہ اگر اہل حدیث (محدثین) نہ ہوں تو کون ہوں گے؟ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس سے مراد امام احمد بن حنبل کی ہے کہ اہل سنت ہوں گے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس سے مراد متفرق گروہ ہیں، جن میں سے غازی، فقہاء، محدثین اور دیگر مراد ہیں۔

(عینی: عمدۃ القاری، ۲۵/۷۳)

محدثین کرام رحمہ اللہ کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس میں اہل علم مراد ہیں اور اہل علم میں وہ تمام طبقات مراد ہیں جو کسی بھی لحاظ سے دین کے داعی اور دین کے دفاع میں اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ جبکہ شیخ زبیر اس بات پر بضد ہیں کہ اس میں صرف وہ محدثین شامل ہیں جو غیر مقلد ہیں اور شیخ کا اپنا فرقہ جس کا نام "اہلحدیث" ہے وہ شامل ہے، حالانکہ ان محدثین کا یہ فرقہ نہیں تھا بلکہ ایک طبقہ علمی اپنے آپ کو محدثین کہلاتے تھے۔ اس طبقہ علمی کے نام پر اپنے فرقہ کا نام رکھ کر وہ تمام فضائل و اقوال اپنے کھاتے میں ڈالنا ایک علمی خیانت کے سوا کچھ بھی نہیں، طبقہ علمی اور طبقہ مذہبی بطور مسلک کے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اہلحدیث سے بغض:

شیخ زبیر نے وہ تمام اقوال جو محدثین نے اہل علم محدثین کے متعلق فرمائے تھے، شیخ زبیر ان تمام اقوال کو اپنے مسلک "اہلحدیث" کے علماء اور عوام پر لاگو کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ زبیر لکھتے ہیں:

امام ابو بکر بن ابی داؤد رحمہ اللہ نے فرمایا: اور تو اس قوم میں سے نہ ہونا جو اپنے دین سے کھیلتے ہیں (ورنہ) تو اہل حدیث پر طعن و جرح کر بیٹھے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اہلحدیث کو برا کہتے ہیں وہ دین سے کھیلتے ہیں یعنی اہل بدعت ہیں اور یہ بھی ظاہر و باہر ہے کہ اہل بدعت صرف محدثین کرام سے ہی بغض نہیں رکھتے بلکہ اہل حدیث عوام سے بھی بہت زیادہ بغض رکھتے ہیں۔

(زئی: اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص ۱۳)

امام ابو بکر ابی داؤد رحمہ اللہ کا منشا کیا تھا اس قول سے اور شیخ نے اس سے کیا نکالا؟امام ابو بکر رحمہ اللہ کی مراد اس سے اہل علم محدثین تھی کیونکہ اہل سے بغض رکھنا ہلاکت کی نشانی ہے،جبکہ شیخ نے اس قول سے یہ ثابت کیا کہ جو میرے مسلک "اہلحدیث" کے کسی عالم سے بغض رکھے یا عوام "اہلحدیث" میں سے کسی کے ساتھ بغض رکھے وہ بدعتی ہے۔اس طرح تو شیخ اور ان کی عوام خود بدعتی ہوں گے کیونکہ یہ آپس میں بہت اختلاف رکھتے ہیں۔

شیطان سے دوستی:

شیخ زبیر لکھتے ہیں: حافظ ابن قیم نے اپنے مشہور قصیدے نونیہ میں فرمایا:اے اہل حدیث سے بغض رکھنے والے اور گالیاں دینے والے،تجھے شیطان سے دوستی اور یاری قائم کرنے کی بشارت ہو۔

اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ تمام کٹر اہل بدعت بحیثیت جماعت تمام اہل حدیث سے چاہے علماء ہوں یا عوام،سخت بغض رکھتے ہیں اور برا کہتے ہیں۔(زئی:اہل حدیث ایک صفاتی نام،ص ۱۴)

حافظ ابن قیم کا مقصد "جماعت اہلحدیث" تھا یا کہ اہل علم محدثین؟یہ تو ویسی بات ہوئی کہ ایک جھوٹے مدعی نبوت جس کا نام نعیم تھا،اس نے عوام کو دھوکہ دیا کہ مجھے نبی مانو ورنہ قیامت میں تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا،کیونکہ قرآن میں ہے: ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ(تکاثر۸:۱۰۲)،کیا اس جاہل مدعی نبوت کی بات مانی جائے گی؟ہرگز نہیں اسی طرح محدثین کی فضیلت میں کہے گے الفاظ و اقوال ایک جاہل ان پڑھ "فرقہ اہلحدیث" کے عام آدمی کے بارے میں کہنا بھی سراسر ناانصافی ہے۔

اہل حدیث کے صفاتی نام:

شیخ زبیر نے زبردستی اپنی جماعت "اہلحدیث" کے متعلق ان اقوال کو لانے کی کوشش کی ہے جو اقوال وفضائل اہل علم محدثین کے متعلق ہیں،چنانچہ شیخ زبیر لکھتے ہیں:

اہل حدیث کے صفاتی نام اور پیارے لقب سے دو قسم کے صحیح العقیدہ مسلمان مراد ہیں:

(۱)۔۔۔محدثین کرام

(۲)۔۔۔محدثین کے عوام یعنی حدیث پر عمل کرنے والے عام لوگ۔

حافظ ابن حبان نے اہل حدیث کی تین نشانیاں بیان کی ہیں:

۱: وہ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔

۲: سنت (یعنی حدیث) کا دفاع کرتے ہیں۔

۳: اور سنت کے مخالفین کا قلع قمع کرتے ہیں۔(زئی: اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص ۹)

شیخ نے اہل حدیث کو دو قسم پر منقسم کیا ہے ایک اہل علم محدثین اور ان کی عوام ۔اور عوام بھی اپنے فرقہ کی، اور جو لوگ دنیا میں حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ شامل نہیں اور نہ ہی علماء شامل ہیں!۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام ابن حبان کے جس قول سے شیخ زبیر نے دو اقسام تشکیل دی ہیں ان میں تین باتوں کا ذکر ہے۔ ا۔ حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ ۲۔ حدیث کا دفاع کرتے ہیں۔ ۳۔ حدیث کے مخالفین کا قلع قمع کرتے ہیں۔ عمل میں دوسرے مسلمان اہل حدیث ہونے میں شامل کیوں نہیں وہ بدعتی کیوں ٹھہرتے ہیں شیخ کی نظر میں۔ حالانکہ ہر وہ مسلمان اس فضیلت کا حقدار ہونا چاہیے جو حدیث پر عمل کرتا ہے لیکن شیخ یہ ماننے کو تیار نہیں۔ دوسری بات عوام، حدیث کا کیا دفاع کرتے ہیں؟ عوام بچارے احادیث پر عمل کر لیں تو بڑی غنیمت کی بات ہے، دفاع کیا کریں گے؟ دفاع سے کیا مراد ہے، یہ کوئی جنگ ہے جو اسلحہ لے کر اس میں شامل ہوں گے۔ تیسری بات کہ حدیث کے مخالفین کا قلع قمع کریں گے۔ کیا یہ عوام نے قلع قمع کرنا ہے یا یہ کام محدثین کا ہے کہ جو حدیث کو نہیں مانتے ان کو دلائل سے جواب دیتے ہیں اور ان کو لاجواب کر دیتے ہیں۔ یہ ہے قلع قمع کرنا۔ نہ کہ امام ابن حبان نے قتل کرنی کی بات کی ہے۔

اہلحدیث کو دیکھنا گویا نبی ﷺ کو دیکھنا ہے:

شیخ زبیر، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کسی بھی اہلحدیث کو دیکھنا گویا نبی ﷺ کو دیکھنا ہے، چاہے وہ فرقہ اہلحدیث کا جاہل ترین شخص ہی کیوں نہ ہو، جسے نہ حدیث کا علم ہو اور نہ وہ نبی ﷺ کی ذات کے بارے میں جانتا ہو بس اس نے فرقہ اہلحدیث کی جماعت کی رکنیت اختیار کی ہو اُسے یہ اعزاز ملے گا۔ دوسری طرف چاہے کتنا ہی بڑا عالم، محدث ہے اور وہ اہلحدیث جماعت کا رکن نہیں تو اُسے یہ فضیلت حاصل نہیں ہو گی۔ چنانچہ شیخ زبیر، امام شافعی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا: ''اذا رایت رجلا من اصحاب الحدیث فکانی رایت رسول اللہ ﷺ حیاً'' جب میں اصحاب الحدیث میں سے کسی شخص کو دیکھتا ہوں تو گویا میں نبی ﷺ کو زندہ دیکھتا ہوں۔(زئی: اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص ۹)

یہاں امام شافعی کی مراد اصحاب الحدیث سے عام اہلحدیث آدمی ہے، یاں کہ محدثین کی جماعت جو دن رات احادیث کی اشاعت میں سرگرداں ہیں، ہر ذی شعور یہ ہی کہے گا کہ امام شافعی کی مراد اہل علم محدثین ہی مراد ہیں لیکن شیخ زبیر نے اس کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ یہ فضیلت و عظمت ہمارے ہر اس رکن کی ہے جو اہلحدیث جماعت میں شامل ہے۔ کیا یہ من مانی تشریح کسی اہل علم کو زیب دیتی ہے؟

اہل حدیث (محدثین) اور اہلحدیث جماعت یکساں ہیں؟

شیخ زبیر نے اپنے فرقہ اہلحدیث کی نمائندگی کرتے ہوئے جتنے بھی اقوال و فضائل محدثین اہل علم کے بارے میں تھے وہ اپنے فرقہ اہلحدیث پر لاگو کرتے لکھتے ہیں:

امام بخاری نے طائفہ منصورہ کے بارے میں فرمایا: "یعنی اھل الحدیث" یعنی اس سے مراد اھل الحدیث۔ امام مسلم مجروح راویوں کے بارے میں فرماتے ہیں: "ھم عند اھل الحدیث متھمون" وہ اھل حدیث کے نزدیک متہم ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ایک ضعیف روایت کے بارے میں امام محمد بن ادریس الشافعی فرماتے ہیں: "لایثبت اھل الحدیث مثلہ" اس جیسے روایت کو اھل حدیث ثابت نہیں سمجھتے۔ امام یحیٰ بن سعید القطان نے سلیمان بن طرخان التیمی کے بارے میں فرمایا: "کان التیمی عندنا من اھل الحدیث" تیمی ہمارے نزدیک اہلِ حدیث میں سے ہیں۔ امام ترمذی نے ابوزید نامی ایک راوی کے بارے میں فرمایا: "ابوزید رجل مجھول عند اھل الحدیث"۔ اور اھل حدیث کے نزدیک ابوزید مجہول آدمی ہے۔ امام ابوعوانہ الاسفرائنی ایک مسئلے کے بارے میں امام مزنی کو بتاتے ہیں: "اختلاف بین اھل الحدیث" اس میں اہل حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔

اسماء الرجال کے مشہور امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: "واتفق اھل الحدیث علیٰ شئ یکون حجۃ"
اور کسی چیز پر اہل حدیث کا اتفاق حجت ہوتا ہے۔
امام احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد عرف ابن ابی عاصم ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں:
"رجل من اھل الحدیث ثقۃ" اہل حدیث میں سے وہ ایک ثقہ آدمی ہیں۔
امام احمد بن سنان الواسطی نے فرمایا: "لیس فی الدنیا مبتدع الا وھو یبغض اھل الحدیث"
دنیا میں کوئی ایسا بدعتی نہیں ہے جو اہل الحدیث سے بغض نہیں رکھتا۔
معلوم ہوا کہ جو شخص اہل حدیث سے بغض رکھتا ہے یا اہل حدیث کو برا کہتا ہے تو وہ شخص پکا بدعتی ہے۔

حفص بن غیاث سے اصحاب الحدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "ھم خیر اھل الدینا" وہ دنیا میں سب سے بہترین ہیں۔

قوام السنہ اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی نے کہا: "ذکر اھل الحدیث وانھم الفرقۃ الظاہرۃ علی الحق الی ان تقوم الساعۃ"

اہل حدیث کا ذکر اور یہ ہی فرقہ قیامت تک حق پر غالب رہے گا۔ (زئی: اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص ۲۸ تا ۳۳)

یہ وہ دلائل ہیں جو شیخ زبیر نے اپنے فرقہ اہلحدیث کے متعلق دیے ہیں کہ ہم ہی وہ فرقہ ہیں جن کے بارے میں محدثین نے یہ پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ ہر وہ شخص جو عقل و شعور رکھتا ہے وہ شیخ زبیر کے ان دلائل سے متفق ہو سکتا ہے؟ ان تمام دلائل میں فرقہ اہلحدیث نہیں بلکہ محدثین کی جماعت کے متعلق اقوال ہیں، جیسا کہ محدثین کہہ رہے ہیں: اہل حدیث میں سے وہ ایک ثقہ آدمی تھا، کسی چیز پر اہل حدیث کا اتفاق حجت ہوتا ہے، اس میں اہل حدیث کے درمیان اختلاف ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: اہل حدیث کے نزدیک وہ شخص مجہول ہے۔ ان اور دیگر اقوال سے کیا مراد ہے؟ محدثین یا عوام فرقہ اہلحدیث؟ یعنی اہل حدیث کے نزدیک یہ ثقہ ہے سے کیا مراد ہے وہ جماعت اہلحدیث یا محدثین، اہل حدیث کا اتفاق اجماع ہے۔ کیا مطلب اہل علم محدثین یا جماعت اہلحدیث جو انگریز کے زمانہ میں وہابی سے اہلحدیث بنے؟ شیخ زبیر نے اپنی جماعت کے گول کیپر ہونے کا پورا حق ادا کیا ہے کہ ہر وہ فضیلت جو کہ محدثین اہل علم کے بارے میں ہے اسے اپنے فرقہ پر فٹ کر دی۔ اور پھر شیخ کو اس کا تمغہ بھی ملا کہ شیخ کو ان کی جماعت نے محدث العصر کا ٹائٹل دیا۔

شیخ زبیر، حافظ ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم اہل حدیث کا یہ مطلب نہیں لیتے کہ اس سے مراد صرف وہ ہی لوگ ہیں جنہوں نے حدیث سنی، لکھی یا روایت کی بلکہ اس سے مراد ہم یہ لیتے ہیں کہ ہر آدمی جو اس کے حفظ، معرفت اور فہم کا ظاہری و باطنی لحاظ سے مستحق ہے اور ظاہری و باطنی لحاظ سے اس کی اتباع کرتا ہے اور یہ ہی معاملہ اہل قرآن کا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کے اس فہم سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث سے مراد محدثین اور ان کے عوام ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ اہل حدیث کوئی نسلی فرقہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظریاتی جماعت ہے۔ ہر وہ شخص اہل حدیث ہے جو قرآن و حدیث و اجماع پر سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں عمل کرے اور اسی پر اپنا عقیدہ رکھے۔

(زئی: اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص ۶۱)

شیخ زبیر نے حافظ ابن تیمیہ کی اس عبارت سے اپنے فرقہ کی عوام کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے، کہتے ہیں اس سے "مراد محدثین اوران کی عوام ہیں" شیخ ابن تیمیہ نے جو لکھا اگر اس کو غور سے پڑھا جائے تو یہ غلطی دور ہو جائے شیخ نے لکھا" بلکہ اس سے مراد ہم یہ لیتے ہیں کہ ہر آدمی جو اس کے حفظ، معرفت اور فہم کا ظاہری وباطنی لحاظ سے مستحق ہے اور ظاہری وباطنی لحاظ سے اس کی اتباع کرتا ہے" شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں، ہر وہ آدمی جو اس کو حفظ کرے، ہر آدمی سے اگر عوام لیں تو کیا عوام کا یہ معمول ہے کہ وہ احادیث کو حفظ کرتے ہیں، اورآگے لکھا، حفظ کے ساتھ ان احادیث کی معرفت بھی رکھے کیا یہ عوام کر سکتی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن یا ضعیف اوراس سے کیا مسائل نکلیں گے۔ شیخ ابن تیمیہ نے حفظ ومعرفت کے بعد لکھا کہ فہم ظاہر ہی اور باطنی رکھتا ہے، کیا یہ باتیں عوام کے بارے میں ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ ہر آدمی سے وہ اہل علم مراد ہیں جو احادیث کو حفظ کرنے کے بعد ان کی فہم کی کوشش کرتے ہیں اور ظاہری وباطنی معانی کی کھوج میں رہتے ہیں، عوام بچارے ان باتوں سے کوسوں دور ہیں۔ اس میں عوام کو بیچ میں ڈالنا شیخ زبیر کی سینہ زوری اور مسلک پرستی کے سوا کچھ نہیں۔

شیخ زبیر کا دوہرا معیار:

جماعت المسلمین کے بانی مسعود نے جب محدثین کرام کے بارے میں ہرزہ سرائی کی، تو شیخ زبیر نے اس کو جواب دیا کہ محدثین اللہ کے ولی ہوتے ہیں اور اللہ کے ولیوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی کے مترادف ہے۔ اوراس میں شیخ زبیر نے وہ اقوال پیش کئے جو اس سے پہلے صرف اپنے فرقہ کی نمائندگی میں پیش کیے تھے لیکن فرق اتنا ہے کہ مسعود کو جواب دیتے ہوئے کہیں بھی شیخ نے ان اقوال وفضائل سے اپنے فرقہ کو نہیں جوڑا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو فضائل واقوال اہل علم محدثین کے بارے میں ہیں، وہ ان ہی کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ شیخ زبیر نے اصحاب الحدیث پر بریکٹیں لگا کر بتایا کہ یہ اقوال خالصتاً محدثین کے متعلق ہیں۔

جماعت المسلمین کو جواب دیتے ہوئے شیخ زبیر لکھتے ہیں:

اہل حدیث: محدثین کی جماعت کو اہل الحدیث کہا جاتا ہے، جس طرح مفسرین کی جماعت کو اہل التفسیر اور مؤرخین کی جماعت کو اہل التاریخ کہا جاتا ہے۔

دلیل(۱): صحیح بخاری کے مؤلف امام بخاری رحمہ اللہ نے "جزء القراءت خلف الامام" میں صفحہ ۱۳ پر کہا: "ولا یحتج اھل الحدیث بمثلہ" یعنی اس جیسے سے اہل الحدیث حجت نہیں پکڑتے۔

دلیل (۲): جامع ترمذی کے مؤلف امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الجامع میں ج ا ص ۱۶ پر کہا: "وابن لھیعۃ ضعیف عند اھل الحدیث" یعنی ابن لھیعہ اہل الحدیث (حدیث والوں) کے نزدیک ضعیف ہے۔(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) نے اس حدیث کے معنی میں کہا: "ان لم تکن ھٰذہ الطائفۃ المنصورۃ اصحاب الحدیث فلا ادری من ھم" اگر اس طائفہ منصورہ سے مراد اگر اصحاب الحدیث (محدثین) نہیں ہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں؟ ان ائمہ مسلمین کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اصحاب الحدیث: اہل العلم، اہل حدیث (یعنی محدثین) ہیں۔ اور اسی پر اجماع ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امام احمد بن سنان الواسطی رحمہ اللہ نے کہا: "لیس فی الدنیا مبتدع الا وھو یبغض اھل الحدیث واذا ابتدع الرجل نزع حلاوۃ الحدیث من قلبہ" دنیا میں کوئی بھی ایسا بدعتی نہیں جو کہ اہل الحدیث سے بغض نہ رکھتا ہو۔ جب آدمی بدعتی ہو جاتا ہے تو حدیث کی حلاوت (مٹھاس) اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔

اہل الحدیث سے دشمنی کا انجام: چونکہ اہل الحدیث، مسلمین میں انتہائی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور وہ حقیقت میں اولیاء اللہ ہیں۔ اولیاء اللہ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب))

جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

غور فرمائیں! کتنی شدید وعید ہے۔ اب جو شخص ان اولیاء اللہ کی تکفیر کرتا ہے اور اس کا کیا انجام ہو گا؟۔

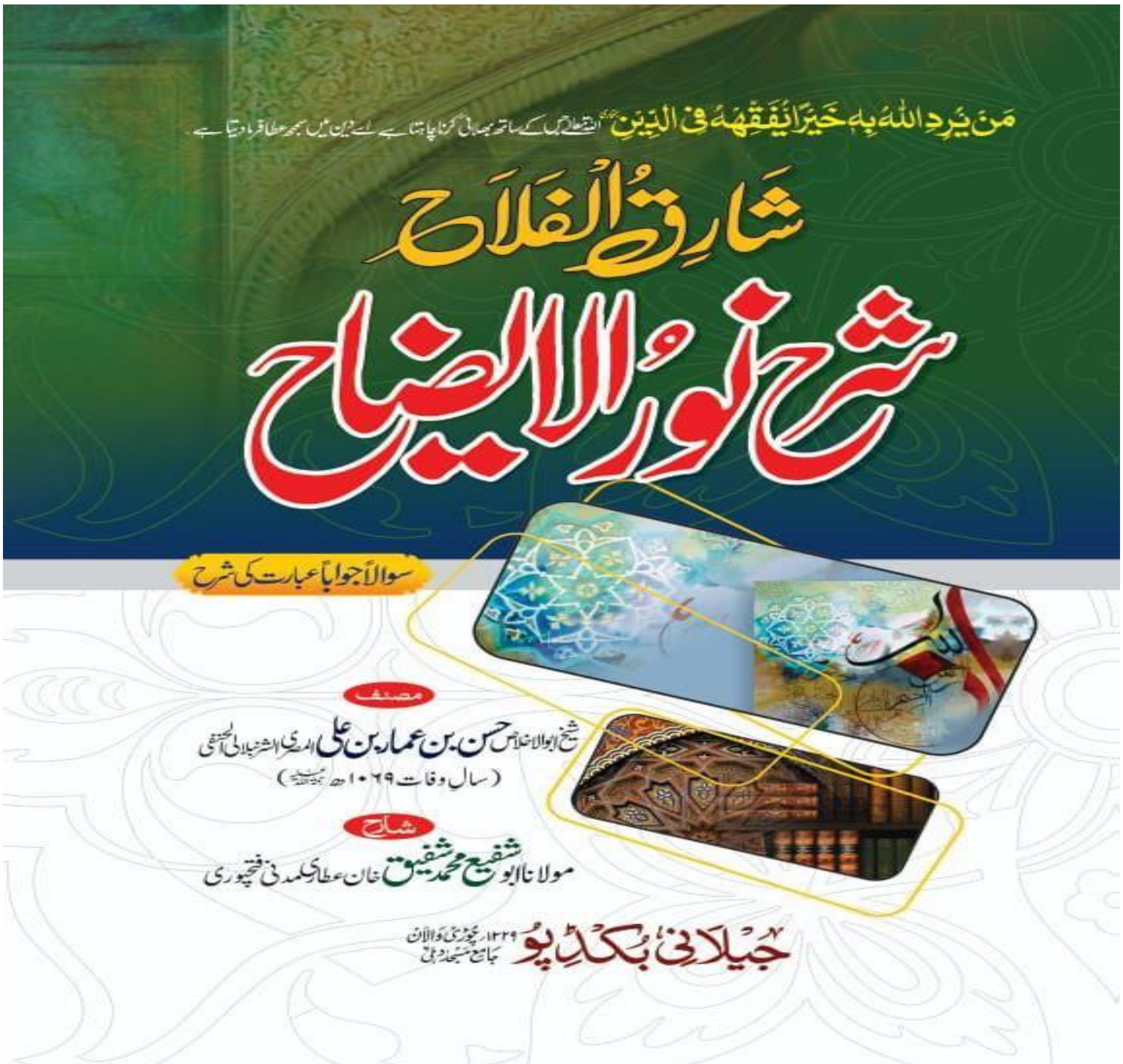
(زئی: اہل حدیث ایک صفاتی نام، ص ۵۹ تا ۱۶)

شیخ زبیر کے ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ اہل الحدیث محدثین ہی کی جماعت کو کہا جاتا ہے اور ان کے متعلق جتنے بھی اقوال و فضائل ہیں وہ اہل علم محدثین کے ہی ہیں نہ کہ ایسی جماعت جو بعد میں ان کے نام پر بنی ہو جس میں جہلاء کی کثرت ہو اور وہ تمام فضائل ان جہلاء پر فٹ کیے جائیں۔

خلاصہ تحقیق:

- طائفہ منصورہ مسلمانوں کے وہ تمام گروہ ہیں، جن میں بہادر مجاہد ہیں، فقہاء ہیں، محدثین ہیں، زہاد ہیں، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں، اس طرح نیکی اور خیر کے اور متعدد شعبوں کے لوگ ہیں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام اقسام کسی ایک جگہ جمع ہوں بلکہ یہ تمام اقسام روئے زمین کے مختلف حصوں میں رہیں گی، کہیں محدث ہوں گے، کہیں فقیہ ہوں گے، کہیں قرآن کے قاری ہوں گے، کہیں واعظ ہوں گے اور کہیں اولیاء اللہ ہوں گے۔

- امام بخاری، احمد بن سنان، امام نووی وغیرہ کی تحقیق کے مطابق وہ اہل علم ہوں گے اور اہل علم میں جتنے درجات ہیں وہ تمام شامل ہیں چاہے وہ محدث ہوں یا فقیہ جیسا کہ امام احمد نے محدثین کرام کو اس میں شامل فرمایا ہے۔
- صرف ان محدثین کو شامل کرنا جو غیر مقلد ہیں یا غیر مقلدین وہابیہ کی جماعت جو کہ نئے نام "اہلحدیث" سے موسوم ہے ان کے علماء اور عوام کو شامل کرنا اور باقی تمام مسلمانوں کو اس طائفہ منصورہ سے نکال دینا ناانصافی اور تعصب پرستی ہوگی۔



فصل چہارم

فضائل اعمال کے متعلق ضعیف احادیث پر محدثین اور زبیر زئی کا مؤقف

فضائل اعمال سے متعلق ضعیف احادیث پر محدثین کا عمل:

جمہور محدثین اور فقہاء حدیثِ ضعیف کو فضائل اعمال میں لینے کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بعض اوقات حدیثِ ضعیف کو احکام میں لینے کے بھی قائل ہیں، جب کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ملے، اور قیاس پر ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ شیخ زبیر علی زئی ضعیف حدیث کو کسی بھی طرح قبول کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ اسے مردو سمجھتے ہیں حالانکہ بعض اوقات جن روایات کو وہ موضوع و مردود لکھ چکے ہوتے ہیں بعد میں ان کو صحیح و حسن بھی مان لیتے ہیں، تو اس طرح کا سخت رویہ کسی بھی صاحبِ علم کیلیے مناسب نہیں۔ شیخ زبیر حدیثِ ضعیف کے متعلق لکھتے ہیں:

> "بعض لوگ فضائل میں (جب مرضی کے مطابق ہوں تو) ضعیف روایات کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور ان پر عمل کے قائل و فاعل ہیں لیکن محققین کا ایک گروہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل نہ کرنے کا قائل و فاعل ہے، یعنی احکام و فضائل میں ان کے نزدیک ضعیف حدیث ناقابل عمل ہے۔ جمال الدین قاسمی (شامی) نے ضعیف حدیث کے بارے میں پہلا مسلک یہ نقل کیا ہے:
>
> احکام ہوں یا فضائل، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسے ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ابن معین سے نقل کیا ہے اور (سخاوی نے) فتح المغیث میں ابو بکر بن العربی سے منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ امام بخاری و امام مسلم کا یہی مسلک ہے صحیح بخاری کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے۔ امام مسلم نے ضعیف حدیث کے راویوں پر سخت تنقید کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھ دیا ہے۔ دونوں اماموں نے اپنی کتاب میں ضعیف روایات میں سے ایک روایت بھی فضائل و مناقب میں نقل نہیں کی۔

(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ۱/ ۳۰۲)

شیخ زبیر نے ضعیف احادیث کو فضائل اعمال میں نہ لینے کی وجہ علامہ قاسمی کی تحقیق کو قرار دیا ہے، جبکہ علامہ قاسمی کی تحقیق مکمل نہیں۔ جن محدثین کا ذکر علامہ قاسمی نے کیا وہ خود اپنی کتب میں ضعیف احادیث کو لاتے ہیں، اور ضعیف راویوں سے فضائل اعمال پر احادیث نقل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

یحیٰ ابن معین کی رائے کا جائزہ:

امام یحیٰ بن معین کے متعلق ابن سید الناس نے جو عیون الاثر میں نقل کیا ہے، یہ درست نہیں بلکہ وہ بھی جمہور کے موافق ہیں، جیسا کہ خود ان کی اپنی تصریحات سے پتہ چلتا ہے چنانچہ الکامل فی الضعفاء میں ابن مریم سے روایت ہے کہ انہوں نے یحیٰ ابن معین سے سنا وہ کہتے ہیں کہ:

ادریس بن سنان یکتب من حدیثہ الرقاق۔ (جرجانی، عبداللہ بن عدی، ابو احمد: الکامل فی الضعفاء الرجال، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۷ء، ج ۲ / ۳۴)

ادریس بن سنان کی ترغیب وترہیب (کے متعلق روایات) کو لکھا جائے گا۔ (حالانکہ وہ ضعیف راوی ہیں)

شرح علل الترمذی میں ہے: و قال ابن معین فی موسیٰ بن عبیدہ یکتب من حدیثہ الرقاق۔

(ابن رجب، عبدالرحمٰن بن احمد، شرح علل الترمذی، مکتبہ المنار، اردن، ۱۹۸۷ء، ۱ / ۳۷۲)

یحیٰ ابن معین نے موسیٰ بن عبیدہ کے متعلق کہا (جو کہ ضعیف راوی ہیں) کہ ان سے ترغیب وترہیب کے بارے میں احادیث لی جاسکتی ہیں۔

امام بخاری کی رائے کا جائزہ:

علامہ قاسمی نے امام بخاری کی طرف اس بات کو منسوب کیا کہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف پر عمل جائز نہیں ہے نہ احکام میں اور نہ ہی فضائل میں، لیکن یہ نسبت تحقیق کے خلاف ہے، تحقیق یہ ہے کہ حدیث پر امام بخاری کی چار قسم کی کتب ہیں۔

۱۔ ترغیب وترہیب کے بارے جیسے الادب المفرد

۲۔ احکام کے بارے جیسے قرۃ العین برفع الیدین فی الصلوٰۃ، القرأت خلف الامام

۳۔ عقائد کے بارے جیسے خلق افعال العباد

۴۔ جامع جیسے صحیح بخاری

مذکورہ تمام کتب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث کی تخریج کی ہے بلکہ بعض کے ضعف کو بھی بیان کیا ہے۔

الادب المفرد اور احادیث ضعیفہ کی تخریج:

شیخ ناصر الدین البانی کے مطابق اس کتاب میں دوسو پندرہ ضعیف احادیث ہیں، جن کو انہوں نے ''ضعیف الادب المفرد'' کے نام سے الگ ترتیب دیا ہے۔

قرۃ العین برفع الیدین فی الصلوٰۃ اور احادیث ضعیفہ کی تخریج:

یہ احکام کے متعلق کتاب ہے، اس کتاب میں بھی امام بخاری نے متعدد ضعیف راویوں سے تخریجِ حدیث کی ہے، مثلا اسماعیل بن عبد الملک، اسماعیل بن عیاش، تمام بن نجیح، عبد ربہ بن سلیمان، فضیل بن مرزق، موسیٰ بن دہقان وغیرہ۔

القرأت خلف الامام اور احادیث ضعیفہ کی تخریج:

احکام سے متعلقہ اس کتاب میں کئی ضعیف راوی پائے جاتے ہیں، مثلا عبد اللہ بن عیسیٰ ابو خلف، عمرو بن وھب، زیاد بن ابی زیاد، خازم بن حسین، معقل بن مالک وغیرہ۔

خلق افعال العباد اور احادیث ضعیفہ کی تخریج:

یہ کتاب جہمیہ اور معتزلہ کی تردید اور ایک اعتقادی مسئلہ کی تحقیق کے حوالے سے ہے۔ اس کتاب میں بھی کئی ضعیف راوی پائے جاتے ہیں مثلا: سلیمان بن داؤد القرشی، عاصم بن عبید اللہ، صالح بن جبیر، سعید بن عبد الرحمٰن، ضرار بن صرد، وغیرہ۔

الجامع الصحیح اور احادیث ضعیفہ کی تخریج:

۱۔ ویذکر عن ابی ھریرۃ رفعہ ''لا یتطوع الامام بی مکانہ ولم یصح'' (فرہاروی، عبد العزیز: کوثر النبی، مکتبہ امدادیہ ملتان س ن، ص ۴۳)

۲۔ کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔ (بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ: الجامع الصحیح، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۶۴۱۶)

اس حدیث کی روایت میں طفاوی راوی متفرد ہے۔ (ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری، دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۷۹ء، ۱۱/ ۲۳۴)

۳۔ عرضت علی الامم فاخذ النبی یمر معہ الامۃ، والنبی یمر معہ النفر۔۔۔ الحدیث (بخاری: ۶۵۴۱)

اس روایت میں اسید بن زید ضعیف راوی ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۱/ ۳۹۱)

حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ [ص:٨٣]، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " قَالَ اللَّهُ: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ "

لھٰذا اس تحقیق کے بعد یہ کہنا کہ امام بخاری کا مذھب مطلقا رد ہے، کسی طور پر بھی درست نہیں ہے، ہاں یہ الجامع الصحیح کا منہج واسلوب ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب کے اصول میں صحیح احادیث کی تخریج کا التزام کیا ہے۔ اگر چہ اس کے باوجود متابعات و شواہد اور ترغیب و ترہیب کے باب میں ضعیف احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔

(بخاری: ۷۔۲۲۲، قال البانی، محمد ناصر الدین: ضعیف الجامع وزادتہ، المکتب الاسلامی، س ن، ص ۳۲۷)

امام مسلم کی رائے کا جائزہ:

علامہ قاسمی نے امام مسلم کا مذھب بھی مطلقا رد نقل کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ انہوں نے مقدمہ میں ضعیف راویوں کی مذمت کی ہے اور اپنی صحیح میں ان سے کسی ایک حدیث کی بھی تخریج نہیں کی۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ آپ کا مذھب بھی جمہور کے موافق ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ضعیف راویوں کی مذمت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ حدیث ضعیف کے مطلقا مردود ہونے کے قائل ہیں، اس بارے میں یہاں آپ کی کوئی تصریح منقول نہیں ہے، بلکہ یہ تو آپ نے ملتزم صحت کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ مشہور اور ثقہ راویوں سے احادیث کو جمع کرے۔

دوسری بات یہ کہ امام مسلم نے رواۃ اور ان سے مروی روایات کو چار اقسام میں منقسم کیا ہے جن میں سے تین کو صراحتہً اور چوتھی قسم کو اشارۃً ذکر کیا ہے، چنانچہ آپ صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

إِنَّا نَعْمِدُ إِلَى جُمْلَةِ مَا أُسْنِدَ مِنَ الْأَخْبَارِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَقْسِمُهَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ، وَثَلَاثِ طَبَقَاتٍ مِنَ النَّاسِ--- فَأَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ، فَإِنَّا نَتَوَخَّى أَنْ نُقَدِّمَ الْأَخْبَارَ الَّتِي هِيَ أَسْلَمُ مِنَ الْعُيُوبِ مِنْ غَيْرِهَا، وَأَنْقَى مِنْ أَنْ يَكُونَ نَاقِلُوهَا أَهْلَ اسْتِقَامَةٍ فِي الْحَدِيثِ، وَإِتْقَانٍ لِمَا نَقَلُوا، لَمْ يُوجَدْ فِي رِوَايَتِهِمْ اخْتِلَافٌ شَدِيدٌ، وَلَا تَخْلِيطٌ فَاحِشٌ--- فَإِذَا نَحْنُ تَقَصَّيْنَا أَخْبَارَ هَذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ، أَتْبَعْنَاهَا أَخْبَارًا يَقَعُ فِي أَسَانِيدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوفِ بِالْحِفْظِ وَالْإِتْقَانِ، كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ---فَأَمَّا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ قَوْمٍ هُمْ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ مُتَّهَمُونَ، أَوْ عِنْدَ الْأَكْثَرِ مِنْهُمْ، فَلَسْنَا نَتَشَاغَلُ بِتَخْرِيجِ حَدِيثِهِمْ۔ وہ تمام احادیث جو نبی ﷺ سے مروی ہیں انہیں ہم باعتبار طبقات رواۃ تین اقسام پر تقسیم کرتے ہیں۔۔۔ پس قسم اول ہم ان اخبار کو مقدم کریں گے جو عیوب سے محفوظ ہوں اور اس کے ناقلین حدیث اور اتقان میں اہل استقامت ہوں کہ جن کی روایات میں شدید اختلاف یا واضح خلطملط موجود نہ ہو۔۔۔ پھر جب طبقہ اولیٰ کی تمام (یعنی اکثر) احادیث کو جمع کر لیں گے تو اس کے بعد ایسی احادیث کو ذکر کریں گے جن کی اسانید میں بعض ایسے راوی ہیں جو حفظ واتقان میں قسم اول کے ہم پلہ نہیں ہیں۔۔۔ رہے وہ رواۃ جو تمام محدثین یا اکثر کے نزدیک متہم ہوں تو ان کی احادیث کی ہم تخریج نہیں کریں گے۔ (القشیری، مسلم بن حجاج: مقدمہ صحیح مسلم، مکتبۃ الحسن لاہور، س ن، ص ۳)

خلاصہ یہ کہ امام مسلم نے صراحۃً رواۃ کے تین طبقات بنائے ہیں۔

۱۔ حفاظ اور متقین

۲۔ متوسط یعنی حفظ و اتقان میں پہلے سے کم

۳۔ تمام محدثین یا اکثر کے نزدیک متہم

اس تیسرے طبقے میں چوتھے طبقے کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ راوی آجاتے ہیں جو بعض کے نزدیک ثقہ اور بعض کے نزدیک ضعیف ہوں، اور ایسے ہی وہ راوی جو تمام یا اکثر ثقہ راویوں کی مخالف نہ ہوں، اسی طرح وہ بھی جو خطا کثیر سے محفوظ ہوں۔ امام مسلم نے پہلے دو طبقات کی احادیث کو ابواب کتاب میں اور تیسرے طبقہ کی احادیث کو متابعات اور شواہد میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ چوتھے طبقے کی روایات سے کنارہ کشی کی ہے۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

"امام مسلم نے اس راوی کی حدیث کے ترک کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے متہم ہونے پر تمام محدثین یا اکثر نے اتفاق کیا ہے۔ باقی وہ راوی رہ گیا جس کو بعض نے متہم اور بعض نے صحیح قرار دیا تو اس کو یہاں ذکر نہیں کیا۔ امام مسلم نے اپنی کتاب کے ابواب میں پہلے دو طبقات کی احادیث کو ذکر کیا ہے۔ دوسرے طبقے کی احادیث کو پہلے طبقے کی احادیث کی متابعت اور استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے، یا جہاں پہلے طبقے کی احادیث نہ ملیں۔ اور آپ نے ایسے راویوں کو بھی ذکر کیا ہے جن کو بعض نے ضعیف اور بعض نے ثقہ کہا، اور اسی طرح امام بخاری نے بھی کیا ہے۔ پس میرے نزدیک آپ نے اپنی کتاب میں تینوں طبقات کو ذکر کیا ہے اور چوتھے کو ترک کیا ہے۔ (قاضی عیاض، اکمال المعلم بفوائد مسلم، دار الوفاء، مصر، ۱۹۹۸ء، ۱/۸۴)

قاضی ابو بکر بن عربی کی رائے کا جائزہ:

قاضی ابو بکر ابن عربی کی طرف مطلقا رد کی حافظ سخاوی نے نسبت کی ہے، یہ نسبت درست نہیں، اور اس کے بطلان پر قاضی ابو بکر بن عربی کی اپنی تصریحات شاہد ہیں۔ مرسل حدیث بالاتفاق ضعیف حدیث ہے، آپ مرسل حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"۱۔ واھل الحدیث ینکرونھا والصحیح قبولھا۔ (محمد بن عبد اللہ: عارضۃ الاحوذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۱/۱۳)

محدثین مراسیل کا انکار کرتے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مقبول ہیں۔

۲۔ والمرسل عندنا حجۃ کالمسند۔ (محمد بن عبد اللہ: عارضۃ الاحوذی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۲/ ۵)

مرسل ہمارے نزدیک مسند کی طرح حجت ہے۔

۳۔ والمرسل عندنا حجۃ فی احکام الدین من التحلیل والتحریم فی الفضائل وثواب العبادات۔

(محمد بن عبد اللہ: عارضۃ الاحوذی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۲/ ۲۳۷)

ہمارے نزدیک مرسل حرمت والے احکام اور فضائل وثواب عبادات میں حجت ہے۔

مجہول حدیث بھی حدیثِ ضعیف کی قسم ہے، اس کے بارے میں قاضی ابو بکر بن العربی لکھتے ہیں:

"روی ابو عیسیٰ حدثنا حدیثا مجھولا (فان شئت فشمتہ وان شئت فلا) وھو ان کان مجھولا فانہ یستحب العمل بہ لانہ دعاء بخیر وصلۃ للجلیس وتوددلہ۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے ایک مجہول حدیث روایت کی ہے کہ اگر تم چاہو تو چھینک کا جواب دو اگر چاہو تو جواب نہ دو۔ اگرچہ یہ حدیث مجہول ہے لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے کیونکہ یہ دعائے خیر ہے، ہم نشیں کی دل جوئی اور اس سے محبت کا اظہار ہے۔ (محمد بن عبد اللہ: عارضۃ الاحوذی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۱۰/ ۲۰۵)

حدیثِ ضعیف اور ثبوتِ فضائل ومناقب:

فضائل ومناقب کو حدیث ضعیف سے ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذھب ہیں، چنانچہ جمہور کے نزدیک فضائل ومناقب میں حدیثِ ضعیف مقبول اور معمول ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک احکام کی طرح فضائل ومناقب میں بھی ضعیف حدیث غیر مقبول ہے۔

پہلا مذھب:

احکام کی طرح فضائل ومناقب کے ثبوت کے لئے بھی حدیث صحیح یا کم از کم حسن ہونی چاہیے، ضعیف حدیث سے فضائل ومناقب کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مذھب اور رائے مندرجہ ذیل محققین کی طرف منسوب ہے۔

ابن حزم　　　ابن تیمیہ　　　قاضی شوکانی

امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) کی رائے کا جائزہ:

ابن حزم کی طرف اس بات کو منسوب کرنا مناسب نہیں کیونکہ وہ خود اپنی کتاب میں جمہور کے ساتھ ہیں کہ ضعیف حدیث فضائل ومناقب میں جائز ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب المحلیٰ میں لکھتے ہیں:

"اس جیسے اثر کو اگرچہ حجت نہیں بنایا جاتا، مگر اس کے علاوہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نہ ملی، اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا رائے سے ضعیف حدیث ہمیں زیادہ محبوب ہے۔

(ابن حزم، علی بن احمد، ظاہری: المحلیٰ بالآثار، دار الفکر، بیروت، س ن، ۶۱/۳)

ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کی رائے کا جائزہ:

حدیث ضعیف پر عمل کے بارے ابن تیمیہ کی تصریحات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ میں مطلقا انکار کی تصریح کی ہے، جبکہ مجموع الفتاویٰ میں فضائل اعمال میں قابل قبول ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"جب کسی عمل کی فضیلت وثواب یا کراہت وعقاب کے بارے کوئی حدیث مروی اور اس کے موضوع ہونے کے بارے میں یقین نہ ہو تو اس کو روایت کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

(ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، ابو العباس: مجموع الفتاویٰ، مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ، ۱۹۹۵ء، ۱۸/۶۶،۶۵)

قاضی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کی رائے کا جائزہ:

اس حوالے سے قاضی شوکانی کی عبارات بھی متعارض ہیں کیونکہ ابن عبد البر کے قول پر تعجب کرے ہوئے لکھتے ہیں:

اهل العلم بجماعتهم يتساهلون فی الفضائل، فيرو نهاعن كل، و انمايشددون فی احاديث الاحكام۔

و اقول: ان الاحكام الشرعيه متساوية الااقدام لافرق بينها۔۔۔

اہل علم کی جماعت نے تساہل کیا ہے کہ وہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کو لیتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ احکام اور اس طرح کے اعمال میں برابر کا حکم ہے کوئی فرق نہیں۔"

اور ادھر مغرب سے عشاء کے درمیان نمازوں کی کثرت پر ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باب میں ذکر کردہ آیات اور احادیث مغرب اور عشاء کے درمیان نماز کی کثرت کے مشروع ہونے پر دلیل ہیں۔ اور احادیث اگرچہ ان میں اکثر ضعیف ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے استدلال کے قابل ہیں، خاص طور پر فضائل اعمال میں۔ (شوکانی، محمد بن علی، قاضی: الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن: ص ۲۸۳)

دوسرا مذہب:

جمہور علماء کے نزدیک بلکہ امام نووی، ملا علی قاری اور ابن حجر ہیتمی کے مطابق تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے۔ جیسا کہ ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مھدی، عبداللہ بن مبارک، یحیٰ بن سعید قطان، امام بخاری، امام مسلم، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، ابن قدامہ، ابن حزم، خطیب بغدادی، ابن عبدالبر، ابن صلاح، ابن حجر ہیتمی، ابن حجر عسقلانی، جلال الدین سیوطی، جلال الدین محلی، جلال الدین دوانی، حافظ ناصر الدین دمشقی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، خطیب شربینی، علامہ حلبی، ابن تیمیہ، ابن سید الناس، حافظ جلال الدین سیوطی، امام طیبی، ابن کثیر، علامہ زرکشی، حافظ عراقی، میر سید شریف،، ابن الوزیر یمنی، حافظ سخاوی، قاضی شوکانی، علامہ عبدالحی لکھنوی اور عبدالعزیز پرہاروی وغیرہ محققین کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے۔

عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

"عبداللہ بن مبارک نے ایک ضعیف راوی سے روایت کی تو ان سے پوچھا گیا کہ یہ توضعیف ہے! تو آپ نے کہا کہ اتنی مقدار یا ایسی چیزوں کو اس سے روایت کیا جاسکتا ہے، میں (ابو حاتم) نے عبدہ بن سلیمان سے پوچھا ایسی چیزوں سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا: ادب، نصیحت اور زہد کے بارے میں۔

(ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن بن محمد: الجرح والتعدیل، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲ء، ۱/ ۲۸۰)

یحیٰ بن سعید قطان (م ۱۹۸ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ یحیٰ بن سعید کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"یحیٰ بن سعید نے کہا کہ تم ایسی قوم سے تفسیر لینے سے تساہل سے کام لے لیا کرو جن کی محدثین حدیث میں توثیق نہیں کرتے۔ پھر آپ نے لیث، ابن ابی اسلم، ضحاک، اور محمد بن سائب کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ لوگ قابل تعریف نہیں ہیں لیکن ان سے تفسیر لی جاسکتی ہے۔

(خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابو بکر: الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۴۰ء: ۲/ ۱۹۴)

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں لکھا:

"باب فی الادب والموعظ انہا تحتمل الروایۃ عن الضعاف۔

آداب و مواعظ کے متعلق ضعیف راویوں سے روایت کی جاسکتی ہے۔ (ابن ابی حاتم: الجرح والتعدیل، ص: ۳۰)

ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

"فان النوافل و الفضائل لا یشترط صحۃ الحدیث فیھا۔

نوافل اور فضائل میں حدیث کا صحیح ہونا شرط نہیں ہے۔

(ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، حنبلی: المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ۱۹۶۸ء: ۹۸/۱)

امام نووی (م ۶۷۶ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و قد اتفق العلماء علی جواز العمل الحدیث الضعیف فی الفضائل الاعمال۔

علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

(ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، حنبلی: المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ۱۹۶۸ء: ۹۸/۱)

(۲) امام نووی رحمہ اللہ "المجموع شرح المھذب" میں فرماتے ہیں:

"اور مختار خط کا استحباب ہے، کیونکہ اگرچہ اسمیں حدیث ثابت نہیں ہے لیکن اس سے نمازی کے لئے حریم (جس کی وجہ سے حفاظت ہو) حاصل ہوتی ہے۔ اور ہم پہلے حلال و حرام کے علاوہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ذکر کر چکے ہیں۔

(نووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا: المجموع شرح المھذب، دارالفکر، بیروت، س ن، ۲۴۸/۳)

امام ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

ابن حجر عسقلانی، ابن جوزی کے ترغیب و ترھیب میں قابل عمل ضعیف حدیثوں کو موضوعات میں داخل کرنے پر تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ابن جوزی نے اپنی کتاب میں حدیث منکر اور اس ضعیف حدیث کو بھی ذکر کر دیا ہے، جو ترغیب و ترھیب میں قابل عمل ہیں۔ (ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: النکت علی کتاب ابن الصلاح، عمادۃ البحث العلمی، مدینہ، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۲۶)

ابن حجر ہیتمی (المتوفی ۹۷۴ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

علامہ ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں:

وقد اتفق العلماء علیٰ جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔

(ابن حجر الہیتمی، احمد بن محمد: الفتح المبین شرح الاربعین، دار المنھاج، جدہ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۹)

حافظ ناصر الدین دمشقی (المتوفی ۸۴۲ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

حافظ ناصر الدین دمشقی لکھتے ہیں:

وقدروی عن جمع من السلف وجمع من الخلف فیمایروی عنھم ونقل منھم ابن المبارک وبن مھدی واحمدبن حنبل انھم تساھلوافی روایۃ الحدیث الضعیف الذی فی اسنادہ مقال۔اذاکان فی الترغیب والترھیب والقصص والامثال والمواعظ وفضائل الاعمال،وکماتجوزروایۃ الحدیث الضعیف الواردفی بعض ھذہ الامور کذالک یجوز العمل بہ عندالجمھور۔

تمام سلف اور خلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے چاہے وہ ترغیب وترہیب ہو یا قصص یا امثال یا وعظ یا فضائل اعمال جن محدثین نے اسے جائز قرار دیا ہے ان میں عبد اللہ بن مبارک ،ابن مھدی، امام احمد بن حنبل اور اسی طرح جمہور کا موقف ہے۔

(دمشقی، ناصر الدین، حافظ: الترجیح الحدیث صلاۃ التسبیح، دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۴)

جلال الدین محلی (المتوفی ۸۶۴ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

حافظ شمس الدین رملی جلال الدین محلی کے متعلق لکھتے ہیں:

وافادالشارح انہ فات الرافعی والنووی انہ روی عنہ ـ ﷺ منطرقفیتا ریخا بنحبانوغیر ھو انکانتضعیفۃ للعملبالحدیثالضعیففیفضائلالاعمال،ولھذااعتمدالوالدـرحمھاللھاستحبابہ،وافتیبہ۔

شارح جلال الدین محلی نے افادہ فرمایا ہے کہ رافعی اور نووی سے یہ بات چوک گئی ہے کہ نبی ﷺ سے تاریخ ابن حبان وغیرہ میں متعدد طرق سے مروی ہے ،اگرچہ وہ سارے ضعیف ہیں،اس لیے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔اسی لیے والد محترم نے استحباب پر اعتماد اور فتویٰ دیا ہے۔

(الرملی، محمد بن ابی العباس، شہاب الدین: نہایۃ المحتاج الی شرح المھاج،، دار الفکر بیروت، ۱۹۸۴ء، ۱/۱۹۷)

محقق جلال الدین دوانی (المتوفی ۹۱۸ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

محقق جلال الدین دوانی لکھتے ہیں:

"والذی یصلح للتعویل انه اذاوجدحدیث ضعیف فی فضیلة عمل من الاعمال ،ولم یکن هذاالعمل ممایحتمل الحرمة والکراهة فانه یجوزالعمل به ،ویستحب لانه مامون الخطر،ومرجو النفعاذهو دائربین الاباحةو الاستحباب فاالاحتیاط العمل به،راجاءالثواب۔"

قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں حدیثِ ضعیف وارد ہو اور وہ عمل حرمت اور کراہت کا احتمال نہ رکھے، تو اس حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے، کیونکہ خطرے کا اندیشہ نہیں اور نفع کی امید ہے، کیونکہ یہ اباحت اور استحباب کے درمیان دائرہ ہے، ثواب کی امید سے عمل میں احتیاط ہے۔ (لکھنوی، عبدالحیی: ظفر الامانی، مکتب المطبوعات، حلب س ن، ص ۱۹۲)

شیخ الاسلام زکریا انصاری (المتوفی ۹۲۶ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

شیخ الاسلام زکریا انصاری لکھتے ہیں:

سهلوای: جوزوا التساهل (فی غیر موضوع) من الحدیث ،حیث (رووا) ای: رواه باسناده (من غیر تبیین لضعف) ان کان فی الترغیب والترهیب من المواعظ،والقصص وفضائل الاعمال ونحوها۔" علماء ومحدثین نے تساہل کو جائز رکھا ہے جب کوئی روایت ضعیف ہو، ترغیب وترہیب کے متعلق، مواعظ، قصص یا فضائل اعمال کے متعلق سوائے موضوع کے (یعنی فضائل اعمال سے متعلق ضعیف حدیث پر عمل کو جائز رکھا ہے جبکہ وہ ضعیف حدیث موضوع نہ ہو)۔

(انصاری، زکریا بن محمد، شیخ الاسلام: فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۲ء، ۱/ ۳۰۴)

علامہ خطیب شربینی (المتوفی ۹۷۷ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

خطیب شربینی درج ذیل حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

عن انس ان النبی ﷺ قال: منصلیللهار بعینیو مافیجماعةیدر کالتکبیرة الاو لیکتب له برأتان: "برأة من النار و برأة من النفاق" وهذا الحدیث منقطع لکنه من الفضائل فیتسامح فیه۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی اس کے لئے دو چھٹکارے ہیں، ایک جہنم کی آگ سے دوسرا نفاق سے۔ خطیب شربینی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے لیکن چونکہ فضائل اعمال سے ہے، لہٰذا چشم پوشی کی جائے گی۔

(شربینی، محمد بن احمد، خطیب: مغنی المحتاج، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۱/۴۴۸)

علامہ ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

و الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال اتفاقا۔ "حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں متفقہ طور پر عمل جائز ہے۔

(ملا قاری، علی بن سلطان،: مرقاۃ شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۲ء، ۲/۱۲۲۷)

علامہ حلبی (المتوفیٰ ۱۰۴۴ھ) کے نزدیک حدیثِ ضعیف پر عمل:

مشہور سیرت نگار علامہ حلبی لکھتے ہیں:

"و لا یخفیٰ ان السیر تجمع الصحیح و السقیم و الضعیف و البلاغ و المرسل و المنقطع و المعضل دون الموضوع۔"

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ سیرت نگار، صحیح و سقیم و ضعیف و بلاغ و مرسل و منقطع و معضل سوائے موضوع کے جمع کرتے ہیں۔ (حلبی، علی بن ابراہیم: السیرۃ الحلبیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ، ۱/۳)

خلاصہ بحث:

- جمہور محدثین اور فقہاء حدیثِ ضعیف کو فضائل اعمال میں لینے کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بعض اوقات حدیثِ ضعیف کو احکام میں لینے کے بھی قائل ہیں، جبکہ کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ملے، اور قیاس پر ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔
- فضائلِ اعمال سے متعلق ضعیف روایات پر عمل کرنے کو جمہور محدثین نے جائز قرار دیا ہے، اور ایسی احادیث جس میں کسی کام کی فضیلت بیان ہوئی ہو اس میں سخت شرائط رکھنے سے گریز کیا ہے۔
- محدثین نے تو فضائل اعمال پر کتب لکھی ہیں جن میں کثیر احادیثِ ضعیفہ لائے ہیں۔ جن میں سر فہرست امام بخاری کی کتاب الادب المفرد ہے۔

باب پنجم

عبادات کے متعلق معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

فصل اول

نماز کے متعلق معمول بہا احادیث پر زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ!

نماز میں ہاتھ باندھنے کے مقام کے متعلق شیخ زبیر نے غیر منطقی طریقے سے معمول بہا احادیث سے روگردانی کرتے ہوئے اپنی کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' میں حدیثِ پاک کا معنی و مفہوم بدلتے ہوئے لکھتے ہیں:

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهَرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغَ وَالسَّاعِدَ "

پھر آپ نے دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی، کلائی اور (ساعد) بازو پر رکھا۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۴۸۰)

تشریح ۔''الکف والرسغ والساعد'' اصل میں ذراع (حدیث بخاری: ۷۴۰) کی تشریح ہے، المعجم الوسیط (۱/ ۴۳۰) میں ہے ''الساعد: مابین المرفق والکف من اعلی ''ساعد کہنی اور ہتھیلی کے درمیان (اوپر کی طرف) کو کہتے ہیں۔

تنبیہ:: ''الساعد'' سے مراد پوری ''الساعد'' ہے بعض الساعد نہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''لان العبرۃ بعموم اللفظ حتی یقوم دلیل علی التخصیص''

جب تک تخصیص کی دلیل قائم نہ کی جائے عموم لفظ کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔ (فتح الباری ۱۲/ ۲۶۱ تحت ح ۲۹۱۵)

بعض الساعد'' کی تخصیص کسی حدیث میں نہیں ہے۔ لہٰذا ساری ''الساعد'' پر ہاتھ رکھنا لازم ہے، تجربہ شاہد ہے کہ اس طرح ہاتھ رکھے جائیں تو خود بخود سینے پر ہاتھ رکھے جاسکتے ہیں۔ (زئی، زبیر، حافظ: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۳)

شیخ زبیر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ دائیں پوری ذراع, بائیں پوری ذراع پر رکھیں، حالانکہ یہ حدیث کا منشا نہیں، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی، جوڑ اور کلائی پر رکھتے۔ جس طرح شیخ زبیر سمجھا رہے ہیں اس حساب سے الفاظ یہ ہونے چاہیے تھے کہ دائیں کلائی، بائیں کلائی پر رکھی, جبکہ الفاظ ہیں دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی، جوڑ اور کلائی پر رکھی، اگر آپ دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی، جوڑ اور کلائی پر رکھیں گے تو لامحالہ آپ کا ہاتھ ناف کے نیچے خود بخود آجائے گا۔

شیخ زبیر نے اس پر ایک پوری کتاب لکھ ڈالی لیکن پہلی دلیل دیتے ہوئے مکمل حدیث کو نقل نہیں کیا، اگر حدیث کو مکمل لکھ دیا جاتا تو مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا۔ مکمل حدیث درج ذیل ہے۔

أَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: قُلْتُ: " لَأَنْظُرَنَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّي قَالَ: فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ، قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغَ وَالسَّاعِدَ "
حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) میں نے (اپنے دل میں) کہا: میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھوں گا کہ آپ ﷺ کیسے نماز پڑھتے ہیں؟ چنانچہ میں نے (توجہ سے) آپ ﷺ کی طرف دیکھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے، اللہ اکبر کہااوراپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ وہ آپ ﷺ کے کانوں کے برابر ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دیاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، جوڑاور کلائی پر رکھا۔

(ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق: صحیح ابن خزیمہ، المکتب الاسلامی، بیروت، س ن، رقم الحدیث:۴۸۰)

شیخ زبیر نے آدھی حدیث لکھ کر اسکی من مانی تشریح کر ڈالی اور لفظ ید (ہاتھ) کو سراسر حذف کر گئے، جب دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت، جوڑاور کلائی پر آئے گا تو حدیث کی صحیح تشریح ہو گی، جبکہ شیخ زبیر دائیں ہاتھ کے ذکر کو حذف کر کے حدیث کی من مانی تشریح کرنے میں مصروف ہو گئے اور حدیث کی منشا کے خلاف نتیجہ اخذ کر لیا۔ اور یہ بھی دلیل دی کہ پوری کلائی پر ہاتھ رکھنا لازمی ہے اور اس کے بعض پر رکھنے کی کوئی تخصیص نہیں، جبکہ اس پر حدیث موجود ہے: قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى قَرِيبًا مِنَ الرُّسْغِ» وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جوڑ کے قریب۔

(دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، أبو محمد: سنن دارمی، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، ۱۴۱۲ھ، رقم الحدیث:۱۲۷۷)

جب آپ جوڑ کے قریب دائیں ہاتھ کو رکھیں گے تو حدیث پر مکمل عمل ہو جائے گا کہ آپ کا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی جوڑاور کلائی پر آجائے گا۔ اس حدیث میں تخصیص موجود ہے کہ آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے جوڑ کے قریب رکھا، پوری ذراع پر نہیں رکھا۔ اسی طرح شیخ زبیر بخاری سے دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ اليَدَ اليُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ اليُسْرَى فِي الصَّلاَةِ» ترجمہ: صحیح بخاری میں ہے کہ کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا: آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔

(بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ، امام: صحیح البخاری، دار السلام للشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث:۷۴۰)

اور ذراع سے مراد کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کا حصہ ہے۔

اگر پوری ذراع پر ہاتھ رکھا جائے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجاتے ہیں۔

(زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۳ء، ۶/۱۰۵)

شیخ زبیر یہاں بھی حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے حدیثِ رسول میں اپنی من مانی تشریح کو داخل کر رہے ہیں اور ید (ہاتھ) کے لفظ کو یکسر نظر انداز کر رہے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ حکم دیا جاتا تھا کہ اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی پر رکھیں، (اس سے یہ رزلٹ نکالنا کہ اگر پوری ذراع پر ہاتھ رکھا جائے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجاتے ہیں) پوری ذراع پر ہاتھ رکھا جائے تو الفاظ یہ ہونے چاہیے تھے کہ ایک ذراع کو دوسری ذراع پر رکھنے کا حکم ہے، یہ تو ہے ہی نہیں بلکہ حکم یہ دیا جاتا تھا کہ دائیں ہاتھ کو ذراع پر رکھیں، اور خود شیخ زبیر نے ذراع کی تفصیل بیان کی کہ: ''ذراع کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کا حصہ ہے۔'' اس طریقے سے تو آپ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر جہاں بھی رکھیں ذراع میں شامل ہے لیکن دائیں ہاتھ کو پورا بائیں ہاتھ پر رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ذراع دوسری ذراع پر رکھ رہے ہیں جو کہ حکم کے خلاف ہے اور حدیث کے منشا کی غلط تشریح ہے۔ اور دوسری احادیث کا انکار لازم آتا ہے کہ: ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهَرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغَ وَالسَّاعِدَ "پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، جوڑ اور کلائی پر رکھا۔ (ابن خزیمہ: صحیح ابن خزیمہ: ۴۸۰)

مندرجہ بالا احادیث سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت، جوڑ اور کلائی پر رکھا جائے اور اسی کا حکم دیا جاتا تھا۔ اگر اسطرح رکھا جائے تو لا محالہ ہاتھ ناف کے بالکل اوپر یا ناف کے نیچے آجاتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول رہا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کبھی بالکل ناف کے اوپر ہاتھ رکھتے اور کبھی ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے:

''ابْنِ جَرِيرٍ الضَّبِّيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ عَلِيًّا، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُمْسِكُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ عَلَى الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَوْقَ السُّرَّةِ قَالَ أَبُو مِجْلَزٍ: تَحْتَ السُّرَّةِ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

ابن جریر ضبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا پہنچا (گٹا) پکڑے ہوئے ناف کے اوپر رکھے ہوئے ہیں، امام ابو داؤد کہتے ہیں: سعید بن جبیر سے فوق السرۃ (ناف کے اوپر) مروی ہے اور ابو مجلز نے تحت السرۃ (ناف کے نیچے) کہا ہے اور یہ بات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے لیکن یہ قوی نہیں۔ (ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی: سنن ابی داؤد، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۷۵۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا گٹا پکڑے ہوئے ناف کے اوپر رکھتے، گٹا (پہنچا) جب پکڑا جائے تو سینے پر کبھی بھی ہاتھ نہیں جاتا جبکہ ہاتھ ناف کے بالکل اوپر یا ناف کے نیچے رہتا ہے۔ اور اسی مضمون کی ایک حدیث امام ترمذی

لائے ہیں اور اس پر اپنی رائے بھی دی ہے:قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا، فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ. قبیصہ بن ھلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کرتے تو آپ بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔

وَفِي البَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَغُطَيْفِ بْنِ الحَارِثِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ.حَدِيثُ هُلْبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

امام ترمذی کہتے ہیں:اس باب میں وائل بن حجر،عطیف بن الحارث،ابن عباس،ابن مسعود،سھل بن سعد،حدیث ھلب حسن حدیث ہے۔

وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، يَرَوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ.وَرَأَى بَعْضُهُمْ: أَنْ يَضَعَهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ، وَكُلُّ ذَلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ.

اپنی رائے دیتے ہوئے امام ترمذی لکھتے ہیں:صحابہ کرام،تابعین اوران کے بعد کے اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ آدمی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔اور بعض کی رائے ہے کہ ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ناف کے نیچے رکھے،ان کے نزدیک ان سب کی گنجائش ہے۔

(ترمذی،ابوعیسی،محمد بن عیسیٰ،امام:جامع الترمذی،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۲۰۰۹ء،رقم الحدیث:۲۵۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اھل علم کا بھی ذکر کیا کہ وہ بھی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور بعض کی رائے ناف کے اوپر اور بعض کی رائے ناف کے نیچے کی ہے۔علامہ عبدالرحمٰن الجزیری (المتوفیٰ۱۳۶۰ھ)نے مذاھب اربعہ (حنفی،مالکی،شافعی، حنبلی)پر کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا"کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ"اس کتاب میں انہوں نے چاروں فقہی مسالک کے درمیان مسائل میں جو اختلافات ہیں ان کا ذکر کیا۔اوران مختلف فیہ مسائل میں نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلے کا بھی ذکر کیا، چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

يُسن وضع اليد اليمنى على اليسرى تحت سرته أو فوقها، وهو سنة باتفاق ثلاثة من الأئمة، وقال المالكية: إنه مندوب۔دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے یااوپر رکھنا سنت ہے،اور یہ سنت اتفاقی ہے تین ائمہ کے نزدیک اور مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔

المالكية قالوا: وضع اليد اليمنى على اليسرى فوق السرة, وتحت الصدر مندوب لا سنة۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر اور ناف کے اوپر اور سینے کے نیچے رکھنا مستحب ہے، سنت نہیں۔

الحنفية قالوا: كيفيته تختلف باختلاف المصلي. فإن كان رجلاً فيسن في حقه أن يضع باطن كفه اليمنى على ظاهر كف اليسرى محلقاً بالخنصر والإبهام على الرسغ تحت سرته. وإن كانت امرأة فيسن لها أن تضع يديها على صدرها من غير تحليق. فقہائے احناف کہتے ہیں کہ اس میں نمازی کے مطابق احوال ہیں، اگر نمازی مرد حضرات ہیں تو ان کے حق میں سنت ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر اس طرح کہ انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے گٹ کو پکڑتے ہوئے ناف کے نیچے رکھنا، اور اگر نمازی عورتیں ہیں تو ان کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھیں بغیر حلقہ بنائے ہوئے۔

الحنابلة قالوا: السنة للرجل والمرأة أن يضع باطن يده اليمنى على ظهر يده اليسرى ويجعلها تحت سرته. فقہائے حنابلہ کہتے ہیں: مرد و خواتین کیلئے سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں ناف کے نیچے۔

الشافعية قالوا: السنة للرجل والمرأة وضع بطن كف اليد اليمنى على ظهر كف اليسرى تحت صدره وفوق سرته مما يلي جانبه الأيسر. فقہائے شافعیہ کہتے ہیں: مرد و خواتین کے لیے سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر دائیں جانب سے ملی ہوئی۔

(الجزیری، عبد الرحمٰن: کتاب الفقہ علی مذاہب اربعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء، ۱/۲۲۷)

تمام ائمہ نے ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے کو سنت قرار دیا ہے سوائے مالکیہ نے اور احناف نے خواتین کے لئے سینے پر رکھنے کو سنت قرار دیا ہے، مرد حضرات کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے کو سنت قرار دیا ہے۔ کیونکہ مرد و خواتین کی نماز میں فرق ہے۔ اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں نماز کا طریقہ لکھتے ہوئے نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ لکھا ہے:

وضع اليمين على الشمال تحت السرة۔ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(جیلانی، عبد القادر، شیخ: غنیۃ الطالبین، ج ۱ ص ۱۹، مکتبہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن)

امام ترمذی رحمہ اللہ جو حدیث لائے ہیں اور اس کی جو آپ نے تشریح کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔ اور یہ ہی عمل صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد اہل علم کا رہا ہے۔ جب آپ دائیں سے بائیں ہاتھ کو پکڑیں گے تو آپ کا ہاتھ خود بخود ناف کے نیچے رہے گا یا بالکل ناف کے اوپر رہے گا، کیونکہ نمازی ایک قد کے نہیں ہوتے بعض لمبے اور بعض چھوٹے قد کے اور بعض درمیانے قد کے، تو جب ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑیں گے تو اس کے قد کے

مطابق ناف کے نیچے رہے گا اور کسی کے قد کے سائز کے مطابق اس کا ہاتھ اس کی ناف کے عین اوپر رہے گا، اور آخر میں امام ترمذی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس میں سب کے نزدیک گنجائش ہے کہ آپ ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں یا بعینہ ناف کے اوپر، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ناف کے نیچے یا ناف کے بالکل اوپر ہاتھ باندھنے کو ثابت کیا ہے، سینے کا ذکر ہی نہیں کیا، معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا کبھی معمول ہی نہیں رہا، بلکہ اس پر بہت سی احادیث ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ہے اور جب آپ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھیں گے تو آپ کا ہاتھ زیادہ تر ناف کے نیچے ہی رہے گا ان احادیث کو خود شیخ زبیر نے متواتر مانا ہے جس میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے چنانچہ شیخ زبیر اپنی کتاب نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی احادیث متعدد صحابہ سے صحیح یا حسن اسانید کے ساتھ مروی ہیں، مثلاً:

۱: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ (مسلم: ۴۰۱ و ابو داؤد: ۷۲۷)

۲: جابر رضی اللہ عنہ (احمد ۳/ ۳۸۱ ح ۱۵۱۵۶ وسندہ حسن)

۳: ابن عباس رضی اللہ عنہما (صحیح ابن حبان، الموارد: ۸۸۵ وسندہ صحیح)

۴: عبد اللہ بن جابر البیاضی رضی اللہ عنہ (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم الاصفہانی ۳/ ۱۶۱۰ ح ۴۰۵۴ وسندہ حسن واوردہ الضیاء فی المختارۃ ۹/ ۱۳۰ ح ۱۱۴)

۵: غضیف بن الحارث رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۴/ ۱۰۵،۵/ ۲۹۰ وسندہ حسن)

۶: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ابو داؤد: ۷۵۵ وابن ماجہ: ۸۱۱ وسندہ حسن)

۷: عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (ابو داؤد: ۷۵۴ واسنادہ حسن واوردہ الضیاء المقدسی فی المختارۃ ۹/ ۳۰۱ ح ۲۵۷)

یہ حدیث متواتر ہے۔ (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص ۹۸ ح ۶۸) (زئی: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، ص ۸)

ان متواتر احادیث سے بھی ثابت ہورہا ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ہے نا کہ کلائی یا بازو پر، جب ہم ان متواتر احادیث کو ابن خزیمہ اور دیگر محدثین سے مروی صحیح احادیث سے سمجھتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلیے کھڑے ہوتے: قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهَرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغَ وَالسَّاعِدَ" آپ ﷺ کھڑے ہوئے، اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ وہ آپ ﷺ کے کانوں کے برابر ہوگئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، جوڑ اور کلائی پر رکھا۔ (ابن خزیمہ: صحیح ابن خزیمہ: ۴۸۰)

تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جب آپ دایاں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، جوڑ اور کلائی کو پکڑیں گے تو ہاتھ ناف کے نیچے خود بخود ہو جائیں گے۔

شیخ زبیر معمول بہا احادیث کے مخالف ایک اور دلیل دیتے ہوئے بہت سے پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَرَأَيْتُهُ، قَالَ، يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ» وَصَفَّ يَحْيَى: الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَوْقَ الْمِفْصَلِ ہلب طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو (نماز سے فارغ ہو کر) دائیں اور بائیں (دونوں) طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا اور دیکھا ہے کہ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ (احمد بن حنبل، امام: مسند احمد، موسستہ الرسالہ، ۲۰۰۱ء، رقم الحدیث: ۲۱۹۶۷)

یحیٰ (القطان راوی) نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر (عملا) بتایا۔ (مسند احمد ۵ / ۲۲۶ وسندہ حسن)۔ (زئی: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، ص ۱۴)

شیخ زبیر نے مندرجہ بالا حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے حدیث میں اپنے الفاظ کا اضافہ کیا ہے، کچھ الفاظ تو بریکٹ میں بڑھائے اور کچھ تو حدیث میں تحریف کرتے ہوئے بڑھا دیے۔

حدیثِ پاک میں نماز کا ذکر ہی نہیں لیکن شیخ زبیر نے بریکٹ میں نماز کا لفظ بڑھا دیا، حدیث میں سلام کا لفظ ہی نہیں لیکن شیخ زبیر نے ترجمہ کرتے ہوئے سلام کا لفظ ایسے بڑھایا گویا جیسے یہ حدیث کا لفظ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا اس پر کوئی وضاحت نہیں کہ کب یہ عمل آپ ﷺ نے کیا اور لفظ ہے (يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ) یہ سینے پر رکھا، یعنی آپ ﷺ نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا، اس روایت میں نماز کا ذکر ہی نہیں۔ اگر مان لیا جائے کہ نماز کی بات ہے تو اس پر کیا قرینہ ہے کہ نماز کے اندر اور قیام کی بات ہے اور اگر قیام کی بات ہے تو اس میں ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا جاتا ہے جو کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے اور یہاں لفظ ہے (یہ) یعنی ایک ہاتھ سینے پر رکھا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا جو کہ کسی وجہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے سینے پر ایک ہاتھ رکھا ہو جس کو راوی نے نقل کیا اور شیخ زبیر نے اس سے سینے پر نماز کے اندر ہاتھ رکھنا سمجھ لیا اور معمول بہا احادیث کو چھوڑ دیا۔ اگر کوئی کہے کہ اس میں راوی نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا اس طرح۔ سوال یہ ہے کہ کیا راوی نے نماز کا ذکر کیا؟ دوسری بات یہ کہ شیخ زبیر راوی کی بات اس وقت مانتے ہیں جب راوی کی ملاقات ثابت ہو جیسا کہ اپنی کتاب نصر الباری میں شیخ زبیر لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا»، قَالَ سُفْيَانُ: لِمَنْ يُصَلِّي وَحْدَهُ-اس کی نماز نہیں (ہوتی) جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔سفیان (بن عیینہ) نے کہا (یہ) اس کے لیے ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔(ابو داود:۸۲۲)

یہ قول سفیان بن عیینہ سے ثابت نہیں۔سفیان رحمہ اللہ ۱۹۸ہجری میں فوت ہوئے،جبکہ امام ابو داوٗد ۲۰۳ ھجری میں پیدا ہوئے۔لھٰذا یہ قول منقطع ہونے کی وجہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

(زئی،زبیر،حافظ: نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری، مکتبہ اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۳ء، ص۴۹)

شیخ زبیر کے اصول سے یحیٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ثابت نہیں ہو گا اور منقطع ہو گا کیونکہ یحیٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ ۱۲۰ ہجری کو پیدا ہوتے ہیں اور کسی صحابی سے ان کی ملاقات ثابت نہیں تو وہ صحابی ہلب طائی کی حدیث پر کیسے وضاحت پیش کر سکتے ہیں جب کہ انہوں نے صحابی ہلب طائی کو دیکھا ہی نہیں۔

(ذھبی، محمد بن احمد، ابو عبد اللہ، شمس الدین: سیر اعلام النبلاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۱۰ء، ۷/۱۰۰)

جب کہ راوی (سفیان بن عیینہ) کی وضاحت کو بھی شیخ زبیر نے مکمل ترجمہ کے ساتھ پیش نہیں کیا اور ترجمہ کرتے ہوئے لفظ "فَوْقَالْمِفْصَلِ" کو چھوڑ دیا اور ترجمہ یوں کیا" یحیٰ (القطان راوی) نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر (عملا) بتایا" حالانکہ راوی سفیان بن عیینہ نے عملا یہ بتایا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے جوڑ پر رکھنا ہے، جیسے ہی آپ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے جوڑ پر رکھیں گے تو خود بخود آپ کے ہاتھ ناف کے نیچے چلے جائیں گے۔

شیخ زبیر نے اپنے اصول کی مخالفت کرتے ہوئے ابو داوٗد کی ایک ضعیف روایت کو صحیح لکھ کر کہا کہ اس کا شاہد یہ حدیث ہے جس میں ہلب طائی صحابی نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کو سینے پر رکھا۔جو حدیث شاہد کے طور پر پیش کر رہے ہیں وہ اس بات کی وضاحت ہی نہیں کر رہی کہ یہ نماز کا واقعہ ہے یا باہر کا اگر نماز کا واقعہ ہے تو نماز میں قیام کی بات ہو رہی ہے یا سلام کے فوراََ بعد۔جیسا کہ بعض اوقات سلام کے بعد سینے پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔تو ایک غیر واضح واقعے کو متواتر احادیث کے مقابلے میں لانا اور اس سے متعلقہ ضعیف روایات کو صحیح مان کر لکھ لینا کیا یہ انصاف پسندی ہے؟

شیخ زبیر اپنے مقالات میں بار بار اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ مقالات ۳ صفحہ ۸۹ پر ایک حدیث پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ روایت مرسل یعنی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا"وحدیث مالک عن عمرة مرسل و اھل الحدیث و نحن لا نثبت مرسلا اور مالک کی عمرہ (بنت عبد الرحمٰن) سے حدیث مرسل ہے اور اہل حدیث اور ہم مرسل کو ثابت نہیں سمجھتے۔

(کتاب الام ج۳ص۷۵باب الجائحۃ فی الثمرۃ)

ابن الصلاح الشہروزی الشافعی نے لکھاہے:وماذکرناہ من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحکم بضعفه هو المذهب الذی استقر علیه آراء جماهیر حفاظ الحدیث ونقاد الأثر وقدتداولوه فی تصانیفهم وفی صدر صحیح مسلم:المرسل فی اصل قولنا وقول اهل العلم بالاخبار لیس بحجة

اور ہم نے مرسل کے درجہ حجت سے ساقط ہونے اور ضعیف ہونے کا جو ذکر کیاہے،یہی وہ مذھب ہے جس پر جمہور حفاظِ حدیث اور ناقدین کرام کی آراء قائم ہوئی ہیں اور انہوں نے پے درپے اپنی کتابوں میں لکھاہے اور صحیح مسلم کے شروع میں لکھاہواہے کہ ہمارے اصل قول اور حدیث کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے۔(مقدمہ ابن الصلاح ص۱۳۰۔۱۳۱،مع التقیید والایضاح للعراقی ص۷۴۔۷۵)

حافظ عبد الرحیم بن الحسین العراقی(المتوفی۸۰۶ھ)نے مرسل کے بارے میں فرمایا:

وردة جماهر النقاد للجهل بالساقط فی الاسناد۔اور جمہور ناقدین نے اسے رد کر دیاہے،سند میں ساقط شدہ کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے۔(زئی:مقالات،۳/۸۹)

شیخ زبیر اسی مقالہ میں صفحہ ۱۱۴ پر لکھتے ہیں:

مرسل چونکہ ضعیف ہوتی ہے۔لھٰذا مرسل سے استدلال جائز نہیں۔(زئی:مقالات،۳/۱۱۴)

ان اصولوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ شیخ زبیر نے کس طرح اپنے اصول کو بالائے طاق رکھ کر ایک ضعیف روایت کو صحیح لکھااور جس روایت کا شاہد بنارہے ہیں(ہلب طائی)وہ اصل میں حسن روایت ہے اور ضعیف روایت کو حسن شاہد کے ساتھ ملاکر نتیجہ نکالا کہ یہ حدیث صحیح ہوگئی۔یعنی ضعیف + حسن = صحیح

شیخ زبیر نے سنن ابی داؤد کی تحکیم(حدیث پر حکم لگایا کہ یہ صحیح ہے اور یہ ضعیف)کی ہے،اس میں ان کا اسلوب یہ ہے کہ سند پر حکم لگاتے ہیں،کہ یہ سند صحیح ہے یا ضعیف یعنی لکھتے ہیں اسنادہ صحیح یا اسنادہ حسن یا اسنادہ ضعیف لیکن جب چاہیں اپنے اسلوب سے تجاوز کر جائیں چنانچہ ابوداؤد کی حدیث ۷۵۹ پر حکم لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى، ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ» طاؤس تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، پھر ان کو اپنے سینے پر باندھ لیتے، اور آپ ﷺ نماز میں ہوتے۔ (ابو داود:۷۵۹)

تخریج: [صحیح] وهو فی المراسیل لابی داؤد، ح۳۳ وسنده ضعیف لارساله، وللحدیث شاهد عند احمد: ۲۲۶/۵ وسنده حسن، وبه صح الحدیث۔ یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے جو کہ مراسیل لابی داؤد میں ہے، لیکن اس کا شاھد مسند احمد میں ہے اور اس کی سند حسن ہے، اور اسی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: تحقیق ابو داؤد، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث:۷۵۹)

شیخ زبیر کہتے ہیں کہ یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس کا شاھد مسند احمد میں ہے جو کہ سند حسن کے ساتھ ہے۔ اس سند حسن کے ساتھ یہ ضعیف اور مردود (شیخ زبیر اکثر ضعیف روایت کو مردود لکھتے ہیں) روایت مل کر صحیح ہو گئی! یعنی حسن سند اور ضعیف سند مل کر صحیح کے درجہ تک پہنچ گئی۔ یہ اصول بھی شیخ زبیر کی اپنی اختراع ہے۔

شیخ زبیر اس ضعیف روایت کا جو شاھد بتا رہے ہیں اس میں وضاحت ہی نہیں کہ قیام کی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے ایک دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا، وہاں تو صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں جانب پھرے پھر بائیں جانب پھرے اور دیکھا کہ یہ (ایک ہاتھ) سینے پر رکھا۔

اس میں کہاں وضاحت ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور قیام کی حالت میں رکھا۔ تو ایسی روایت کو شاھد کے طور پر قبول کرنا اور ضعیف و مردود روایت کو اس کا شاھد بنا کر صحیح قرار دینا، کیا یہ انصاف کا قتل نہیں؟ شیخ زبیر اپنی کتب میں ضعیف روایات کو بہت سخت لہجے میں لکھتے، اور کہتے ہیں کہ یہ ضعیف، منقطع اور مردود روایات ہیں۔ اور یہاں شیخ اپنے تمام اصول وضوابط بھول گئے! اور ان تمام متواتر روایات کو پس پشت ڈال دیا۔ جس میں وضاحت ہے کہ:

قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهَرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغَ وَالسَّاعِدَ " آپ ﷺ کھڑے ہوئے، اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کے کانوں کے برابر ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، جوڑ اور کلائی پر رکھا۔ (ابن خزیمہ: صحیح ابن خزیمہ:۴۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا جائے: عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ» ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

(ابو داود:۷۵۶)

اس روایت کو شیخ زبیر ضعیف لکھتے ہیں حالانکہ اس کا شاہد سنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے جس کو امام بیہقی رحمہ اللہ اسنادہ حسن لکھتے ہیں:

كانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ " إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبَّرَ ضَرَبَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى رُسْغِهِ الْأَيْسَرِ، فَلَا يَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يَرْكَعَ-هَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ- حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ رضی اللہ عنہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑے ہوتے اور یہ عمل سارے قیام میں ہوتا، یہاں تک کہ آپ رکوع کو چلے جاتے۔(امام بیہقی فرماتے ہیں۔)اس حدیث کی سند حسن ہے۔(بیہقی، احمد بن حسین: السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳ء، رقم الحدیث: ۲۳۳۳)

دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑا جائے تو لا محالہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے آجائیں گے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے اور ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھتے۔

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر مرفوع روایت:

شیخ زبیر ایسی کوئی مرفوع صحیح روایت پیش نہیں کر سکے کہ جس میں یہ وضاحت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ اور سینے پر رکھتے ہوں جبکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر نبی ﷺ سے مرفوع روایت ہے جس کو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه رضی الله عنه قال رأيت رسول الله ﷺ يضع يمينه على شماله فی الصلوٰة تحت السرة۔ حضرت علقمہ بن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا ہوا تھا۔

(ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن شیبہ، عبد اللہ بن محمد: کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، کتاب الصلوۃ باب وضع الیدین علی الشمال، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۸۹۶ء، ۱/ ۳۹۰)

شیخ زبیر اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مصنف ابن ابی شیبہ کا جو نسخہ ۱۹۶۶ء بمطابق ۱۳۸۶ھ حیدر آباد (الہند) میں طبع ہوا تھا، اس میں اس حدیث کا اختتام "علی شمالہ فی الصلوٰۃ" پر ہوا ہے، اور اس میں "تحت السرۃ" کے الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ (زئی: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، ص ۲۶)

شیخ زبیر کے اعتراض کا جواب ہے کہ کسی ایک نسخہ میں حدیث کے الفاظ کا نہ پایا جانا حدیث کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں۔ بلکہ ۱۹۶۶ء بمطابق ۱۳۸۶ھ سے پہلے اس حدیث کو محدثین نے اپنی کتب میں درج کیا ہے جیسا کہ محدث محمد سبحان علی صدیقی (المتوفیٰ ۱۳۲۲ھ) نے اپنی کتاب "آثار السنن" میں اس حدیث کو درج کیا ہے جو کہ ۱۹۶۶ء بمطابق ۱۳۸۶ھ سے پہلے کے محدث ہیں بلکہ ان کی وفات ۱۳۲۲ھ کو ہوئی ہے۔ اس سے پہلے تابعی محدث ابو مجلز کی روایت امام ابو داؤد رحمہ اللہ سنن ابی داؤد: ۷۵۷ میں قَالَ أَبُو مِجْلَزٍ: تَحْتَ السُّرَّةِ (ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا) کے الفاظ سے لائے ہیں جس کو شیخ زبیر نے حسن کہا ہے۔ اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ تابعی محدث ابو مجلز رحمہ اللہ سے نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا:

حَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ، أَوْ سَأَلْتُهُ قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ يَصْنَعُ؟ قَالَ: «يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَيَجْعَلُهَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ» حجاج بن حسان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز کو سنا یا راوی نے کہا کہ میں نے ان سے پوچھا کہ میں ہاتھ کیسے رکھوں تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ظاہر کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھے۔

(ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن شیبہ، عبد اللہ بن محمد: کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ، رقم الحدیث: ۳۹۴۲)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: «يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ»۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن شیبہ، عبد اللہ بن محمد: کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ، رقم الحدیث: ۳۹۳۹)

خلاصۂ تحقیق:

- تمام متواتر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے، اس طرح کہ دائیں ہاتھ کے ظاہر سے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھتے اور گٹ (جوڑ) کو پکڑے ہوئے ہاتھ کا کچھ حصہ کلائی پر رہتا۔ اس پر عمل کرنے سے ہاتھ خود بخود ناف کے نیچے رہتا ہے جبکہ مرفوع روایات سے بھی ثابت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ان تمام متواتر اور مرفوع و معمول بہا روایات کی مخالفت کرتے ہوئے شیخ زبیر سینے پر ہاتھ رکھنے کو لازم سمجھتے ہیں۔

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے۔
- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس بات کا خلاصہ کیا ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں،چاہے ناف کے نیچے رہے یا بالکل ناف کے اوپر اس میں وسعت ہے ،یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی کا قد لمبا ہو اور اس کا ہاتھ ناف کے بالکل اوپر رہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی کا قد درمیانہ ہو اور اس کا ہاتھ ناف کے نیچے رہے۔
- لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہی نہیں کیا۔اسلئے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا محدثین کا معمول ہی نہیں رہا۔
- دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے یا اوپر رکھنا سنت ہے،اور یہ سنت اتفاقی ہے تین ائمہ کے نزدیک اور مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔
- مالکیہ کہتے ہیں کہ: دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر اور ناف کے اوپر اور سینے کے نیچے رکھنا مستحب ہے، سنت نہیں۔
- فقہائے احناف کہتے ہیں کہ: اس میں نمازی کے مطابق احوال ہیں،اگر نمازی مرد حضرات ہیں تو ان کے حق میں سنت ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر اس طرح کہ انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے گٹ کو پکڑتے ہوئے ناف کے نیچے رکھنا،اور اگر نمازی عورتیں ہیں تو ان کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھیں بغیر حلقہ بنائے ہوئے۔
- فقہائے حنابلہ کہتے ہیں: مرد و خواتین کیلئے سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں ناف کے نیچے۔
- فقہائے شافعیہ کہتے ہیں: مرد و خواتین کے لیے سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر دائیں جانب سے ملی ہوئی۔‘‘
- تمام ائمہ نے ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے کو سنت قرار دیا ہے سوائے مالکیہ نے اور احناف نے خواتین کے لئے سینے پر رکھنے کو سنت قرار دیا ہے،مرد حضرات کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے کو سنت قرار دیا ہے۔کیونکہ مرد و خواتین کی نماز میں فرق ہے۔اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں نماز کا طریقہ لکھتے ہوئے نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ لکھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔

فصل دوم

تراویح کے متعلق معمول بہا احادیث پر شیخ زبیر کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

بیس رکعات تراویح پر اجماع:

رمضان کے مبارک مہینے میں نماز کی کثرت مسلمانوں کا معمول رہا ہے بلکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور جمہور مسلمان اس مہینے میں تراویح کی بیس رکعات پر عمل کرتے چلے آئے ہیں جس کو ائمہ فقہ اور محدثین نے اجماعی عمل قرار دیا ہے، یعنی کہ بیس تراویح پڑھنے پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اس اجماعی عمل کے خلاف شیخ زبیر نے صحیح روایات پر تنقید کی اور اجماعی عمل کے خلاف اپنا پورا زور لگایا چنانچہ شیخ زبیر اپنی کتاب تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان میں صحیح روایات کا انکار کرتے اور اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: " أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ " هَكَذَا فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں لوگ رمضان میں ۲۰ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(بیہقی، احمد بن حسین: السنن الکبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳ء، ۲/۶۹۸، رقم الحدیث: ۴۲۸۷)

اس روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تنقیص کرتا تھا۔ اس کی روایات صحیح بخاری میں متابعات میں ہیں، اور جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ایسے مختلف فیہ راوی کی "شاذ" روایت موطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جا سکتی ہے؟

(زئی، زبیر، حافظ: تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۱)

شیخ زبیر نے امام بخاری کے استاذ اور صحیح بخاری کے راوی علی بن الجعد پر جرح کرتے ہوئے لکھا کہ "وہ تشیع کے ساتھ مجروح ہے" اور شیخ زبیر اپنی دوسری کتاب "نور العینین" میں لکھتے ہیں کہ:

صحیحین (بخاری و مسلم) کے راویوں پہ جرح کرنے والا بدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والا ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: نور العینین، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۳۲)

لیکن یہاں شیخ زبیر نے علی بن جعد کے بارے میں لکھا کہ وہ تشیع کے ساتھ مجروح ہے، کیا شیخ اپنے فتوے سے بدعتی ہوئے یا مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والے؟، کیا یہ شیخ زبیر کا کھلا تضاد نہیں۔

علی بن الجعد:

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ امام بخاری نے تیرہ حدیثیں ان سے اپنی صحیح میں روایت فرمائی ہیں۔ نیز یہ نہایت ثقہ راوی ہیں۔ امام صالح ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام نسائی ان کو صدوق کہتے ہیں۔ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں: کان صدوقا فی الحدیث" کہ یہ حدیث میں راست باز تھے۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں: کان متقنا صدوقا" کہ یہ پختہ کار اور راست باز محدث تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ محدثین سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی بن الجعد کی طرح احادیث کو یاد رکھنے والا ہو۔ امام ابن قانع فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ امام محمد بن صالح اور امام متین بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام فن الرجال یحی بن معین ان کو (دو دفعہ) ثقہ صدوق، ثقہ صدوق کہہ کر ان کی مقرر توثیق کرتے تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ علی بن الجعد ربانی العلم ہیں۔

(مزی، یوسف بن عبد الرحمٰن، جمال الدین: تهذيب الكمال فی اسماء الرجال، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ۲۰/ ۳۴۸)

حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ، ثبت، رمی بالتشیع۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، أبو الفضل: تهذيب التهذيب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الھند، ۱۳۲۶ھ، ۷/ ۲۹۱)

یہ ثقہ اور پختہ کار محدث ہیں، اور ان پر شیعہ ہونے کا الزام ہے۔

حافظ ابن حجر نے علی بن الجعد کے بارے میں "رمی بالتشیع" فرمایا ہے۔ یعنی اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ جبکہ اس کے بالمقابل یعقوب قمی (جو گیارہ رکعات کے راوی ہیں) کو حافظ ابن کثیر نے بالجزم شیعہ قرار دیا ہے۔

(ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء: البدایہ والنہایہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۸/ ۳۷۴)

اب جس راوی پر صرف تشیع کا الزام ہے اس کی روایت تو شیخ کے نزدیک ضعیف ہے لیکن جو بالیقین شیعہ راوی ہیں ان کی روایت شیخ کے نزدیک قابل قبول ہے۔

علی بن الجعد اگر شیعہ ہیں بھی تو وہ متقدمین شیعوں میں سے ہیں اور علمائے متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اور اس کو تفضیلی شیعہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان

متقدمین شیعوں میں موجودہ شیعوں کی طرح کفریہ عقائد (تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم، انکار قرآن اور عقیدہ رجعت وغیرہ) نہیں پائے جاتے تھے بلکہ جو شخص ان کفریہ عقائد کا معتقد ہوتا تھا، اس کو علمائے قدیم غالی رافضی سے پکارتے تھے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"اصطلاح قدیم میں شیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اوران کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے کا نام ہے۔ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر مقدم سمجھتا ہے، تو وہ غالی شیعہ ہے اوراسی کو رافضی کہا جاتا ہے ورنہ اس کو شیعی کہتے ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ سبّ وشتم یا بغض و نفرت کا اظہار بھی ہو تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے اور اگر وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ غلو میں بھی آگے ہے۔(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابوالفضل: فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارالمعرفہ، بیروت، ۱، ۱۳۷۹/ ۴۵۹)

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اصحاب صحیح کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے۔ (زئی: تعدادِ رکعات قیام رمضان، ص ۷۱)

پس علی بن الجعد ثقہ راوی ہیں اوران کی توثیق غیر مقلدین اور خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ تو پھر ان کا شیعی ہونا صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحتِ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔(زئی: نورالعینین، ص ۶۳)

نیز شیخ زبیر لکھتے ہیں: روایتِ حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجیٔ، شیعہ، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے، اور جس راوی کی عدالت ثابت ہو جائے اس کی روایت مقبول ہے، اگرچہ اس کی بدعت کو اس سے بظاہر تقویت پہنچتی ہے۔(زئی، زبیر، حافظ: ماہنامہ الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، س ن، شمارہ ۲ ص ۹)

شیخ زبیر اپنے اصولوں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ ان کا حافظہ کمزور ہے یا تعصب پسندی، جبکہ خود اصول لکھا کہ "روایتِ حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجیٔ، شیعہ، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے" تو پھر علی بن الجعد پر جرح کرنا اوراسے مجروح قرار دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

انصاف پسندی:

شیخ زبیر کی انصاف پسندی کی ایک اور مثال ملاحظہ کریں کہ اسی طرح شیخ نے ایک راوی جس کے بارے میں امام ابو داؤد سے منقول ہے کہ وہ کہتا تھا کہ "علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے قتل پر اعانت کی ہے" اُس راوی کے دفاع میں شیخ زبیر لکھتے ہیں:" اس کا تعلق روایتِ حدیث کے ساتھ نہیں بلکہ اجتہادی امور کے ساتھ ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: القول المتین، نعمان پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۳، ص ۲۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے والے راوی کے بارے میں شیخ کا یہ کہنا کہ "اس کا تعلق روایتِ حدیث کے ساتھ نہیں بلکہ اجتہادی امور کے ساتھ ہے۔" لٰہذا شیخ کے زندیک حدیث کی سند اور صحت میں کوئی فرق نہیں ہو گا کیونکہ یہ ان کا اجتہادی مسئلہ ہے۔ تو علی بن جعد کے بارے میں شیخ کا رویہ کیوں تبدیل ہوا، اور اس پر جرح کیوں کی؟ علی بن جعد کے بارے میں شیخ نے لکھا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتا تھا، اور دوسری طرف وہ راوی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام لگا رہا ہے۔ شیخ اس کو قبول کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شیخ کے اصول کی تحقیق تعصب میں ڈوبی ہوئی ہے۔ تعصب میں ڈوبی تحقیق نہیں تخریب ہوتی ہے۔ لٰھذا علی بن الجعد کے متعلق اس اعتراض کا باطل ہونا خود شیخ کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا۔

شیخ زبیر نے علی بن جعد کے بارے میں لکھا کہ اس کی روایات صحیح بخاری میں متابعات میں ہیں، یعنی امام بخاری نے جب بھی کوئی باب باندھا ہے تو اس کے شروع میں علی بن جعد کی روایات نہیں لائے بلکہ کچھ روایات ذکر کرنے کے بعد علی بن جعد کی روایات تائید کے طور پر لائے ہیں۔ حالانکہ یہ بات سرے سے غلط اور جہالت پر مبنی ہے، علی بن جعد صحیح بخاری کے مرکزی راوی اور امام بخاری کے استاذ ہیں، امام بخاری نے اپنے استاذ علی بن جعد سے بخاری میں ۱۳ روایات لی ہیں جن میں پانچ روایات کو امام بخاری باب باندھنے کے فوراً بعد لائے ہیں یعنی مرکزی حدیث کے طور پر لائے ہیں نہ کہ متابعت میں، ان روایات اور ان کے ابواب بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ بَابٌ: أَدَاءُ الخُمُسِ مِنَ الإِيمَانِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ،

(بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ، امام: الجامع الصحیح، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم: الحدیث: ۵۳)

۲۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، (بخاری: ۱۰۶)

۳- بَابُ دَعْوَةِ اليَهُودِ وَالنَّصَارَى، وَعَلَى مَا يُقَاتَلُونَ عَلَيْهِ، وَمَا كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كِسْرَى، وَقَيْصَرَ، وَالدَّعْوَةِ قَبْلَ القِتَالِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ،(بخاری:۲۹۳۸)

۴- بَابُ التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَيَّار-(بخاری:۶۲۴۷)

۵- بَابُ وَصَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُفُودَ العَرَبِ أَنْ يُبَلِّغُوا مَنْ وَرَاءَهُمْ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ-(بخاری:۷۲۶۶)

ان تمام روایات اوران کے ابواب دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زبیر نے کس طرح سے اپنی عوام کو دھوکے میں رکھا، شیخ زبیر اصولِ محدثین پر اس روایت کو ضعیف تو نہ کر سکے لیکن اس کو مجروح ومردود وناقابل عمل ہونے کے لیے ایڑی چوٹی کازور لگایا، اور یہ چال چلی کہ یہ شاذ روایت مؤطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟۔ جس روایت کو شیخ زبیر شاذ اور ناقابل عمل بتارہے ہیں اس روایت کے بارے میں محدثین کی کیارائے ہے اور موطاوالی روایت جس پر شیخ ناز کر رہے ہیں اس بارے میں محدثین نے کیارائے دی ہے ملاحظہ ہو۔

امام بیہقی ان دونوں روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: " أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ " هَكَذَا فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ۔ سائب بن یزید نے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ گیارہ رکعات پڑھائیں اور قاری سو آیتوں یا اس سے زیادہ آیتوں والی سورتیں پڑھتا تھا حتیٰ کہ ہم طولِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے اور ہم فجر کے قریب فارغ ہو کر لوٹتے تھے۔(بیہقی، السنن الکبری للبیہقی:۴۲۸۷)

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: " كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً " قَالَ: " وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمَئِينِ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عِصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ "”حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اوران میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدّتِ قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔"(بیہقی،السنن الکبری للبیہقی:۴۲۸۸)

عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ قَالَ: " كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً " وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ بِإِحْدَى عَشْرَةَ، ثُمَّ كَانُوا يَقُومُونَ بِعِشْرِينَ وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ۔ یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ (صحابہ کرام وتابعین عظام) رمضان میں ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے گیارہ رکعات پڑھتے تھے پھر ۲۳ رکعات پڑھنے لگ گئے، جس میں ۲۰ تراویح اور تین وتر۔ اللہ بہتر جانتا ہے"۔(بیقھی،السنن الکبری للبیہقی:۴۲۸۹)

شیخ زبیر نے موطا کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ۲۰ تراویح والی روایت پر جو تنقید کی ہے، اس کا جواب امام ابن عبد البر نے پہلے سے ہی دے رکھا ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف جو یہ روایت منسوب ہے کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا، میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ یہ وھم ہے۔

امام مالک نے یحیٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک شخص کو مقرر کیا جو ان کو بیس رکعات پڑھائے۔

السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے عہد میں نماز کے قیام سے لوٹتے تو صبح ہونے والی ہوتی تھی اور حضرت عمر کے عہد میں تیئیس رکعت قیام ہوتا تھا۔

یہ اس صورت پر محمول ہے کہ تین رکعت وتر ہوتے تھے اور بیس رکعت تراویح ہوتی تھیں۔

امام مالک نے یزید بن رومان سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس رکعت ہوتی تھیں۔ یہ تمام احادیث اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ گیارہ رکعات کی روایت وہم اور غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ تیئیس رکعت پڑھی جاتی تھیں، یا اکیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔(ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، ابو عمر: الاستذکار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ، ۵/ ۱۵۶)

شیخ زبیر کے ممدوح علامہ ابن تیمیہ کی رائے:

ثابت ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے تو اکثر اہل علم نے اسے سنت مانا ہے۔اس لیے کہ وہ مہاجرین اور انصار (تمام) صحابہ کرام کی موجودگی میں قیام کرتے (بیس رکعت پڑھاتے) ان صحابہ میں سے کسی نے بھی انہیں نہیں روکا۔

(ابن تیمیہ،احمد بن عبد الحلیم، حرانی: مجموع الفتاویٰ، طبع مطابع الریاض، ۱۳۸۲ھ، ۱/۱۹۱)

شیخ زبیر کے امام و پیشوا محمد بن عبد الوھاب نجدی کے بیٹے کا فتویٰ:

مجموعہ التفاویٰ النجدیہ میں ہے کہ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نے تعدادِ رکعات تراویح سے متعلق سوال کے جواب میں بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح کیلئے جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔(اسماعیل بن محمد انصاری فی تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعۃ ۱/۳۵)

حدیث رومان پر شیخ زبیر کی تنقید کا جائزہ:

بیس تراویح اور تین وتر پڑھنے پر ایک روایت یزید بن رومان سے ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ قَالَ: "كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً "یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ (صحابہ کرام و تابعین عظام) رمضان میں ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔

(بیھقی، السنن الکبری للبیھقی:۴۲۸)

شیخ زبیر نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اس لیے کہ اس میں راوی یزید بن رومان نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔(زئی:تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۳۰)

شیخ زبیر کا اصول ہے کہ اگر روایت منقطع یا مرسل ہو تو وہ ضعیف ہوتی ہے لیکن اگر اس کا شاہد مل جائے تو اس روایت کو صحیح کہیں گے اور وہ روایت قابل قبول ہوگی اس کی مثال شیخ نے یہ دی ہے کہ:

عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى، ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ» طاؤس تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، پھر ان کو اپنے سینے پر باندھ لیتے، اور آپ ﷺ نماز میں ہوتے۔

(ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی: سنن ابی داؤد، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث:۷۵۹)

تخریج: [صحیح] وھوفی المراسیل لابی داؤد، ح۳۳ وسندہ ضعیف لارسالہ، وللحدیث شاھدعنداحمد: ۲۲۶/۵ وسندہ حسن، وبہ صح الحدیث۔

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے جو کہ مراسیل لابی داؤد میں ہے، لیکن اس کا شاھد مسند احمد میں ہے اور اس کی سند حسن ہے، اور اسی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے۔ (زئی، تحقیق ابو داؤد،، رقم الحدیث: ۵۷۹)

شیخ زبیر کہتے ہیں کہ یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس کا شاھد مسند احمد میں ہے جو کہ سند حسن کے ساتھ ہے۔ اس سند حسن کے ساتھ یہ ضعیف اور مردود (شیخ زبیر اکثر ضعیف روایت کو مردود لکھتے ہیں) روایت مل کر صحیح ہو گئی! یعنی حسن سند اور ضعیف سند مل کر صحیح کے درجہ تک پہنچ گئی۔!!!

شیخ زبیر اس ضعیف روایت کا جو شاھد بتا رہے ہیں اس میں وضاحت ہی نہیں کہ نماز میں قیام کی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا، وہاں تو صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں جانب پھرے پھر بائیں جانب پھرے اور دیکھا کہ یہ (ایک ہاتھ) سینے پر رکھا۔

قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَرَأَيْتُهُ، قَالَ، يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ» وَصَفَّ يَحْيَى: الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَوْقَ الْمِفْصَلِ۔ ہلب طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دائیں اور بائیں طرف پھیرتے ہوئے دیکھا اور دیکھا ہے کہ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھا۔ (مسند احمد ۵/ ۲۲۶ وسندہ حسن)۔ (احمد بن حنبل، امام: مسند احمد، موسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۱ء، رقم الحدیث: ۲۱۹۶۷)

(زئی، زبیر، حافظ: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۳ء، ص ۱۴)

طاؤس تابعی کی روایت جو کہ ضعیف ہے لیکن شیخ زبیر نے اس کو صحیح اسلئے لکھا کہ اس کا شاہد مسند احمد میں موجود ہے جو کہ اصل میں اس کا شاہد ہے ہی نہیں، لیکن یہ اصول واضح ہو گیا کہ اگر کوئی روایت ضعیف ہو اور اس کا شاہد ہو تو اس روایت کو صحیح مانیں گے۔ لیکن یہ اصول شیخ صرف اپنے لئے استعمال کرتے ہیں یہ مخالفین کے لیے نہیں، اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یزید بن رومان والی روایت صحیح ہے کیونکہ اس کا صحیح شاہد السنن الکبریٰ میں موجود ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: "كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً" قَالَ: "وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمَئِينِ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عِصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ

"حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اوران میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدّتِ قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔(السنن الکبری للبیھقی:۴۲۸۸)

یزید بن رومان اور یزید بن سائب کی روایات میں ایک ہی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ جبکہ سائب بن یزید صحابیِ رسول ﷺ نے جو عمل بتایا اس کو تمام محدثین مع زبیر زئی نے صحیح مانا ہے ،تو اس کے واضح شاہد ہونے کے باوجود شیخ زبیر نے اس روایت کو منقطع کہہ کر رد کر دیا۔ جو کہ انصاف کا قتل عام ہے۔

نماز تراویح اور تہجد میں فرق!

شیخ زبیر کا ماننا ہے کہ تراویح، وتر، قیام اللیل، قیام رمضان ایک ہی نماز ہے، چناچہ اپنی کتاب تعداد رکعات قیام اللیل میں لکھتے ہیں:

تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان اور وتر ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔(زئی:تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان، ص۱۷)

شیخ زبیر اگلے ہی پیج پر اپنے اس اصول کی دھجیاں اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

سائل کا سوال صرف قیام رمضان سے متعلق تھا جس کو تراویح کہتے ہیں، تہجد کی نماز کے بارے میں سائل نے سوال ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں سوال سے زائد نبی ﷺ کی قیام رمضان وغیر رمضان کی تشریح فرمادی۔(زئی:تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان، ص۱۸)

شیخ زبیر نے اپنے خود ساختہ اصول کی جانے انجانے میں تردید کر دی، جبکہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں جداگانہ نمازیں ہیں۔ جو نماز اول شب میں ادا کی جاتی ہے اس کو نماز تراویح یا قیامِ رمضان کہا جاتا ہے اور جو نماز آخر شب میں پڑھی جائے اس نماز کو تہجد یا قیام اللیل کہتے ہیں۔ یہ تمام اہل اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے لیکن شیخ زبیر نے اس کے خلاف لکھا۔ جبکہ ان کے مسلک کے مولوی عبد اللہ چکڑالوی (جو بعد میں منکر حدیث ہو گئے تھے) نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں ایک ہی نماز ہیں، اور چونکہ یہ انوکھا مسئلہ جس طرح تمام اہل سنت وجماعت کے مسئلہ کے خلاف تھا اسی طرح یہ مسئلہ خود شیخ زبیر کے اکابر کی تصریحات سے بھی متصادم تھا۔ چنانچہ شیخ زبیر کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے سب سے پہلے اس فتویٰ کے خلاف آواز اٹھائی اور مولوی چکڑالوی کی زبردست تردید کی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ایسے صاف اور صحیح جواب کو پاکر بھی ان مولوی صاحب (عبد اللہ چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے، دو نہیں۔ یہ ہی تراویح جو اول وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے۔ کیونکہ تہجد کے معنیٰ: نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا، قاموس میں ہے: تہجد: استیقظ۔

(امر تسری، ثناء اللہ: رسالہ ثنائیہ، مکتبہ ربانیہ، ۲۰۱۱ء، ص۸۸)

فتاویٰ علمائے حدیث میں موجود ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے۔

(علی محمد سعید: فتاویٰ علمائے حدیث، مکتبہ سعیدیہ، خانیوال، ۱۹۷۷ء، ۶/۲۵۱)

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے۔ ساری رات قیام اللیل خلافِ سنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے۔

(صلاح الدین یوسف، مولانا: تفسیری حواشی قرآن مجید ص۷۸۹، مطبوعہ شاہ فہد قرآن مجید پرنٹنگ پریس سعودی عرب، س ن)

یہ گواہیاں شیخ زبیر کے ہم مسلک علماء کی تھیں جس میں وہ وضاحت کرتے ہیں کہ تراویح اور تہجد ایک نماز نہیں بلکہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اور انہوں نے اس شخص کو جواب دیا جو ان کو ایک نماز گردانتا تھا۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی تراویح اور تہجد میں فرق بیان کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تراویح اور تہجد کو ایک نماز نہیں سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے:

عبد الرحمان بن عبد القاری نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں ایک رات مسجد کی طرف گیا تو لوگ مختلف ٹولیوں میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص اپنی نماز پڑھ رہا تھا اور کچھ لوگ کسی کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ میں ان سب کو اگر ایک قاری (امام) کی اقتداء میں جمع کر دوں تو یہ زیادہ بہتر ہو گا، پھر حضرت عمر نے پختہ ارادہ کر لیا اور ان کو حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کر دیا، پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ گیا اور سب لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے کہا: یہ اچھی بدعت ہے اور جس نماز کے وقت وہ سوئے ہوتے ہیں، وہ اس نماز سے افضل ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں، ان کی مرادرات کے آخری حصہ کی نماز تھی اور لوگ رات کے اول حصہ میں قیام کرتے تھے۔ (بخاری: ۲۰۱۰)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: جس نماز کے وقت وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں، وہ اس نماز سے افضل ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔ ان کی مراد رات کے آخری حصہ کی نماز تھی اور لوگ رات کے اول حصہ میں قیام کرتے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی جو لوگ نماز تراویح کے وقت سو جاتے ہیں، وہ ان سے افضل ہیں جو نماز تراویح پڑھتے ہیں، ان کی مراد یہ تھی کہ جو رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھتے ہیں، اس میں یہ تصریح ہے کہ رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا رات کے اول حصہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے یعنی تہجد پڑھنا تراویح پڑھنے سے افضل ہے۔(عینی، محمود بن احمد، بدرالدین: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، ۱۱/۱۷۹)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفیٰ(۴۳۹ھ) لکھتے ہیں: نماز تہجد، تراویح سے اسلیے افضل ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔(ابن بطال، علي بن خلف بن عبد الملكابو الحسن: شرحصحیحالبخاریلابنبطال، دار النشر: مكتبة الرشد-السعودية/الرياض، ۱۴۲۳ھ، ۴/۱۲۲)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جبکہ منفرد نماز پڑھے جب وہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے ہیں تو پھر یہ تراویح منفرد تہجد پڑھنے سے افضل ہے۔

(سنن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابوالفضل: فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، ۳/۵۰۴،)

بیس تراویح پر اجماع:

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے جیسا کہ سائب بن یزید اور زید بن رومان نے بیان کیا، اس پر کسی صحابی کا انکار نہیں، جو کہ ایک اجماعی شکل کے مترادف ہے، اور اس پر ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے والے معتبر علماء کی تصریحات بھی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان چاروں اماموں کے نزدیک بھی بیس تراویح ایک اجماعی عمل ہے۔

قاضی ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی قرطبی اندلسی (متوفیٰ ۵۹۵ھ) لکھتے ہیں: تراویح کی رکعات میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک کا ایک قول اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور داؤد کا قول یہ ہے کہ وتر کے سوا تراویح کی بیس رکعات پڑھی جائیں اور ابن القاسم نے امام مالک سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنا مستحسن ہے۔(ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید: بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل کے نزدیک مختار یہ ہے کہ تراویح کی رکعات کی تعداد بیس ہے ،سفیان ثوری،امام ابو حنیفہ اورامام شافعی کا بھی یہ ہی موقف ہے ،اورامام مالک نے کہا:تراویح کی رکعات چھتیس ہیں،ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیااوروہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے،اسیطرح امام مالک نے یزید بن رومان سے بیس رکعت کی روایت کی ہے،اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے اور یہ اجماع کی مثل ہے۔

امام مالک نے اہل مدینہ کے طریقہ پر عمل کیاہے کیونکہ اہل مدینہ نے اہل مکہ کی مساوات کاارادہ کیاکیونکہ اہل مکہ ہر دوترویحوں کے درمیان سات طواف کرتے تھے،تواہل مدینہ نے چاررکعات کوسات طواف کے مساوی قرار دیا،تاہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کاجو طریقہ تھا،وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے(یعنی بیس رکعت تراویح)۔

(ابن قدامہ،عبداللہ بن احمد:المغنی ج۲ص۳۶۶،ملخصاً ،دارالحدیث، قاہرہ،۱۴۲۵ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی (متوفیٰ۸۵۵ھ)لکھتے ہیں:علماء کااس میں اختلاف ہے کہ تراویح سنت ہے یا نفل ہے،امام حمید الدین ضریری نے کہاہے کہ نفس تراویح سنت ہے اوراس کوجماعت کے ساتھ اداکرنامستحب ہے۔

تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے،امام شافعی اورامام احمد کا بھی یہ ہی مذہب ہے، قاضی نے اس کوجمہور علماء سے نقل کیاہے،اکثرمشائخ نے یہ کہاکہ اس میں قرآن مجید کوختم کرناسنت ہے،لوگوں کی سستی کی وجہ سے اس کوترک نہ کیاجائے۔امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ابو عثمان نہدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین قرّاء کوبلایااوران کو حکم دیا کہ وہ نماز میں جلدی جلدی بیس سے سورتوں تک قرآن مجید پڑھیں۔(عینی:عمدۃالقاری،۷/۲۵۸تا۲۵۹)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی (متوفیٰ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، فَرَأَى بَعْضُهُمْ: أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً مَعَ الوِتْرِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ المَدِينَةِ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَهُمْ بِالمَدِينَةِ، وَأَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ " وقَالَ الشَّافِعِيُّ: «وَهَكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً» وقَالَ أَحْمَدُ: «رُوِيَ فِي هَذَا أَلْوَانٌ وَلَمْ يُقْضَ فِيهِ بِشَيْءٍ» وقَالَ إِسْحَاقُ: «بَلْ نَخْتَارُ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ» وَاخْتَارَ ابْنُ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: الصَّلَاةَ مَعَ الإِمَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ " وَاخْتَارَ الشَّافِعِيُّ: أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ إِذَا كَانَ قَارِئًا۔(ترمذی،ابوعیسی،محمد بن عیسیٰ،امام:جامع الترمذی،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۲۰۰۹ء،رقم الحدیث::۸۰۶)

قیامِ رمضان میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وتر کے ساتھ اکتالیس (41) رکعات پڑھی جائیں ، اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے، اور مدینہ میں اسی پر عمل ہوتا تھا اور اکثر اہل علم کا مذھب وہ ہے جو حضرت علی، حضرت عمر اور نبی ﷺ کے دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ یہ سفیان ثوری، ابن المبارک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اور امام شافعی نے کہا: میں نے اسی طرح اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو پایا، وہ بیس رکعت پڑھتے تھے اور امام احمد نے کہا: اس مسئلہ میں کئی اقوال نقل کیے گئے ہیں اور انہوں نے اس میں کوئی فیصلہ نہیں کیا اور اسحاق نے کہا: بلکہ ہم اکتالیس رکعت اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اور ابن المبارک اور احمد اور اسحاق کا مختار یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں امام کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور امام شافعی کا مختار یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرأت کر سکتا ہو تو وہ تنہا پڑھے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفیٰ ۸۵۲ھ) نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (ابن حجر عسقلانی: فتح الباری، ۳/۵۰۵)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی یہ تصریح کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے

شیخ زبیر اور غیر مقلدین حضرات پر حجتِ قاطعہ ان کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی درج ذیل عبارت ہے: صحیح بخاری کی اس حدیث (۲۰۱۳) میں رکعات کی تعداد کا ذکر نہیں ہے، اور معروف یہ ہے جس پر جمہور ہیں کہ یہ بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ ہیں اور یہ پانچ ترویحات ہیں، اور ہر ترویحہ میں چار رکعات ہیں، وتر کے علاوہ اور اس کی تین رکعت ہیں، اور سنن بیہقی میں حضرت السائب بن یزید سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت ہوتی تھیں اور مؤطا امام مالک میں یزید بن رومان کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تیئیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے، ایک روایت میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے اور امام بیہقی نے ان روایتوں کو جمع کیا ہے کہ پہلے لوگ گیارہ رکعت پڑھتے تھے، پھر بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا یہ معمول اجماع کی مثل ہے۔ (بھوپالی، صدیق حسن خان، نواب: عون الباری ج ۲ ص ۸۶۱، دارالرشید، حلب، سوریا)

اجماع کے مخالف شیخ زبیر کی دلیل:

شیخ زبیر صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین اور فقہاء و محدثین کی مخالفت کرتے ہوئے، بلکہ اپنے ہم مسلک علماء کی مخالفت کرتے ہوئے اس اجماع کے خلاف پہلی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام مالک فرماتے ہیں: میں اپنے لئے قیامِ رمضان (تراویح) گیارہ رکعتیں اختیار کرتاہوں، اسی پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکالی ہیں؟ اسے ابن مغیث کتاب التہجد: ص۱۷۶، فقرہ ۸۹۰، دوسرا نسخہ تصنیف عبد الحق اشبیلی [المتوفیٰ ۵۸۱ھ] بحوالہ "مالکی نے ذکر کیا ہے۔ (زئی: تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۸۴)

یہ شیخ زبیر کی پہلی دلیل ہے اجماع کے خلاف جس کا حال یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات اور ابن مغیث کی پیدائش کے درمیان تقریباً ۱۵۹ سال کا فاصلہ ہے، امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ کو ہے اور ابن مغیث کی پیدائش ۳۳۸ھ کو ہے۔ یعنی ابن مغیث امام مالک کی وفات کے ۱۵۹ سال کے بعد پیدا ہوئے وہ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک گیارہ رکعات کو پسند کرتے تھے۔ دوسرا نسخہ جس کا حوالہ شیخ زبیر نے دیا وہ عبد الحق اشبیلی کا ہے جن کی وفات ۵۸۱ھ اور ابن مغیث کی وفات ۴۲۹ھ ہے ان کے درمیان ملاقات کب ہوئی کوئی دلیل نہیں۔ حالانکہ ان تینوں (امام مالک، ابن مغیث، عبد الحق اشبیلی) کا آپس میں سماع ثابت نہیں۔ تو یہ ہیں شیخ کے منقطع دلائل جن کی وجہ سے وہ اجماع کے مخالف ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ شیخ زبیر بیس رکعات تراویح پر جلیل القدر تابعی شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث الھمدانی، عطاء بن ابی رباح، ابوالبختری، سعید بن ابی الحسن البصری، عبد الرحمٰن ابن ابی بکر اور عمران العبدی کی بیان کردہ روایات کو منقطع کہہ کر ضعیف قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان تمام ثقہ تابعین کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے صرف چند سالوں کے فاصلے پر ہے اور اس زمانے میں صحابہ کرام بکثرت موجود تھے، اس کے باوجود بھی تابعین کی بیان کردہ روایات شیخ زبیر زئی کے نزدیک منقطع ہیں اور ابن مغیث اور عبد الحق اشبیلی کے درمیان ڈیڑھ سو سالوں سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہونے کے باوجود بھی امام مالک کا قول ان کے نزدیک صحیح ہے۔

حدیث میں تلبیس وتحریف:

شیخ زبیر اکثر اپنا مدعا بیان کرنے کیلئے احادیث کے ترجمہ اور مصداق میں تلبیس وتحریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے اور اب آپ اس کو مندرجہ ذیل روایت میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ شیخ زبیر اپنی کتاب تعداد رکعات قیام رمضان میں حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں:

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں (رات کی) نماز (تراویح) کیسی ہوتی تھی؟ تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: «مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً (بخاری: ۱۱۴۷)

رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (زئی: تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۳۴)

شیخ زبیر نے حدیث کے ترجمہ میں زبردست تلبیس اور تحریف کی ہے۔ اس حدیث میں نماز تراویح کا بالکل ذکر نہیں ہے، شیخ زبیر نے اپنی مطلب برآری کے لیے اپنی طرف سے حدیث میں تراویح کا لفظ داخل کیا ہے، ہم حدیث کا عربی متن اور اس کا ترجمہ لکھ رہے ہیں، اس سے ان کی تحریف واضح ہو جائے گی:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَتْ صَلاَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: «مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاَثًا» حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رمضان ہو یا غیر رمضان، آپ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعت پڑھتے، تم ان کے حُسن اور طول کو نہ پوچھو، آپ پھر چار رکعت پڑھتے، تم ان کے حُسن اور طول کو نہ پوچھو، پھر آپ تین رکعت پڑھتے، میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری: ۱۱۴۷)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی اس نماز کے متعلق خبر دی ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں مشترک ہے، اور جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں مشترک وہ تہجد ہے تراویح نہیں ہے، سو شیخ زبیر کا اس نماز کو تراویح پر محمول کرنا تلبیس اور تحریف کے سوا اور کیا ہے!

خلاصہ تحقیق:

- صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معمول رہا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اور محدثین نے بیس تراویح پر اجماع نقل کیا ہے بلکہ شیخ زبیر کے ہم مسلک نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی اس اجماع کو صحیح مانتے ہیں۔

- امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے کہ مکہ کے لوگوں کا معمول تھا کہ وہ بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اوراس کی گواہی امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی دی کہ میں نے اپنے شہر مکہ والوں کی بیس تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔
- تراویح اور تہجد میں واضح فرق ہے، تراویح عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے جبکہ تہجد سونے کے بعد اٹھ کر پڑھی جاتی ہے، جس کو شیخ زبیر کے ہم مسلک عالم شیخ الکل مولاناوحیدالزماں نے پوری وضاحت سے بیان کیا ہے اوراس کا انکار کرنے والوں کارد کیا ہے۔
- شیخ زبیر نے تعصب کی بناپر صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین وفقہاء کی مخالفت کی ہے، اور صحیح وصریح روایات کو ضعیف ومردود قرار دیکر اپنے اصولوں کی مخالفت کی ہے، جبکہ صحابہ وتابعین عظام کا معمول رہا ہے کہ وہ رمضان میں بیس تراویح کے قائل وفاعل رہے ہیں اوران کی اتباع کرتے ہوئے امت مسلمہ کے چاروں اماموں کی تحقیق پر اعتماد کرنے والے مسلمان بھی بیس تراویح پر عمل کرتے رہے ہیں، جو کہ مسلمانوں کا ایک اجماعی طریقہ ہے۔
- شیخ زبیر بیس تراویح پر اجماع کی مخالفت میں کمزور دلائل کا سہارا لیتے ہوئے اپنے ہی اصولوں کی دھجیاں بکھیرتے پائے گئے۔
- شیخ زبیر نے اصولِ حدیث کا پاس نہ رکھتے ہوئے تضادات کا شکار ہوگئے۔ اور بخاری ومسلم کے راویوں پر جرح کی جو کہ ان کے نزدیک بدعتی اور گمراہ ہونے کی علامت ہے۔

فصل سوم

نفلی عبادات سے متعلق معمول بہا احادیث پر حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

نفلی عبادات کے متعلق معمول بہا احادیث:

شیخ عمرو بن عبد المنعم بن سلیم کی کتاب ''السنن والمبتدعات فی العبادات'' کا اردو ترجمہ شیخ حافظ زبیر علی زئی نے بنام ''عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے اِن کارد'' کیا، جس میں شیخ زبیر نے سب سے پہلے اس پر مقدمہ بنام (عرض مترجم) لکھا جس میں شیخ نے بدعت کارد، اس کی تعریف اور چند مثالوں کا حوالہ دیا اور ساتھ شیخ عمرو بن عبد المنعم بن سلیم کی کتاب پر مختصر تبصرہ کیا، شیخ زبیر عبادات میں بدعات پر رد لکھتے ہوئے تبصرہ کرتے ہیں:

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے: ((کل)) ''ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسلم:۸۶۷)

اور فرمایا کہ (من عمل) جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم (اور دلیل) نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

ان وعیدوں کے باوجود ایسا ہوا ہے کہ اسلام کے دعویداروں میں سے بہت سے لوگوں نے بدعات کو سینے سے لگالیا ہے۔ حکومت مجرموں کی سرکوبی کیلئے قوانین نافذ کرتی ہے مگر ان قوانین کے باوجود بے شمار لوگ دن رات جرائم میں مصروف رہتے ہیں۔

بدعت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو (جامع العلوم والحکم لابن رجب: ص ۲۵۲، ح ۲۸)

یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن، حدیث اور اجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے لہٰذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ ''خیر القرون میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین و ثواب سمجھ کر اپنایا جائے۔''

نافع مولیٰ ابن عمر سے روایت ہے کہ ''ایک آدمی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری اور کہا ''الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ'' تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں کہ الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ (یعنی میں اس کا انکار نہیں کرتا) مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ طریقہ نہیں سکھایا، آپ ﷺ نے تو ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔

(زئی، زبیر، حافظ: عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۷۔۱۸)

شیخ زبیر نے اس روایت کی سند کو حسن لکھا ہے جبکہ امام ترمذی نے اس کے ضعف پر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی لکھتے ہیں: «هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زِيَادِ بْنِ الرَّبِيعِ» یہ حدیث غریب ہے اور میں اس کو صرف زیاد بن ربیع کے طریق سے جانتا ہوں۔ (ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، امام: جامع الترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۲۷۳۸)

امام ترمذی نے اس کے ایک راوی کی طرف اشارہ کیا جس کا نام زیاد بن ربیع ہے، اور زیاد بن ربیع کے بارے میں امام ترمذی کے استاذ اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری لکھتے ہیں کہ "فیہ نظر" اس راوی میں ضعف ہے۔

(بیہقی، احمد بن حسین، ابو بکر: شعب الایمان، باب فی تشمیت العاطس، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۷ء، ۷/ ۲۴، رقم الحدیث: ۹۳۲۷، شاملہ: ۸۸۸۴)

فیہ نظر:

امام بخاری جب کسی راوی کے بارے میں فیہ نظر کہیں تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے، اس بارے شیخ زبیر کے ہم مسلک محقق کفایت اللہ سنابلی لکھتے ہیں:

رواۃ پر جرح کرنے کے سلسلے محدثین میں بعض محدثین تشدد کے شکار ہو جاتے ہیں اور بعض محدثین سے تساہل ہو جاتا ہے، جبکہ بعض محدثین معتدل ہوتے ہیں۔ ایسے محدثین کے اقوال انتہائی اہم ہوتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی معتدلین میں سے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اقوال میں اعتدال کے ساتھ ساتھ ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ شدید جرح کرتے ہیں تو بھی بہت سخت الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے اہل علم نے تتبع اور استقراء سے ان کے اقوالِ جرح کا مفہوم بیان کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ ان کی کون سی جرح کس درجہ میں ہے۔

امام بخاری کے اقوالِ جرح میں ایک قول "فیہ نظر" بھی ہے، بہت سے رواۃ پر امام بخاری نے اس صیغہ سے جرح کی ہے۔ اور محدثین نے واضح کیا ہے کہ امام بخاری جس کے بارے میں یہ جرح کریں وہ امام بخاری کے نزدیک سخت ضعیف ومتروک ہوتا ہے۔ (سنابلی، کفایت اللہ: forum.mohaddis.com)

شیخ کفایت اللہ سنابلی کی تحقیق کے مطابق امام بخاری کے نزدیک زیاد بن ربیع سخت ضعیف اور متروک راوی ہیں۔ اور جس سند میں سخت ضعیف اور متروک راوی ہوں اس کی سند ضعیف ہوتی ہے۔ نا کہ وہ سند حسن!

شیخ زبیر نے دوسری بات یہ لکھی کہ اس کے کئی شواہد ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت حسن ہے لیکن اس کے شواہد اس روایت کے خلاف ہیں ان شواہد کی روشنی میں یہ روایت ناقابل قبول ہے، چنانچہ امام بیہقی اپنی کتاب "السنن الکبری" میں ان شواہد کا ذکر کر کے فیصلہ سناتے ہیں:

(۱) عَنْ نَافِعٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَحَمِدَ اللهَ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ: " قَدْ بَخِلْتَ فَهَلَّا حَيْثُ حَمِدْتَ اللهَ صَلَّيْتَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "ترجمہ:نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے اللہ کی حمد کی،توابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:"تونے بخل کیا،اللہ کی حمد کے ساتھ نبی ﷺ پر درود کیوں نہیں پڑھا۔

(بیہقی،ابو بکر،احمد بن حسین:شعب الایمان،باب فی تشمیت العاطس ۷/ ۲۴،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۲۰۱۷ء:۹۳۲۴،شاملہ:۸۸۸۲)

(۲)عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ الْيَشْكُرِيِّ قَالَ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: " لَوْ تَمَّمْتَهَا وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "(بیہقی:شعب الایمان:۹۳۲۶،شاملہ:۸۸۸۳)

ترجمہ:ضحاک بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی،پس اس نے اللہ کی حمد کی۔ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:"نبی ﷺ پر درودوسلام پڑھ کر اس کو مکمل کیوں نہ کیا۔(یعنی اللہ کی حمد کے ساتھ تجھے نبی ﷺ پر درود سلام پڑھنا چاہیے تھا۔اور یوں کہتا: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

(۳) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عَطَسَ رَجُلٌ إِلَى جَنْبِهِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى رَسُولِهِ فَقَالَ: " لَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَّمَنَا أَنَّا نَقُولُ " الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ " الْإِسْنَادَانِ الْأَوَّلَانِ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ زِيَادِ بْنِ الرَّبِيعِ وَفِيهِمَا دَلَالَةٌ عَلَى خَطَإِ رِوَايَةِ ابْنِ الرَّبِيعِ وَقَدْ قَالَ الْبُخَارِيُّ فِيهِ نَظَرٌ۔

(بیہقی:شعب الایمان:۹۳۲۷،شاملہ:۸۸۸۴،ترمذی:۲۷۳۸)

نافع مولیٰ ابن عمر سے روایت ہے کہ "ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری اور کہا"الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ"توابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں بھی کہتاہوں کہ الحمدللہ والسلام علیٰ رسول اللہ(یعنی میں اس کا انکار نہیں کرتا)مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ طریقہ نہیں سکھایا،آپ ﷺ نے توہمیں یہ سکھایاہے کہ ہر حال میں الحمدللہ کہیں۔

امام بیہقی کہتے ہیں اوپر والی دوروایات اصح ہیں جن میں حمد کے ساتھ درودوسلام پڑھنے کا حکم ہے۔اس روایت سے جس میں درود سے منع ہے،کیونکہ اس روایت میں ایک راوی ہے زیادبن ربیع جس کو خطا لگی ہے،اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اوپر والی دونوں روایات صحیح ہیں زیادبن ربیع کی روایت سے اور بیشک امام بخاری نے کہاہے کہ زیادبن ربیع میں نظر ہے۔(یعنی سخت ضعیف ومتروک راوی ہے۔)

امام بیہقی کا فیصلہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان تمام روایات کو جمع کر کے اپنا فیصلہ سنایا کہ جس روایت میں درودوسلام سے منع ہے،اس میں ایک راوی متروک وضعیف ہے لھٰذا یہ روایت دلیل بننے کے قابل نہیں۔دلیل بننے کے قابل وہ روایات ہیں جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی کو درودوسلام پڑھنے کا کہتے ہیں۔

امام بیہقی کے فیصلہ کے مطابق شیخ زبیر کا اس روایت کو حسن کہنا غلط ہے،چونکہ امام بخاری ایسے روای کو ضعیف ومتروک جانتے ہیں اورامام بیہقی بھی اس کی تائید کرتے ہوئے چھوڑدیتے ہیں،لھٰذا شیخ کی یہ بات بھی درست نہیں کہ اس کے شواہد ہیں۔

تعزیت میں اجتماعی دعا کی حیثیت:

تعزیت کالغوی معنی ہے مصیبت زدہ کو صبر دلانا،غمخواری کرنا۔اصطلاحی معنی ہے صبر کا حکم دینا،گناہ سے ڈرانے،میت کے لیے مغفرت اور مصیبت زدہ کے لئے مصیبت کی تلافی کی دعا کرنا۔عام طور پر کسی کا کوئی عزیز رشتہ دار فوت ہو جائے تو اس کے گھر جا کر اس کی ہمت بندھانا اور فوت شدہ کے لئے دعا کرنا تعزیت کہلاتا ہے۔(ur.m.wikipedia.org)

شیخ زبیر سے جب تعزیت کے متعلق سوال ہوا کہ کیابر موقع تعزیت مروجہ اجتماعی دعا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔تو شیخ زبیر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال: کیابر موقع تعزیت مروجہ اجتماعی دعا(ایک ساتھ ہاتھ اٹھاکر) قرآن وحدیثِ صحیح سے ثابت ہے؟

الجواب: ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے۔

یہ ایک ایسی بدعت ہے جو روز بروز عام ہو رہی ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرتے ہوئے احسن طریقے سے دوسرے لوگوں کو سمجھانا چاہیے۔(زئی،زبیر،حافظ:توضیح الاحکام،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۲۰۱۵ء،۳/۴۶۹)

شیخ زبیر نے تعزیت کے موقع پر اجتماعی دعا کو بدعت قرار دیتے ہوئے اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا اور یہ تلقین کی کہ یہ بدعت روز بروز بڑھتی جارہی ہے لہٰذا اس کو احسن طریقے سے روکنا چاہیے۔ جبکہ شیخ زبیر کا یہ فتویٰ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ کریم نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو اپنے فوت شدہ مسلمانوں کیلئے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔(الحشر:۱۰)

ترجمہ: اوران کے بعد آنے والے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کیلئے کوئی کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! بیشک تو نہایت مہربان، بہت رحمت والا ہے۔

اللہ عزوجل نے ان مسلمانوں کا وصف بیان کیا ہے جو اپنے لئے اور اپنے گزرے ہوئے مسلمانوں کیلئے دعائے بخشش کرتے ہیں۔ اور اس میں اجتماعی دعا کا ذکر ہے کہ مسلمان کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کی بخشش فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کا بھی معمول رہا ہے کہ وہ بھی تعزیت کے لیے اجتماعی دعا کا اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد نبی ﷺ تشریف لائے جبکہ صحابہ کرام بھی موجود تھے، نبی ﷺ نے اور صحابہ کرام نے اجتماعی دعا کی:

ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ جُلُوسٌ، فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: «اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ»، قَالَ: فَقَالُوا: غَفَرَ اللهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد (ان کے گھر) تشریف لائے توصحابہ کرام تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا: ماعز کے لئے دعائے استغفار کرو، راوی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے دعا کی: اللہ ماعز بن مالک کی بخشش فرمائے۔

(القشیری، مسلم، حجاج بن مسلم: صحیح مسلم، بَابُ مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَى، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: ۴۴۳۱)

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے واضح ہو گیا کہ اجتماعی دعا بدعت نہیں بلکہ یہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت اور معمول رہا ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف فتویٰ دینا اور اس فتوے پر مسلمانوں کو بدعتی کہنا کتنا خطرناک ہے۔ چنانچہ ایک اور مقام پر شیخ زبیر سے اسی طرح کا ایک اور سوال ہوتا ہے ان کی کتاب توضیح الاحکام جلد ۳ میں اِس مذکورہ بالا جواب اور اُس مندرجہ ذیل جواب میں کیا تضاد ہے ملاحظہ فرمائیں:

میت دفن کرنے کے بعد قبر پر اجتماعی دعا

سوال (۱) کیا میت دفن کرنے کے بعد قبر پر میت کے لئے اجتماعی دعا کرنا کتاب وسنت سے ثابت ہے؟

(۲) رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ۔ انفرادی ہے یا اجتماعی؟

الجواب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ۔ جب نبی ﷺ میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو وہاں کھڑے رہتے، پھر فرماتے: "اپنے بھائی کے لئے دعائے استغفار کرو اور اُس کے لئے (اللہ سے) ثابت قدمی کا سوال کرو، کیونکہ اب اس سے سوال جواب ہوں گے۔"

(سنن ابی داؤد: ۳۲۲۱ باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف، وسندہ حسن)

اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہیں:

۱: دفن کے بعد میت کے لئے دعا

۲: اجتماعی دعا

حافظ عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ نے حدیثِ مذکور کے بعد لکھا ہے:

"اس طرح قبر پر اختیار ہے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے، یا بغیر ہاتھ اُٹھائے ہاں ہاتھ اُٹھانا آدابِ دعا سے ہے اس لئے اُٹھانا بہتر ہے مگر لازم نہ سمجھے۔ اور اگر کوئی ہاتھ نہ اُٹھائے تو اس پر اعتراض نہ کرے۔۔۔" (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۱۳۱)

(۲) چونکہ اس حدیث میں جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا یہ دعا اجتماعی ہے۔ (زئی: توضیح الاحکام ۳/ ۱۲۵۔۱۲۶)

شیخ زبیر نے یہ فیصلہ سنایا کہ "چونکہ اس حدیث میں جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا یہ دعا اجتماعی ہے" حالانکہ اُس حدیث میں بھی جمع کا صیغہ ہے: "«اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ» ماعز کے لئے دعائے استغفار کرو" یہ کھلا تضاد کیوں؟ کیا یہ مسلکی تعصب تو نہیں جو شیخ زبیر کی تحقیق پر حاوی ہے۔ شیخ زبیر نے اپنے معتبر عالم حافظ عبد اللہ روپڑی کا حوالہ دیا کہ وہ کہتے ہیں: "ہاں ہاتھ اُٹھانا آدابِ

دعاسے ہے اس لئے اُٹھانا بہتر ہے" جب ہاتھ اٹھانا آدابِ دعاسے ہے تو تعزیت کے وقت یہ بدعت کیسے ہو جاتا ہے؟ حالانکہ دونوں حدیثوں کا اسلوب ایک ہی ہے کہ بھائی کیلیئے دعامغفرت کریں۔ تو ایک جگہ ہاتھ اٹھانا آدابِ دعا میں شامل اور دوسری طرف یہ ہی ہاتھ اٹھانا بدعت! اور دونوں حدیثوں میں جمع کا صیغہ ہے، تو ایک جگہ اجتماعی دعا جائز اور دوسری جگہ ناجائز اور بدعت! یہ کس اصول اور قانون کے تحت ہوا؟

پندرہ شعبان کی رات:

شیخ عمرو بن عبد المنعم بن سلیم نے اپنی کتاب "السنن والمبتدعات فی العبادات" میں شعبان کی پندرھویں رات کی عبادت کو بدعت میں شامل کیا ہے، یعنی اس رات عبادت کرنے والے بدعتی (گمراہ) ہیں اور شیخ زبیر نے سکوت اختیار کر کے ان کی تائید کی ہے۔ چنانچہ شیخ عمرو بن عبد المنعم لکھتے ہیں:

یہ رات آج کل بہت سے لوگوں کے لیے بڑی آزمائش بن چکی ہے۔ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات مروی ہیں جن میں سے راجح قول کے مطابق کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابو الخطاب بن دحیہ نے لکھا ہے کہ "جرح و تعدیل کے علماء کے نزدیک پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔" ابن دحیہ سے پہلے یہ بات امام عقیلی رحمہ اللہ نے کہی ہے:

پندرہ شعبان کو نزول باری تعالیٰ میں تمام روایات کمزور ہیں۔ (زئی:عبادات میں بدعات، ص۱۴۸)

شیخ عمرو بن عبد المنعم نے پندرہویں شعبان کی فضیلت کے متعلق تمام روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، اور شیخ زبیر نے سکوت اختیار کر کے اس کی تائید کی ہے چونکہ شیخ زبیر نے مقدمہ میں لکھا ہے:

مشہور محقق اور فاضل مصنف عمرو بن عبد المنعم بن سلیم حفظہ اللہ نے بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں جن میں سے یہ کتاب "السنن والمبتدعات فی العبادات" بھی ہے۔

احادیث کی باحوالہ تخریج بھی کی ہے اور ان پر صحت و ضعف کے لحاظ سے حکم بھی لگادیا ہے تاکہ عام قارئین کو آسانی رہے۔ ضعیف روایات کے ضعف بھی مختصر اعرض کر دیے ہیں۔ اور بعض مقامات پر فاضل مصنف نے اختلاف کی صورت میں حواشی بھی لکھے ہیں اور بعض مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ الحمد للہ! (زئی:عبادات میں بدعات، ص۱۸)

شیخ کہتے ہیں کہ "بعض مقامات پر فاضل مصنف نے اختلاف کی صورت میں حواشی بھی لکھے ہیں" یہاں شیخ نے کوئی حاشیہ نہیں لکھا اور اپنی دیگر کتب میں شیخ شعبان کی پندرہویں رات کے فضائل کے منکر نظر آتے ہیں، حالانکہ علماء نے شعبان

کے متعلق روایات کو صحیح اور حسن بھی کہا ہے جب کہ شیخ کے ہم مسلک علامہ ناصر الدین البانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ شعبان کی روایات کو صحیح، حسن لکھا اوران کا دفاع بھی کیا ہے۔ شیخ زبیر کو جہاں شیخ البانی کی حاجت ہوتی تو کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کو البانی نے صحیح کہا ہے لیکن شیخ زبیر اکثر مسلکی تعصب میں ڈوبے نظر آتے ہیں جس وجہ سے وہ صحیح اور حسن روایات کا انکار کرتے ہیں۔ اور تضادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین اور شیخ البانی کی شعبان کے متعلق روایات کے متعلق رائے مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نصف شعبان سے متعلق روایت

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ , عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:((يَطَّلِعُ الله إلى خَلْقِ فِي لَيْلَةِ النِّصف مِنْ شَعْبَانَ , فيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ؛ إلا لُمشْرِكٍ أو مُشَاحِنٍ)) ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس مشرک اور کینہ پرور کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔“ (ابن حبان، محمد بن حبان، حاتم: صحیح ابن حبان، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۸ء، رقم الحدیث:۵۶۶۵)

قال الھیثمی فی مجمع الزوائد:۶۵/۸: رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالھما ثقات۔ ”یعنی امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس کو معجم کبیر اور اوسط میں روایت کیا اور دونوں کے رجال (راوی) ثقہ ہیں۔“

شیخ ناصرالدین البانی نے امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول ”مکحول لم یلق مالک بن یخامر۔“ نقل کرنے بعد لکھا: ”قلت: ولولا ذالک لکان الاسناد حسنا فان رجالہ موثقون، و قال الھیثمی فی مجمع الزوائد:۶۵/۸: رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالھما ثقات۔ (البانی، محمد ناصر الدین: سلسلہ احادیث صحیحہ، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۲ء، ۱۳۵/۳، رقم الحدیث:۱۱۴۴)

یہی البانی ”صحیح موارد الظمان الی زوائد ابن حبان ۲/۲۶۳ (۱۶۶۲) میں لکھتے ہیں: ”حسن“۔ (التعلیق الرغیب ۳/۲۸۲ و ۲۸۲، الصحیحۃ (۱۱۴۴) یہی البانی ”صحیح الترغیب والترھیب“ (۱۰۲۶) (۲۷۶۷)“ میں کہتے ہیں ”حسن صحیح“۔

اور شعیب الارناؤط نے لکھا: ”حدیث صحیح بشواھدہ رجالہ ثقات الا ان فیہ انقطاعا، مکحول لم یلق مالک بن یخامر“۔ آگے دوسری روایات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”وھٰذہ الشواھد وان کان فی کل واحد منھما مقال تقویٰ حدیث الباب۔

(ابن حبان: صحیح ابن حبان:۵۶۶۶)

علامہ البانی نے اپنی متعدد کتب میں اس روایت کو صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔

۱۔ صحیح الترغیب:۱۰۲۶ قال: حسن صحیح

۲۔ اصلاح المساجد:۹۹ قال: صحیح
۳۔ صحیح الترغیب:۲۷۶۷ قال: حسن صحیح
۴۔ تخریج کتاب السنہ:۵۱۲ قال: صحیح
مکحول کا مالک بن یخامر سے سماع:

مالک بن یخامر:

مکحول لم یلق مالک بن یخامر سے یہ تاثر دینا کہ امام مکحول کی ملاقات مالک بن یخامر سے نہیں ہوئی، حالانکہ امام مکحول مالک بن یخامر کے شاگرد ہیں، اگر ملاقات نہیں ہوئی تو شاگرد کیسے ہوئے۔ محدثین کرام نے مالک بن یخامر کے شاگردوں میں مکحول شامی کا نام درج کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ، رقم:۷۷۱۷، تہذیب التہذیب، رقم:۱۴۰، علامہ ذھبی نے الکاشف، رقم:۵۲۶۷ اور تاریخ الاسلام، رقم:۹۶ پر تو واضح طور مالک بن یخامر کے ترجمہ میں لکھا: حدث عنہ معاویہ علی المنبر، جبیر بن نفیر، عمیر بن ھانی، مکحول، سلیمان بن موسی وخالد بن معدان۔ وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ مزی نے مالک بن یخامر کے شاگردوں اور روایات کرنے والوں میں مکحول کا نام لکھا ہے۔ علامہ مزی لکھتے ہیں کہ مالک بن یخامر تابعی ثقہ ہے، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور ان سے مکحول شامی نے روایت کیا ہے۔ (مزی، یوسف بن عبدالرحمٰن: تھذیب الکمال، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۶ء، ۱۲/ ۹۸)

نصف شعبان المعظم سے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ» (الالبانی: تحکیم ابن ماجہ:۱۳۹۰)

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات (مخلوق کی طرف) متوجہ ہوتا ہے پس مشرک اور کینہ پرور کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔" قال الالبانی فی ظلال الجنہ فی تخریج السنہ لابن ابی عاصم (۵۱۰): صحیح لغیرہ۔ سنن ابن ماجہ :۱۱۴۸ میں کہا کہ: "حسن"۔

پندرہویں شعبان المعظم سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات اپنی مخلوق کی طرف (خاص) توجہ کرتا ہے پس اپنے تمام بندوں کی بخشش فرماتا ہے سوائے دو کے، اول کینہ پرور، دوم خود کشی کرنے والا۔ (البانی: سلسلہ احادیث صحیحہ ۳/۱۱۴۴:۱۳۵)

البانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

وأما حديث عبد الله بن عمرو فيرويه ابن لهيعة حدثنا حيي بن عبد الله عن أبي عبد الرحمن الحبلي عنه. أخرجه أحمد (رقم ٦٦٤٢) .

قلت: وهذا إسناد لا بأس به في المتابعات والشواهد، قال الهيثمي: " وابن لهيعة لين الحديث وبقية رجاله وثقوا ". وقال الحافظ المنذري: (٣ / ٢٨٣)

" وإسناده لين ".

قلت: لكن تابعه رشدين بن سعد بن حيي به. أخرجه ابن حيويه في " حديثه ". (٣/ ١٠ / ١) فالحديث حسن. (البانی: سلسلہ احادیث صحیحہ ۳/۱۱۴۴:۱۳۶)

شواہد اور متابعات میں اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے، امام ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا اور ابن لھیعہ کمزور حدیث والا ہے اور باقی رجال کی توثیق کی گئی ہے، اور حافظ منذری رحمہ اللہ نے فرمایا اور اس کی سند کمزور ہے۔ (البنانی) میں کہتا ہوں اس کا متابع رشید بن سعد بن حی ہے اس کی روایت کو ابن حیویہ نے روایت کیا پس یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا، رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "جب شعبان کی پندرھویں رات آتی ہے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمانِ دنیا کی طرف ظہور فرماتا ہے پس اپنے بندوں کی بخشش فرماتا ہے سوائے ان کے جو مشرک اور کینہ پرور ہیں۔" قال البانی فی ظلال الجنہ (۵۰۹) صحیح لغیرہ"۔ (البانی: صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، ۱/۳۷۳)

(البانی: سلسلہ احادیث صحیحہ ۳/۱۱۴۴:۱۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ھٰذا حدیث حسن ان کان من روایۃ القاسم عن عمہ و ھو عبد الرحمٰن بن ابی بکر فانہ سمع منہ و سمع عبد الرحمٰن من ابیہ۔

(ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: الآمالی المطلقہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۵ء ص ۱۲۲،، رقم الحدیث: ۱۰۷)

یعنی ابن حجر نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

شیخ زبیر علی زئی، حافظ ابن حجر کی کتاب "الموافقہ الخبر" سے محمود بن اسحاق الخزاعی کی ایک روایت کو اسنادہ حسن کہنے سے محمود بن اسحاق الخزاعی کو ثقہ ثابت کرتے ہیں تو پھر اس سند میں جو عبد الملک بن عبد الملک ایک راوی ہے وہ ثقہ کیوں نہیں۔ شیخ زبیر علی زئی اپنی کتاب نور العینین میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے محمود بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[دیکھیے موفقۃ الخبر فی تخریج احادیث المختصر ۱/۴۱۷)تنبیہ :راوی کی منفرد روایت کو حسن یا صحیح کہنا،اس روایت کی توثیق ہوتی ہے۔[نصب الرایہ ۱۴۹/۲۶۴،۱/۳۔(زئی،زبیر،حافظ:نورالعینین، مکتبۃ الحدیث، حضرو،اٹک،۲۰۱۸ء،ص۵۲۶)

اگر حق کو تسلیم کرنا جانتے ہیں تو پھر اس حدیث کو بھی تسلیم کریں۔ ورنہ محمود بن اسحاق الخزاعی کو بھی مجہول مانیں۔

امام بزار رحمہ اللہ اپنی المسند،۱:۲۰۶،رقم:۸۰ میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ہم اس حدیث کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی صرف اسی طریق سے جانتے ہیں اور یہ حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ سب سے اعلیٰ اسناد سے حضرت ابو بکر روایت کرتے ہیں اگرچہ اس اسناد میں کچھ ہو، پس ابو بکر کی جلالت نے اسے حسین بنادیا ہے۔ اگرچہ عبد الملک بن عبد الملک معروف راوی نہیں ہے۔۔۔ اہل علم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، نقل کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے لھٰذا ہم نے اس کو ذکر کیا۔

(بزار،:المسند،۱/۲۰۶،رقم:۸۰)

اھم نکتہ: امام ابو بکر احمد بن عمر والمعروف بزار کی تاریخ وفات ۲۹۲ھ ہے۔ ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ شعبان کی پندرھویں شب کی فضیلت و خصوصیت تسلیم کرنا اور اس کو بیان کرنا اہل علم کا ابتدائی ادوار سے طریقہ رہا ہے۔ لھٰذا موجودہ دور میں کوئی شخص بھی اگر شب برأت کی غیر معمولی فضیلت کا انکار کرتا ہے تو درحقیقت وہ احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا کر رہا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ جب یہ عمل قرونِ اولی میں تھا تو پھر اس کو بدعت کہنا کون سی انصاف کی بات ہے؟ خدارا کچھ تو اصولوں کا خیال رکھیں۔ مخالفین تو اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔

نصف شعبان المعظم کی فضیلت پر حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت:«إن الله يطلع على عباده في ليلة النصف من شعبان فيغفر للمؤمنين ويملي للكافرين ويدع أهل الحقد بحقدهم حتى يدعوه»

(البانی: صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، المکتب الاسلامی، س ن،۱/۳۸۵)

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کو اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس وہ مومنوں کی بخشش فرماتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ رکھنے والوں کو ان کے کینہ کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کینہ کو چھوڑ دیں۔ قال الالبانی فی ظلال الجنہ "صحیح" و قال فی صحیح الترغیب والترھیب "صحیح لغیرہ"۔ اور محمد بن حمد الحمود نے لکھا "حدیث صحیح۔۔۔"

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد شیخ البانی لکھتے ہیں:

وجملة القول أن الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب والصحة تثبت بأقل منها عددا ما دامت سالمة من الضعف الشديد كما هو الشأن في هذا الحديث، فما نقله الشيخ القاسمي رحمه الله تعالى في " إصلاح المساجد " عن أهل التعديل والتجريح أنه ليس في فضل ليلةالنصف من شعبان حديث صحيح، فليس مما ينبغي الاعتماد عليه، ولئن كان أحد منهم أطلق مثل هذا القول فإنما أوتي من قبل التسرع وعدم وسع الجهد لتتبع الطرق على هذا النحو الذي بين يديك. والله تعالى هو الموفق. (البانی: سلسلہ صحیحہ ۳/۱۳۸-۱۱۴۴:۱۳۹)

اور جملۃ القول یہ ہے کہ بے شک ان طرق کے مجموعہ سے یہ حدیث بلاشک صحیح اور صحت اس سے کم عدد پر بھی ثابت ہوتی ہے جب تک کہ وہ شدید ضعف سے محفوظ ہوں جیسا کہ اس حدیث میں ضعف، پس جو شیخ قاسمی نے اصلاح المساجد میں نقل کیا اہل جرح وتعدیل سے، کہ بے شک نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، پس اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے، اور اگر ان میں سے کسی ایک نے اسی طرح کے قول کا اطلاق کیا ہے پس اس پر یہ حکم جلدی اور کم کوشش کرنے اور ان کی مثل جو تیرے سامنے طرق ہیں کو تلاش نہ کرنے کی وجہ سے، واللہ تعالیٰ ھو الموفق۔"

زبان سے نیت کرنا کیسا؟

عرب محقق عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم کی کتاب "السنن والمبتدعات فی العبادات" جس کا اردو ترجمہ شیخ زبیر علی زئی نے بنام "عبادات میں بدعت" کیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر لکھتے ہیں:

زبان کے ساتھ نماز یا دوسری عبادات میں نیت کرنا نہ تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ثابت ہے۔ اور نہ کسی صحابی سے، اور نہ کسی تابعی سے اور نہ کسی معتبر امام سے۔ (زئی: عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد، ص ۱۲۶)

زبان سے عبادات کی نیت کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے جیسا کہ آپ ﷺ حج وروزہ کی نیت فرماتے تھے ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أُمِّ المُؤْمِنِينَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينِي، فَيَقُولُ: «أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ؟»، فَأَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: «إِنِّي صَائِمٌ» ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں،رسول اللہ میرے پاس آتے تو پوچھتے:کیاتمہارے پاس کھاناہے؟میں کہتی؛نہیں۔تو آپ ﷺ فرماتے:"تو میں روزے سے ہوں۔(ترمذی:۷۳۴)

آپ ﷺ زبان سے نیت کرتے" إِنِّي صَائِمٌ"میں روزے سے ہوں۔اس روایت سے ثابت ہوا کہ رسولِ پاک ﷺ روزے کی نیت زبان سے کرتے تھے۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: «مَنْ شُبْرُمَةُ؟» قَالَ: أَخٌ لِي - أَوْ قَرِيبٌ لِي - قَالَ: «حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ» ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہماروایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا: حاضر ہوں شبرمہ کی طرف سے آپ ﷺ نے پوچھا:شبرمہ کون ہے؟اس نے کہا:میرابھائی یامیرارشتے دارہے، آپ ﷺ نے پوچھا:تم نے حج کرلیاہے؟اس نے جواب دیا:نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:پہلے اپناحج کروپھر(آئندہ)شبرمہ کی طرف سے کرنا۔(ابوداؤد،سلیمان بن اشعث،سجستانی:سنن ابی داؤد،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۲۰۰۹ء،رقم الحدیث:۱۸۱۱)

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ صحابیِ رسول نے زبان سے حج کی نیت کی اور خود نبی پاک سے زبان سے نیت کی جیسا کہ بخاری میں ہے: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، حَدَّثَهُ قَالَ: حَدَّثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي، وَهُوَ بِالعَقِيقِ، أَنْ صَلِّ فِي هَذَا الوَادِي المُبَارَكِ، وَقُلْ: عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ " وَقَالَ هَارُونُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: «عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ» ترجمہ:حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:میرے پاس ایک میرے رب کی طرف سے آنے والا آیا، آپ ﷺ اس ووقت وادی عقیق میں تھے اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیے اور کہیے کہ عمرہ اور حج(یعنی زبان سے عمرہ اور حج کی نیت کریں)اورہارون بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے علی نے بیان کیا(ان الفاظ کے ساتھ)عمرۃ فی حجتہ۔(بخاری،محمد بن اسماعیل،ابوعبداللہ،امام: صحیح البخاری،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،۱۹۹۹ء،رقم الحدیث:۷۳۴۳)

پیارے نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ کہیے عمرہ اور حج،یعنی زبان سے نیت کیجئے،اتنے واضح دلائل ہونے کے باوجود یہ کہنا کہ زبان سے نیت کرنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں،تو ایسا شخص جاہل ہو گا۔

ایک معتبر امام، امام شافعی سے نماز سے پہلے زبان سے نیت کرنا ثابت ہے وہ بھی شیخ زبیر کی کتات ہدیۃ المہدی سے ص ۱۵۔ اس حوالہ سے کم از کم ایک نکتہ تو سامنے آیا کہ اگر کوئی فعل یا امر کسی تابعی یا کسی معتبر امام سے ثابت ہو جائے تو وہ عمل و فعل بدعت نہیں رہتا۔ اور اس موقف پر زبیر علی زئی نے سکوت اختیار کر کے اس اصول کو صحیح مانا۔ بلکہ شیخ زبیر علی زئی ”عبادات میں بدعات“ اس کتاب کے صفحہ ۱۷ پر وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن، حدیث اور اجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے۔ لھٰذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ خیر القرون میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین وثواب سمجھ کر اپنایا جائے۔ (زئی، عبادات میں بدعات، ص ۱۷)

اس تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زبیر علی زئی کے نزدیک خیر القرون کا فعل اور عمل بھی حجت ہے اور وہ عمل بدعت نہیں رہتا۔ خیر القرون کے ایک کثیر معتبر تابعین اس رات کو عبادت کرتے تھے جیسا کہ ثقہ تابعی امام مکحول کی روایت: امام مکحول فرماتے ہیں: پندرہ شعبان کو اللہ تعالیٰ زمین والوں کی طرف (خاص طور پر) متوجہ ہوتا ہے۔ پھر وہ کافر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والوں کے سوا سب لوگوں کو بخش دیتا ہے۔

(بیہقی، احمد بن حسین: شعب الایمان، مکتبۃ الرشد، الریاض، ۲۰۰۳ء، رقم الحدیث: ۳۵۵۰)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس روایت کے مزید متعدد شواہد اور متابعات بھی موجود ہیں۔ اور یہ بات بھی اہم ہے کہ اس روایت کی سند کو خود شیخ زبیر علی زئی نے اپنے رسالہ الحدیث نمبر: ۵، ص ۹ پر حسن کہا ہے۔

(زئی: ماہناہ الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۴ء، شمارہ ۵، ص ۹)

یہ ان کیلئے حجت ہے جو ضعیف روایت کو تابعین کے صحیح اقوال کی روشنی میں قبول کرتے ہیں۔ اس اصول کو شیخ زبیر کی تحریر سے ثابت کرتے ہیں۔

شب برأت سے متعلق شیخ زبیر علی زئی کا موٴقف:

شیخ زبیر اپنے رسالہ الحدیث نمبر: ۵ ص ۹ پر شب برأت کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام مکحول فرماتے ہیں! پندرہ شعبان کو اللہ تعالیٰ زمین والوں کی طرف (خاص طور پر) متوجہ ہوتا ہے۔ پھر وہ کافر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والوں کے سوا سب لوگوں کو بخش دیتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۳۸۱)

یہ روایت حسن ہے لیکن یہ حدیث نہیں ہے بلکہ امام مکحول کا قول ہے۔پندرہ شعبان والی کوئی روایت بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے۔

(زئی: ماہنامہ الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۴ء، شمارہ ۵، ص ۹)

شیخ زبیر کا دوسرا رخ:

جبکہ اس کے برعکس جب اپنے مطلب کی کوئی بات ہو تو تابعین بلکہ تبع تابعین کی بھی بات مان لیتے ہیں۔ اور اس عمل کو جائز کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ پانی پینے کے بعد کسی مخصوص دعا کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نبی ﷺ سے یا کسی صحابی سے موجود نہیں ہے لیکن صرف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ایک مشہور تابعی تھے ، سے ثابت ہے کہ وہ پانی پینے کے بعد ایک مخصوص دعا"الحمد للہ الذی سقاناہ عذبا فراتاً برحمتہ ولم یجعلہ ملحاً اجاجاً بذنوبنا"پڑھتے تھے۔ خیر القرون کے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح اثر سے ثابت اس عمل کا اعتبار کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی نے پانی پینے کے بعد مذکورہ مخصوص دعا کو جائز و صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنے قلم سے لکھتے ہیں:

پانی پینے کے بعد یہ مذکورہ دعا پڑھنا امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا پانی پینے کے بعد آثارِ سلف صالحین کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھنا جائز ہے۔

(زئی: ماہنامہ الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۸ء شمارہ ۵۵، ص ۱۲)

شیخ زبیر کے نزدیک کسی بھی تابعی سے کوئی بات صحیح ثابت ہو تو اس کو کرنا جائز ہے۔ لیکن شیخ زبیر مکحول تابعی کے قول کو یوں رد کرتے ہیں کہ: یہ روایت حسن ہے لیکن یہ حدیث نہیں ہے بلکہ امام مکحول کا قول ہے" امام مکحول کا قول بھی ہے اور وہ اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اہل شام میں تابعین کرام جیسے کہ امام خالد بن معدان، امام مکحول، امام لقمان بن عامر وغیرہم۔ پندرھویں شعبان کی رات کی تعظیم کرتے تھے اور اس رات کو عبادت میں زیادتی کی کوشش کرتے تھے اور ان سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ اس رات میں خوب عبادت کرتے اور اس کی عظمت کے معترف ہیں۔

(ابن رجب، عبد الرحمٰن بن احمد: لطائف المعارف، دار ابن حزم للطبعۃ والنشر، ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۸)

سوال یہ ہے کہ شیخ زبیر کے اقوال تضادات کا شکار کیوں ہیں جب خیر القرون سے اس رات کی فضیلت ملتی ہے تو اس کو بدعت کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جبکہ شیخ زبیر نے جس کتاب کا ترجمہ لکھا ہے،یعنی عمرو بن عبد المنعم کی ''السنن والمبتدعات فی العبادات'' اس میں بھی باتوں کو آدھا بیان کیا گیا ہے جیسا کہ شیخ زبیر کا ترجمہ ہے:

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں دوسری کئی احادیث بھی ہیں جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے اور اکثریت نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیکر اپنی کتاب ''الصحیح'' میں روایت کیا ہے۔'' راویوں کی توثیق اور احادیث کی تصحیح میں ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ بعض متقدمین نے اس رات کی ہر مخصوص فضیلت کا انکار کیا ہے۔(زئی:عبادات میں بدعات،ص۱۴۸)

امام ابن رجب حنبلی تمام اقوال کو نقل کر کے خود بھی اپنی رائے دیتے ہیں لیکن عمرو بن عبد المنعم نے اس کو بیان نہیں کیا اور نہ ہی شیخ زبیر نے اس پر ان سے اختلاف کیا یعنی کہ چور کی چوری پر پردہ ڈالنے والی بات کی ہے شیخ زبیر نے، امام ابن رجب آخر میں اس رات میں عبادت پر ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فينبغي للمؤمن أن يتفرغ في تلك الليلة لذكر الله تعالى ودعائه بغفران الذنوب وستر العيوب وتفريج الكروب وأن يقدم على ذلك التوبة فإن الله تعالى يتوب فيها على من يتوب.

فقم ليلة النصف الشريف مصليا ... فأشرف هذا الشهر ليلة نصفه

"فكم من فتى قد بات في النصف آمنا ... وقد نسخت فيه صحيفة حتفه

فبادر بفعل الخير قبل انقضائه ... وحاذر هجوم الموت فيه بصرفه

وصم يومها لله وأحسن رجاءه ... لتظفر عند الكرب منه بلطفه۔(ابن رجب:لطائف المعارف،ص۱۳۸)

ترجمہ:مومن کے لئے مناسب ہے کہ اس رات کو ذکر اللہ میں گزارے،اپنے رب سے دعائیں اور استغفار کرے،اپنے گناہوں کی معافی مانگے،اللہ کریم کے سامنے سچے دل سے توبہ کرے بے شک اللہ معاف فرمانے والا ہے۔ شعبان کی پندرہویں رات کو قیام کر، پس اسی رات کی وجہ سے اس مہینہ کو بزرگی ملی ہے، کتنے ہی نوجوان ہیں جو راتیں امن کے ساتھ گزارتے ہیں اور ان کو مردوں کے صحیفے میں لکھ دیا ہوتا ہے۔ پس نیکی کے کاموں میں مرنے سے پہلے سبقت کرنے کی کوشش کر، موت کے اچانک آنے سے پہلے اس کا اندازہ کر لے۔ اور اس کے دن کا اللہ کے لئے روزہ رکھ اور اس سے اچھی امید رکھ تاکہ اس کے ساتھ مصیبت کے وقت کامیابی حاصل کر۔

شیخ زبیر کی دوغلی پالیسی:

ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زبیر دوغلی پالیسی پر گامزن ہیں ایک طرف اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ خیر القرون سے عمل ملے تو بدعت نہیں جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں لکھا:

یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن، حدیث اوراجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے لھٰذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ "خیر القرون میں اس کا وجود نہ ہو اوراسے دین وثواب سمجھ کر اپنایا جائے۔ (زئی: عبادات میں بدعات، ص۱۷)

لیکن دوسری طرف نصف شعبان کی فضیلت کا انکار کرتے ہوئے اس کو بدعت بھی کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ بھی انہوں نے واضح کیا کہ اگر تابعی کا قول و عمل مل جائے تو وہ کام جائز ہو گا جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا لیکن یہاں پر پالیسی تبدیل کر گئے!

اہل مکہ کا عمل:

امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ کے ہم عصر مورخ امام محمد بن اسحاق فاکھی (متوفی ۲۷۲ھ) جو کہ مکہ کے رہائشی تھے اور تیسری صدی ہجری کے ایک مسلم عربی سیرت نگاراور عالم تھے۔ وہ اپنی کتاب "اخبار مکہ" میں اس وقت مکہ کے رہنے والوں کا شعبان میں معمول لکھتے ہیں: ذِكْرُ عَمَلِ أَهْلِ مَكَّةَ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَاجْتِهَادِهِمْ فِيهَا لِفَضْلِهَا وَأَهْلُ مَكَّةَ فِيمَا مَضَى إِلَى الْيَوْمِ إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، خَرَجَ عَامَّةُ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَصَلَّوْا، وَطَافُوا، وَأَحْيَوْا لَيْلَتَهُمْ حَتَّى الصَّبَاحَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، حَتَّى يَخْتِمُوا الْقُرْآنَ كُلَّهُ، وَيُصَلُّوا، وَمَنْ صَلَّى مِنْهُمْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ مِائَةَ رَكْعَةٍ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِالْحَمْدُ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ، وَأَخَذُوا مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، فَشَرِبُوهُ، وَاغْتَسَلُوا بِهِ، وَخَبَّؤُوهُ عِنْدَهُمْ لِلْمَرْضَى، يَبْتَغُونَ بِذَلِكَ الْبَرَكَةَ فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ، وَيُرْوَى فِيهِ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ۔

(فاکہی، أبو عبد اللہ محمد بن إسحاق بن العباس المکي: أخبار مکۃ في قدیم الدھر وحدیثہ، دار خضر–بیروت، ۱۴۱۴، ۳/۶۴)

مردوں اور عورتوں کی اکثریت مسجد میں آتی پس وہ نماز پڑھتے اور طواف کعبہ کرتے اوراپنی رات کو زندہ کرتے صبح تک تلاوتِ قرآن کے ساتھ مسجد حرام میں، حتی کہ وہ مکمل قرآن مجید ختم کرتے، اوروہ نماز پڑھتے اوروہ اس رات میں سو رکعت نماز اس طرح پڑھتے کہ ہر رکعت میں فاتحہ اوردس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے اوروہ اس رات کو چشمۂ زمزم سے پانی لیتے پس اس

کو پیتے اوراس سے غسل کرتے ،اوروہ اس کو مریضوں کے لئے محفوظ کرلیتے،وہ اس کے ساتھ اس رات میں برکات حاصل کرتے تھے۔اوراس بارے میں بہت ساری روایات ہیں۔

محدث ابن عساکر کا معمول:

تاریخ دمشق جو کہ اسی جلدوں سے زائد پر مشتمل ہے دنیا کی بڑی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔جس کے مصنف ہیں ابوالقاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر(متوفی ۵۷۱ھ)،امام ابن عساکر کا نصف شعبان المعظم کی رات کیا معمول تھا۔اس بارے امام ذھبی اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

قال المحدث بهاء الدين القاسم: كان أبي –رحمه الله– مواظبًا على الجماعة والتلاوة, يختم كل جمعة ويختم في رمضان كل يوم ويعتكف في المنارة الشرقية, وكان كثير النوافل والأذكار, ويحيي ليلة النصف والعيدين بالصلاة والذكر, وكان يحاسب نفسه على لحظة تذهب. امام علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسین،حافظ ابن عساکر،صاحب تاریخِ دمشق (متوفی ۵۷۱ھ) آپ کے بیٹے فرماتے ہیں کہ میرے والد باجماعت نماز پر ہمیشگی کرتے اور تلاوتِ قرآن،ہر جمعہ کو قرآن مجید مکمل کرتے اور رمضان کے ہر دن ایک قرآن پڑھتے،اور منارہ شرقیہ میں اعتکاف کرتے،آپ بہت زیادہ نوافل اوراذکار پڑھتے تھے اور نصف شعبان کی اور عیدین کی راتیں نفل نمازاور نماز تسبیح کے ساتھ زندہ کرتے تھے۔

(ذھبی،محمد بن احمد،امام،شمس الدین:تذکرۃ الحفاظ،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۹۹۸ء،۴/۸۴)

محدث محمد بن احمد قدامہ مقدسی کا معمول:

امام محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ بن مقدام جماعیلی ،مقدسی،خالوامام ضیاء المقدسی صاحب الاحادیث المختارہ (متوفی ۶۰۷ھ)۔حافظ ذھبی نے انہیں ”الامام العالم الفقیہ المقری المحدث البرکۃ شیخ الاسلام“ جیسے القاب سے نوازاہے۔آپ نصف شعبان کی رات لوگوں کے ساتھ سو رکعت نماز پڑھتے اوروہ بہت بڑے شیخ تھے۔بلکہ بقول ذھبی یہ ہر جمعہ کی رات کو نماز تسبیح اوردن کو سورہ اخلاص کے ساتھ سو رکعت نماز نفل پڑھتے تھے۔

(ذھبی:سیر اعلام النبلاء،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۹۸۸ء،۱۶/۶۴)

غیر مقلدین کے علماء کا نظریہ:

شیخ زبیر کے ممدوح شیخ ابن تیمیہ سے نصف شعبان کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

جب کوئی آدمی نصف (شعبان) کی رات تنہا، یا خاص جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے جیسا کہ اسلاف میں سے ایک گروہ کرتا تھا، تو وہ اچھا ہے۔ (ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، حرانی: مجموع الفتاویٰ، طبع مطابع الریاض، ۱۳۸۲ھ، ۲۳/ ۵۶)

شیخ ابن تیمیہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کے دور تک اسلاف میں سے ایک گروہ اس رات یعنی شعبان المعظم کی پندرہویں رات کو جماعت اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتا تھا۔

شیخ ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

نصف شعبان کی رات کے متعلق مرفوع احادیث اور آثار مروی ہیں جو اس رات کی فضیلت کا تقاضا کرتے ہیں بعض علماء سلف نے تو اس رات میں نماز کی بھی تخصیص کی ہے اور ماہ شعبان کے روزے کے متعلق صحیح احادیث وارد ہیں، اور بعض علماء سلف اور بعض علماء مدینہ اور علماء خلف نے اس رات کی فضیلت کا انکار کیا ہے اور اس کے متعلق وارد احادیث میں طعن کیا ہے جیسے حدیث کہ "اللہ تعالیٰ اس رات بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے اور اس حدیث میں اور اس کے علاوہ دوسری احادیث میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن یہ نظریہ کہ یہ رات فضیلت والی ہے یہ اکثر اہل علم کا نظریہ ہے یا اکثر ہمارے علماء اور دیگر کا بھی، اور اس پر امام احمد کی نص ہے کیونکہ اس رات کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہیں اور آثارِ سلف بھی اسکی تصدیق کرتے ہیں اور اس رات کے کچھ فضائل مسانید اور سنن میں بھی مروی ہیں۔

(ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، حرانی: اقتضاء الصراط المستقیم، انوع الاعیاد الزمانیہ، دار الحدیث باازھر، س ن، ص ۲۷۴)

شیخ ابن تیمیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل علم کی اکثریت کا مؤقف یہ ہے کہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات یعنی عرف عام میں شب برأت فضیلت والی رات ہے، اور اس پر امام احمد بن حنبل کی نص ہے کہ یہ رات فضیلت والی رات ہے۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری کا مؤقف:

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: پندرہویں شب شعبان کو کیا شب قدر کا کوئی ثبوت ہے اس شب کو ثواب جان کر تلاوت یا عبادت کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کارِ خیر کرنا بدعت نہیں ہے بحکم انما الاعمال بالنیات" موجب ثواب ہے۔ (امرتسری، ثناء اللہ: فتاویٰ ثنائیہ، مکتبہ ثنائیہ النور اکیڈمی چوک بلاک ۱۹، سرگودھا، س ن، ۱/ ۶۵۶)

نصف شعبان المعظم کے قائلین بھی یہی کہتے ہیں کہ اس رات میں اگر کوئی مسلمان اپنے خالق ومالک کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے تو اس پر نکیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس رات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبین نیاز کو جھکانا بہتر ہے اور اس رات اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی طلب کرنی چاہیے اور آئندہ کیلئے گناہوں سے تائب ہو کر اس کے تقرب کو حاصل کرنے میں کوشاں ہونا چاہیے اس امید پر کہ اس رات وہ اپنی رحمت وکرم سے خطاکاروں کی بخشش ومغفرت فرماتا ہے۔

عبد الرحمٰن مبارکپوری کا مؤقف:

غیر مقلدین کے امام ومحدث عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: آگے چند روایات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

باعتبار مجموعی یہ احادیث اس پر حجت ہیں جو یہ خیال کرتا ہے کہ نصف شعبان کی فضیلت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

(مبارک پوری، عبد الرحمٰن: تحفۃ الاحوذی بشرح الترمذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ۳/۳۶۷۔۳۶۵)

حافظ عبد اللہ محدث روپڑی کا مؤقف:

غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: ماہ شعبان کی چودھویں یا پندرھویں روزہ رکھنا یا تین روزے تیروھویں۔ چودھویں، پندرھویں تاریخ میں رکھنے جائز ہیں، یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ بدعت ہے اور لفظ بدعت کی اصل تحقیق کیا ہے؟

جواب: شب برأت کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے۔ اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل درست ہے۔ ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کا روزہ بھی حدیث میں آیا ہے بدعت کی تعریف رسالہ ردِ بدعت میں کئی گئی ہے۔ (روپڑی، عبد اللہ، حافظ: فتاویٰ اہلحدیث، ادارہ السنۃ النبویہ ڈی چوک، سرگودھا، س ن، ۲/۲۱۸)

یہاں غیر مقلدین کے مجتہد العصر صاحب نے شب برأت کے روزہ کو جو افضل قرار دیا ہے یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک شب برأت کو فضیلت حاصل ہے ورنہ اس کا روزہ رکھنا افضل کیسے؟

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مشکوٰۃ کی جس روایت کو ضعیف کہہ کر غیر مقلدین کے محدث صاحب فضائل اعمال میں اس پر عمل کو درست قرار دے رہے ہیں وہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں صرف روزہ رکھنا ہی نہیں بلکہ رات کے قیام کا بھی ذکر ہے۔ (ترمذی:۱۳۸۸)

تو یہ بات بھی ان کے نزدیک درست ٹھہری کہ اس رات میں قیام کرنا بھی افضل ہے کیونکہ اگر اسی روایت کے تحت روزہ رکھنا افضل ثابت ہوتا ہے تورات کو نماز پڑھنے یعنی قیام کرنے کا حکم بھی اسی میں ہے تو اس کے تحت وہ بھی نہ صرف درست ہو گا بلکہ افضل بھی ہو گا۔

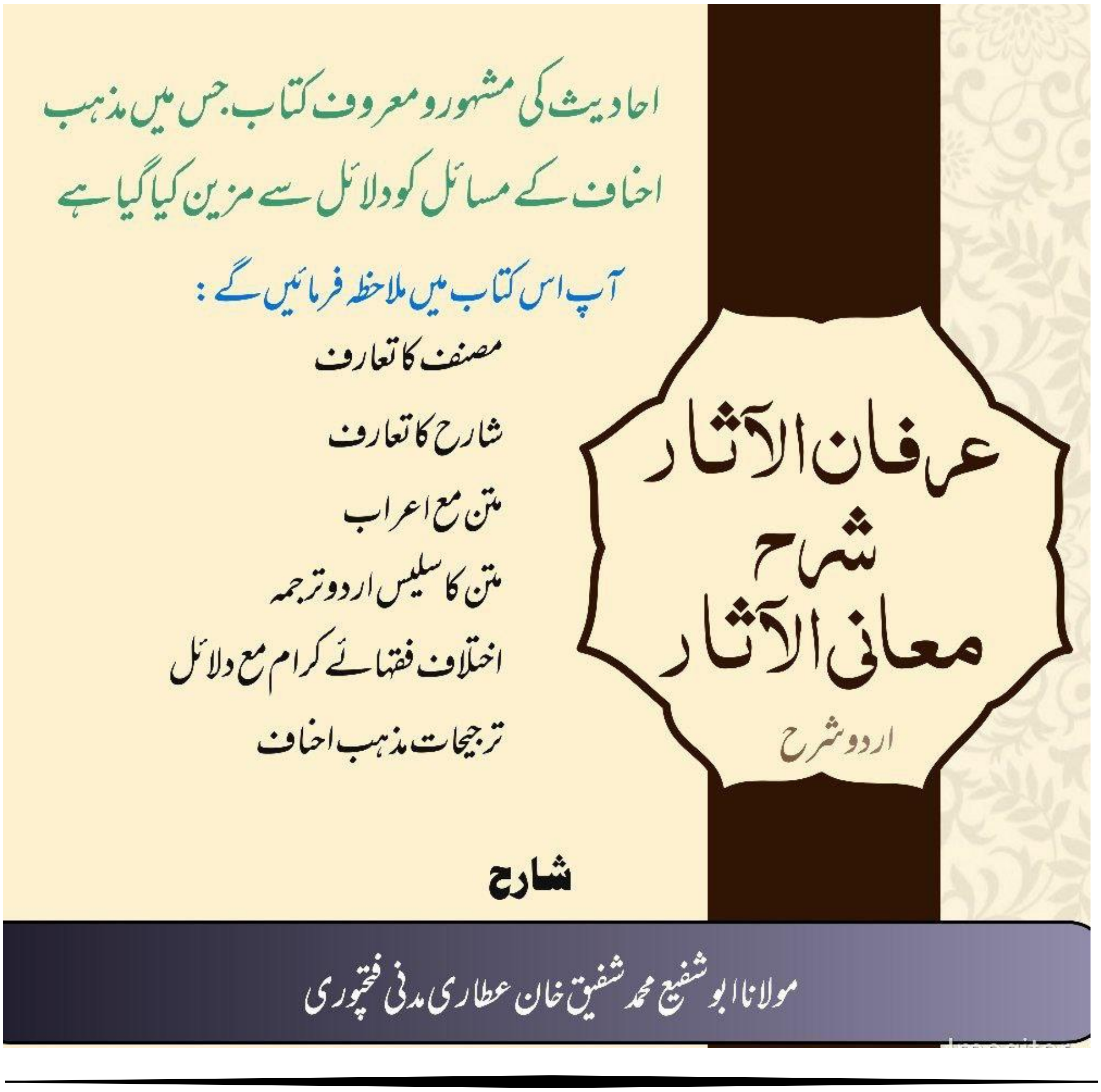
دوسرا غیر مقلدین کے مجتہد العصر صاحب کی اس تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک نصف شعبان کے دن کا روزہ اور رات کا قیام بدعت و ناجائز نہیں ہے۔

ان عباراتِ اکابرین غیر مقلدین سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ اس رات کو فضیلت حاصل ہے، پس اس رات کی فضیلت کا انکار کرنا حقیقت میں حقیقت کا انکار کرنا ہو گا۔

خلاصہ تحقیق:

- نفلی عبادات سے نبی ﷺ کو اتنی محبت تھی کہ آپ ﷺ راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرتے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے پاؤں سوج جاتے تھے، گھر والوں کے منع کرنے پر آپ ﷺ فرماتے کہ کیا میں رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام بھی نفلی عبادات میں وقت گزارتے تھے۔
- نفلی عبادات میں کسی قسم کی کوئی قید اسلام میں نہیں ہے، کسی بھی رات کو عبادت کرنا نہ منع ہے اور نہ ہی بدعت ہے۔ بالخصوص چند راتوں میں مسلمان نفلی عبادات کا اہتمام کرتے ہیں جیسا کہ رمضان کے آخری عشرہ، عیدین، جمعہ اور شب براءت کی رات۔
- شب براءت کی فضیلت میں بہت سی روایات ہیں جن میں صحیح، حسن اور ضعیف احادیث ہیں۔ اور ان احادیث پر محدثین کا معمول رہا ہے کہ وہ اس رات کو جاگتے اور عبادت میں گزارتے تھے۔
- قرون اُولیٰ سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ مکہ کے مسلمان اس رات کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے اور طواف کرتے، زمزم پیتے اور اپنے مریضوں کے لئے لے جاتے۔
- شیخ زبیر کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ کے ہم مسلک علماء میں سے مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبد الرحمٰن مبارک پوری اور حافظ عبد اللہ روپڑی اس رات میں عبادت کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک اس رات کو عبادت کرنا بدعت نہیں ہے۔

- محدثین اور فقہاءِ اسلام کے نزدیک اس رات کو جاگنا نہ تو سنت ہے اور نہ ہی شب برأت کو مخصوص عبادت کرنا ضروری ہے بلکہ ان کے نزدیک صرف جائز ہے کہ اگر کوئی اس کو فرض، واجب، سنت جانے بغیر پڑھتا ہے تو اس کے پڑھنے والے پر یہ نکیر نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی اس طریقہ کو ضروری نہ جانتے ہوئے اس رات میں اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس نماز کو پڑھتا ہے تو قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ثواب کا امیدوار ہو گا۔
- فوت شدہ مسلمانوں کے لئے اجتماعی دعا کرنا بدعت نہیں بلکہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔



فصل چہارم
شیخ زبیر کے تضادات

اس فصل میں اس بات پر بحث کریں گے کہ شیخ زبیر اپنے اصولوں کے آئینے میں کس طرح کھلے تضاد کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جہاں ان کو اپنے مطلب یا مسلک کی بات کرنی ہو تو احادیث پر کس طرح حکم لگاتے ہیں اور جہاں نبی ﷺ کی شان کی بات ہو یا کسی اور مسلک کی بات ہو تو شیخ زبیر کا اصول بدل جاتا ہے۔

شیخ زبیر جب احادیث کی تحقیق و تخریج کرتے ہیں تو حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے اپنے اصول کے مطابق اس حدیث کی سند کو "سندہ صحیح" یا "سندہ ضعیف" لکھتے ہیں لیکن جب ان کو اپنے مکتبہ فکر کی تائید میں کوئی روایت ملتی ہے تو اپنے بنائے ہوئے اصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُس حدیث کی سند کو "سندہ ضعیف" نہیں لکھتے اگرچہ اس روایت کی سند ضعیف ہو بلکہ اس کے جعلی شواہد ڈھونڈ کر اس روایت کو "حدیث صحیح" لکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف نبی ﷺ کی شان میں کوئی روایت ہو اور اس کی سند ضعیف ہو لیکن اس کے صحیح شواہد ہونے کے باوجود اس حدیث کو "حدیث صحیح" نہیں لکھتے بلکہ اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے "سندہ ضعیف" لکھتے ہیں، یہ شیخ زبیر کا کھلا تضاد ہے۔

تضاد نمبر:۱

چنانچہ شیخ زبیر ابو داؤد کی حدیث ۷۵۹ پر حکم لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى، ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ» طاؤس تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، پھر ان کو اپنے سینے پر باندھ لیتے، اور آپ ﷺ نماز میں ہوتے۔

(ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی: سنن ابی داود، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث::۷۵۹)

تخریج: [صحیح] وھو فی المراسیل لابی داؤد، ح۳۳ وسندہ ضعیف لارسالہ، وللحدیث شاھد عند احمد: ۲۲۶/۵ و سندہ حسن، و بہ صح الحدیث۔

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے جو کہ مراسیل لابی داؤد میں ہے، لیکن اس کا شاھد مسند احمد میں ہے اور اس کی سند حسن ہے، اور اسی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: تحقیق ابو داؤد، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث:۷۵۹)

شیخ زبیر کہتے ہیں کہ یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس کا شاھد مسند احمد میں ہے جو کہ سند حسن کے ساتھ ہے۔اس سند حسن کے ساتھ یہ ضعیف اور مردود(شیخ زبیر اکثر ضعیف روایت کو مردود لکھتے ہیں)روایت مل کر صحیح ہوگئی!یعنی حسن سند اور ضعیف سند مل کر صحیح کے درجہ تک پہنچ گئی!!!شیخ زبیر پوری قوت سے اس بات کے قائل ہیں کہ مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے چنانچہ شیخ زبیر اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

مرسل چونکہ ضعیف ہوتی ہے۔لٰہذا مرسل سے استدلال جائز نہیں۔

(زئی،زبیر،حافظ:مقالات،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۲۰۱۲ء،۳/۱۱۴)

حافظ عبدالرحیم بن الحسین العراقی (المتوفیٰ ۸۰۶ھ)نے مرسل کے بارے میں فرمایا:**وردة جماهر النقادللجهل بالساقط في الاسناد۔**اور جمہور ناقدین نے اسے رد کر دیا ہے،سند میں ساقط شدہ کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے۔

(زئی:مقالات،۳/۸۹۔۹۰)

شیخ زبیر مرسل روایت کو ضعیف مانتے ہیں اور اس سے استدال کو جائز نہیں سمجھتے،لیکن یہاں ضعیف روایت ہونے کے باوجود اس کو صحیح لکھا اور دلیل یہ دی کہ اس کا شاہد مسند احمد میں ہے:قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَرَأَيْتُهُ، قَالَ، يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ» وَصَفَّ يَحْيَى: الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَوْقَ الْمِفْصَلِ.ہلب طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو(نماز سے فارغ ہوکر)دائیں اور بائیں (دونوں)طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا اور دیکھا ہے کہ آپ یہ(ہاتھ)اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(احمد بن حنبل،امام:مسند احمد،موسسۃ الرسالہ،۲۰۰۱ء،رقم الحدیث:۲۱۹۶۷)

یحییٰ(القطان راوی)نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر(عملاً)بتایا۔(مسند احمد ۵/۲۲۶ وسندہ حسن)۔

(زئی،زبیر،حافظ:نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام،مکتبہ اسلامیہ،لاھور،۲۰۱۳ء،ص ۱۴)

شیخ زبیر نے مندرجہ بالا حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے حدیث میں اپنے الفاظ کا اضافہ کیا ہے،کچھ الفاظ تو بریکٹ میں بڑھائے اور کچھ تو حدیث میں تحریف کرتے ہوئے بڑھادیے۔کیونکہ یہ حدیث شاہد نہیں ہے جبکہ شیخ زبیر زبردستی اس کو شاہد بنارہے ہیں ۔اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے شیخ کو کچھ تو تبدیلی کرنے پڑیگی سوانہوں نے کی۔اور حدیثِ پاک میں نماز کا ذکر ہی نہیں لیکن شیخ زبیر نے بریکٹ میں نماز کا لفظ بڑھادیا،حدیث میں سلام کا لفظ ہی نہیں لیکن شیخ زبیر نے ترجمہ کرتے ہوئے سلام کا لفظ ایسے بڑھایا گویا جیسے یہ حدیث کا لفظ ہو۔راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا اس پر کوئی وضاحت نہیں کہ کب یہ عمل آپ ﷺ نے کیا اور لفظ ہے(يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ)یہ سینے پر رکھا،یعنی

آپ ﷺ نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا، اس روایت میں نماز کا ذکر ہی نہیں۔ اگر مان لیا جائے کہ نماز کی بات ہے تو اس پر کیا قرینہ ہے کہ نماز کے اندر اور قیام کی بات ہے اور اگر قیام کی بات ہے تو اس میں ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا جاتا ہے جو کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے اور یہاں لفظ ہے (یہ) یعنی ایک ہاتھ سینے پر رکھا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا جو کہ کسی وجہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے سینے پر ایک ہاتھ رکھا ہو جس کو راوی نے نقل کیا اور شیخ زبیر نے اس سے سینے پر نماز کے اندر ہاتھ رکھنا سمجھ لیا اور معمول بہا احادیث کو چھوڑ دیا۔

یہاں کسی طرح بھی مسند احمد والی روایت شاہد نہیں بن رہی لیکن شیخ نے اس کو شاہد بنا کر مرسل ضعیف روایت کو صحیح کا درجہ دیدیا جبکہ دوسری جانب ایک ضعیف روایت کا شاہد صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن پھر بھی شیخ زبیر نے اس کی سند کو سندہ ضعیف لکھا ہے: انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن پشت کی طرف سے ایک لکڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے پھر جب لوگ زیادہ ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے ایک منبر بنادو، جس کی دو سیڑھیاں ہوں۔ پھر جب آپ منبر پر کھڑے ہوئے تو لکڑی (یعنی کھجور کے تنے) نے رسول اللہ ﷺ کے لئے رونا شروع کر دیا۔ انس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں مسجد میں تھا، پھر میں نے لکڑی کو فرطِ محبت میں مبتلا کی طرح روتے سنا، پھر وہ (لکڑی) روتی رہی، حتیٰ کہ آپ ﷺ اتر کر اس کے پاس گئے اور اسے سینے سے لگایا تو وہ چپ ہو گئی۔

حسن (بصری رحمہ اللہ) جب یہ حدیث بیان کرتے تو رو پڑتے، پھر فرماتے: اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا جو مقام ہے، اس کی وجہ سے لکڑی آپ ﷺ کے شوق میں رونے لگی تھی، لھٰذا تم پر یہ زیادہ ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ملاقات کا شوق رکھو۔

تحقیق و تخریج: سندہ ضعیف

یہ روایت حافظ ابن تیمیہ نے ابوطاہر المخلص کی سند سے بیان کی ہے اور المخلصیات میں موجود ہے۔ اس کی سند صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ (طبقہ ثانیہ کے) مدلس تھے اور یہ سند عن سے ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: کتاب الاربعین شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۸ء، ص ۱۱)

اس روایت کو شیخ زبیر نے سندہ ضعیف لکھا جبکہ اس کے شواہد کتب احادیث میں کثیر ملتے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ، فَلَمَّا اتَّخَذَ المِنْبَرَ تَحَوَّلَ إِلَيْهِ فَحَنَّ الجِذْعُ فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ "ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک

لکڑی کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر بن گیا تو آپ ﷺ خطبہ کے لیے اس پر تشریف لے گئے۔ اس پر اس لکڑی نے باریک آواز سے رونا شروع کر دیا۔ آخر آپ ﷺ اس کے قریب تشریف لائے اور اپنا ہاتھ اس پر پھیرا۔

(بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، امام: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۳۵۸۳)

اسی طرح امام محمد بن عیسی ترمذی اپنی کتاب سنن ترمذی میں بھی اسی طرح کی ایک روایت نقل کرتے ہیں: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ، فَلَمَّا اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المِنْبَرَ حَنَّ الجِذْعُ حَتَّى أَتَاهُ فَالتَزَمَهُ فَسَكَنَ» ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کھجور کے ایک تنے پر (کھڑے ہو کر) خطبہ دیتے تھے، جب آپ ﷺ نے منبر بنالیا تو وہ تنا رو پڑا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور اسے چمٹالیا تو وہ چپ ہو گیا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(ترمذی، ابوعیسی، محمد بن عیسٰی، امام: جامع الترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۵۰۵)

شیخ زبیر نے کس طرح اپنے اصول وضع کیے ہیں، جب ان کو اپنے مسلک کا دفاع کرنا ہو تو ضعیف مرسل روایت کا شاہد ڈھونڈ کر لاتے ہیں جو کہ شاہد بنتا ہی نہیں اور دوسری طرف نبی ﷺ کی شان میں روایت کا شاہد بخاری میں، ترمذی میں اور دیگر کتب حدیث موجود ہے پھر بھی اس کی سند کو سندہ ضعیف لکھتے ہیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟ اور شیخ زبیر یہ کیوں کرتے ہیں ،شاید اسلیے کہ شیخ زبیر اپنی کتب میں اس بات کا بار بار اقرار کرتے نظر آتے ہیں کہ اپنے مسلک اھل حدیث کیلئے میری جان بھی حاضر۔ (ندیم ظہیر: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۱۸ء، ص ۲۳)

جب جان ہی نچھاور کر دی تو اصول کو تبدیل کرنا کونسا مشکل کام ہے۔

تضاد نمبر: ۲

شیخ زبیر اپنی کتب میں اس بات کو بار بار دہراتے ہیں کہ مقلد عالم نہیں ہوتا بلکہ جاہل ہوتا ہے۔ (زئی: مقالات، ۳/۶۰۵)

لیکن جب شیخ زبیر کو اپنے اصولوں کو وزنی کرنا ہو یا مخالفین کو جواب دینا ہو یا کسی اپنے عالم کی تعریف میں حوالے نقل کرنے ہوں تو انہی مقلدین علماء (شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی) کی عبارات سے سہارا لیتے ہوئے ان کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے ایک اصول کو بیان کرتے ہوئے شافعی عالم کے بارے میں لکھتے ہیں: آمدی شافعی (متوفی ۶۳۱ھ) فرماتے ہیں: تخصیص السنۃ بالسنۃ جائز عند الاکثرین۔ اکثر علماء کے نزدیک سنت کی تخصیص سنت کے ساتھ جائز ہے۔

اور فرماتے ہیں: یجوز تخصیص عموم القرآن بالسنۃ "اور قرآن کے عموم میں تخصیص سنت کے ساتھ جائز ہے۔

بلکہ فیصلہ کن بات لکھتے ہیں:واما اذا کانت السنۃ من اخبار الآحاد فمذھب الائمہ الاربعۃ جوازہ ''اگر(عموم قرآن کی تخصیص کرنے والی)سنت خبر واحد ہو تو ائمہ اربعہ کا مذھب یہ ہے کہ جائز ہے۔

(زئی،زبیر،حافظ:الکواکب الدریہ،نعمان پبلیکیشنز،لاہور،۲۰۱۳ء،ص ۵۲)

ایک طرف شیخ زبیر کے نزدیک مقلدین علماء جاہل ہیں(نعوذ باللہ) پھر شیخ زبیر ان ہی علماء کے اصولوں کو لکھ کر کہتے ہیں ''فیصلہ کن بات لکھی''،جب یہ جاہل ہیں تو فیصلہ کن بات کیسے لکھی؟ایک طرف ان کو جاہل اور دوسری طرف بہت بڑے عالم تسلیم کر رہے ہیں،کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟

شیخ زبیر حدیث کے اصول بیان کرنے میں مقلدین علماء کے محتاج ہیں اور دوسری طرف انہی محدثین علماء کو جاہل کہہ رہے ہیں نیز دیکھئے اپنی کتاب میں کس طرح ابن صلاح شافعی کے وضع کیے ہوئے اصول کو بیان کر رہے ہیں:ابن الصلاح الشہروزی الشافعی نے لکھاہے:وماذکرناہ من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحکم بضعفہ ھو المذھب الذی استقر علیہ آراء جماھیر حفاظ الحدیث ونقاد الأثر وقد تداولوہ فی تصانیفھم وفی صدر صحیح مسلم:المرسل فی اصل قولنا وقول اھل العلم باالاخبار لیس بحجۃ۔اور ہم نے مرسل کے درجۂ حجت سے ساقط ہونے اور ضعیف ہونے کا جو ذکر کیاہے،یہی وہ مذھب ہے جس پر جمہور حفاظِ حدیث اور ناقدین کرام کی آراء قائم ہوئی ہیں اور انہوں نے پے درپے اپنی کتابوں میں لکھاہے اور صحیح مسلم کے شروع میں لکھاہوا ہے کہ ہمارے اصل قول اور حدیث کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے۔(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۰۔۱۳۱،مع التقیید والایضاح للعراقی ص ۷۴۔۷۵)

اسی طرح ایک اور جگہ شیخ زبیر اپنی رائے کو مضبوط کرنے کیلئے مقلد شافعی امام،امام نووی کی رائے کو اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔:علامہ نووی(شافعی) نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں کہا:اس حدیث کے ضعیف ہونے پر(ترمذی کے علاوہ تمام متقدمین کا)اتفاق ہے۔(زئی،زبیر،حافظ:الکواکب الدریہ،نعمان پبلیکیشنز،لاہور،۲۰۱۳ء،ص142)

شیخ زبیر علامہ ابن تیمیہ کے اساتذہ کو عظیم محدث گردانا ہے اور علامہ ابن تیمیہ کے اساتذہ میں مقلدین محدثین بھی ہیں اور ان کا ذکر بھی شیخ زبیر نے کیاہے اور حیرت کی بات یہ کہ جن کو جاہل لکھا انہی کو عظیم محدث بھی لکھ رہے ہیں:شیخ الاسلام ابن تیمیہ بیک وقت بہت بڑے علامہ،حافظِ حدیث،مجتہد،مفسر،فقیہ اور اصولی ہونے کے ساتھ بہت بڑے محدث بھی تھے۔انہوں نے حدیث کا علم عظیم الشان شیوخِ حدیث سے حاصل کیا،جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

یحیٰ بن عبد الرحمٰن بن نجم الحنبلی الشیرازی(م ۶۷۲ھ)

عبد الرحمٰن بن سلمان بن سعید بن سلمان الحرانی الحنبلی (م ۶۷۰ھ)۔

(زئی، زبیر، حافظ: الکواکب الدریہ، نعمان پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص142)

نیز اسی کتاب میں شیخ زبیر علامہ ابن تیمیہ کی فضیلت و وجاہت بیان کرتے ہوئے مختلف علماء کی عبارات نقل کرتے ہیں جس میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور تھے، ان علماء میں مقلد شافعی اور حنبلی علماء کو بھی شامل کیا ہے۔

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: فضائل: جمہور محدثین و صحیح العقیدہ علمائے حق نے آپ کی تعریف و توثیق کی ہے اور آپ کے فضائل بے حد و بے شمار ہیں، بلکہ بہت سے کبار علماء نے آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ مثلا: شیخ علم الدین ابو محمد القاسم بن محمد بن البرزالی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۹ھ) نے اپنی تاریخ میں کہا: "الشیخ الامام العالم العلم العلامة الفقيه الحافظ الزاهد العابد المجاهد القدوة شيخ الاسلام۔" (البدایہ والنہایہ ۱۴/۱۴۱)

شمس الدین ابو بکر محمد بن محب الدین ابی محمد عبد اللہ بن المحب عبد اللہ الصالحی الحنبلی المعروف بابن المحب الصامت نے اپنے ہاتھ سے لکھا: "شيخنا الامام الرباني شيخ الاسلام امام الاعلام بحر العلوم و المعارف" (الرد الوافر ص ۹۱)

حافظ ابن رجب الحنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے کہا: الامام الفقيه المجتهد المحدث الحافظ المفسر الاصولي الزاهد تقي الدين ابو العباس شيخ الاسلام و علم الاعلام۔۔۔" (الذيل على طبقات الحنابلہ ۲/۳۸۷ ت ۴۹۵)

ابن العماد الحنبلی نے کہا: "شیخ الاسلام۔۔۔ الحنبلي بل المجتهد المطلق" (شذرات الذهب ۶/ ۸۱)

ان گواہیوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اہلِ سنت و جماعت کے کبار علماء میں سے تھے اور شیخ الاسلام تھے۔

نیز ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے: ومن طالع شرح منازل السائرين تبين له انهما من اكابر اهل السنة و الجماعة ومن اولياء هذه الامة۔ جس نے منازل السائرین کی شرح کا مطالعہ کیا تو اس پر واضح ہو گیا کہ وہ دونوں (حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم رحمہما اللہ) اھل سنت والجماعت کے اکابر میں سے اور اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ ص ۲۰۷)۔ (زئی: کتاب الاربعین شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۱۱)

شیخ زبیر علامہ ابن تیمیہ کے اساتذہ کو عظیم الشان محدثین قرار دے رہے ہیں، اور یہ بھی واضح لکھا کہ ان کے اساتذہ میں سے مقلدین اساتذہ بھی ہیں۔ جو کہ بہت بڑے محدثین ہیں۔ جب علامہ ابن تیمیہ کے اساتذہ بہت بڑے محدثین تھے، تو شیخ زبیر کا یہ کہنا کہ مقلد جاہل ہوتا ہے، کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟

شیخ زبیر نے صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع اور ثقہ راوی کی زیادت "مضمون لکھا جو کہ ان کے ہم مسلک مولانا خبیب کے جواب میں تھا جب انہوں نے مسلم کی ایک روایت کو ضعیف کہا۔ اس کے جواب میں شیخ زبیر بہت سارے مقلدین علماء

(حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کی عبارات کا ذکر کر کے روایت کو صحیح قرار دیا، گویا شیخ زبیر نے یہ مانا کہ کہ مقلدین علماء بہت بڑے محدث ہیں، اور ایسے محدثین کو جاہل کہنا! کیا یہ تعصب نہیں؟ شیخ زبیر لکھتے ہیں:

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(القشیری، مسلم، حجاج بن مسلم: صحیح مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: مسلم: ۹۰۴/۴۰۴)

اس حدیث کو درج ذیل محدثین اور علماء نے صحیح قرار دیا ہے: قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں: وقد ذکر ابن سفیان عن مسلم فی روایۃ الجلودی باثر ھذاالحدیث مایدل علی تصحیح مسلم لھذہ الزیادۃ" اور (ابواسحاق ابراہیم بن محمد) بن سفیان نے (محمد بن عیسیٰ بن عمرویہ) الجلودی کی روایت میں (امام) مسلم سے اس حدیث کے بعد وہ (کلام) ذکر کیا جو مسلم کے نزدیک اس زیادت کی تصحیح پر دلالت کرتا ہے۔ (زئی: مقالات، ۲/ ۲۵۱)

شیخ زبیر اس کے آگے شیخ اثری کی ایک عبارت نقل کر کے اس پر خوش ہوتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں: اثری حفظہ اللہ علانیہ لکھتے ہیں: الغرض اس حدیث پر اعتراضات کی تمام شقیں باطل ہیں۔ امام بیہقی اور علامہ سیوطی اور علامہ علی متقی حنفی کا فیصلہ ہی صحیح ہے کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے اور یہ زیادت متعدد طرق سے مروی ہے اور صحیح ہے۔" معلوم ہوا کہ بہت سے ثقہ راوی اگر کوئی زیادت متن میں ذکر نہ کریں اور صرف ایک (ثقہ صدوق) راوی وہ زیادت ذکر کرے تو مولانا اثری اور امام بیہقی کے نزدیک وہ سند صحیح ہوتی ہے۔ والحمدللہ. (زئی: مقالات ۲/ ۲۵۱)

شیخ زبیر جن کو جاہل کہہ رہے ہیں، ان ہی کے اصولوں پر کس طرح بغلیں بجارہے ہیں۔ اور اپنے دلائل ان کے اصولوں سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

شیخ زبیر اپنی ہر بات کی کوئی نہ کوئی تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جب شیخ زبیر نے مقلدین علماء کو جاہل کہا تو انہیں یہ خیال آیا کہ بہت سے محدثین اور فقہاء ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو اس میں بھی انہوں نے یہ تاویل کی ہے: جن علماء کے ساتھ حنفی وغیرہ کا دُم چھلا لگا ہوا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذاللہ وہ مقلد تھے۔ بلکہ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ ان کا طریقۂ استدلال اور اصول اسی طرح کے ہیں جس طرح کے امام ابو حنیفہ وغیرہ کے اصول تھے۔ شاہ ولی اللہ الدھلوی الحنفی کی الانصاف وغیرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس اجماع کے برعکس دعویٰ تقلید کرنے والے

دیوبندی اور بریلوی حضرات اپنے آپ کو علماء میں سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہاں جاہل اور کہاں عالم؟[اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں کے مقابلے میں عالم ہیں!!]۔(زئی: مقالات، ۳/۲۰۵)

یہاں شیخ زبیر جو تاویل کر رہے ہیں کہ اصول میں پیروی کرنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حنفی لکھتے تھے، یعنی وہ اصول میں تقلید کرتے تھے فقہ میں نہیں۔ بات یہ ہے کہ تقلید تو تقلید ہے چاہے اصول میں ہو یا فقہ میں، وہ کیوں اصول میں تقلید کرتے تھے؟ کیا وہ اپنے اصول خود وضع نہیں کر سکتے تھے؟ دوسری بات کہ وہ اصول کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی تقلید کرتے تھے اس کی دلیل شیخ زبیر کی ہی کتاب "جزء علی بن محمد الحمیری" میں موجود ہے جس میں انہوں نے ایک حنفی راوی قاضی محمد بن عبد اللہ کوفی کو ثقہ قرار دیا اور لکھا کہ وہ "فقہ میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے": **القاضی ابو عبداللہ محمدبن عبداللہ بن الحسین ابن عبداللہ بن یحی بن حاتم الکوفی الحنفی الهروانیسمع من محمدبن القاسم المحاربی وعلی بن محمدبن هارون ومحمدبن جعفربن ریاح الاشجعی۔ وحدث عنه ابو محمدیحی بن محمدبن الحسن العلوی الاقساسی وابو الفرج محمدبن احمدبن علان ومحمدبن الحسن بن المنثورالجهنی وابومنصورمحمدبن محمدالعکبری الندیم وآخرون کمافی سیراعلام النبلاء**"(۱۷/۱۰۲)

ترجمہ: قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن حسین ابن عبد اللہ بن یحیٰ بن حاتم کوفی حنفی ھروانی، انہوں نے محمد بن قاسم محاربی، علی بن محمد بن ھارون اور محمد بن جعفر بن ریاح اشجعی سے سماعت کی۔ ان سے حدیث سنی ہے ابو محمد یحیٰ بن محمد بن حسن علوی اقساسی، ابو الفرج محمد بن احمد بن علان، محمد بن حسن بن منثور جہنی اور ابو منصور محمد بن محمد عبکری ندیم اور دوسروں نے وقال الخطیب: **"وقدم بغدادوحدث بها، وکان ثقة فاضلاجلیلایقرئ القرآن ویفتی فی الفقه علی مذهب ابی حنیفة۔**"(تاریخ بغداد ۵/۴۷) ترجمہ: خطیب بغدادی کہتے ہیں: آپ بغداد تشریف لائے اور حدیث بیان کی اور وہ ثقہ فاضل جلیل اور قاری قرآن تھے، اور فقہ میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔

وقال العتیقی: "ثقة صالح علی مذهب ابی حنیفة، مارأیت بالکوفة مثله۔"(ایضاص ۴۷۳)

اور عقیلی نے کہا: ثقہ صالح مذہب ابو حنیفہ پر تھے۔ میں نے کوفہ میں ان کی مثال نہیں دیکھی۔

وقال ابو الغنائم النرسی: "ثقة مأمون۔" (النبلاء ۱۷/۱۰۲) اور ابو الغنائم نرسی نے کہا: ثقہ مامون تھے۔

ولدسنة ۳۰۵ھ وتوفیٰ سنة ۴۰۲ھ وعاش ۹۷ سنة۔

آپ کی پیدائش ۳۰۵ھ کو ہوئی اور وفات ۴۰۲ھ، آپ ۹۷ برس زندہ رہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: جزء علی بن محمد الحمیری، مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۳۶ھ، ص ۹)

شیخ زبیر نے اپنے مقالات میں جو تاویل پیش کی، اپنی ہی دوسری کتاب "جزء علی بن محمد الحمیری" میں اس کے الٹ ثابت کر دیا، جس سے واضح ہو گیا کہ شیخ زبیر کی عبارات تضادات سے خالی نہیں۔

تضاد نمبر:۳

شیخ زبیر اپنے مقالات میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب ائمہ اربعہ میں سے ایک یا دو اماموں نے کسی حدیث کو ضعیف کہا اور دوسروں نے اس پر رائے نہیں دی تو ان رائے دینے والے اماموں کی بات مانی جائے گی۔ لیکن شیخ زبیر اپنے اس اصول سے روگردانی بھی کر لیتے ہیں، جسے آپ تضاد کہیں یا کچھ اور چنانچہ شیخ زبیر لکھتے ہیں:

جو لوگ چار اماموں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چار مذہب بر حق ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ جس حدیث کو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل (دو اماموں) نے ضعیف وغیرہ قرار دے کر رد کر دیا ہو اور باقی دو اماموں میں سے کسی ایک سے بھی اس حدیث کو صحیح کہنا ثابت نہ ہو تو آپ لوگ کس طرح اس روایت کو پیش کرتے ہیں؟۔(زئی: مقالات، ۳/ ۱۳۴)

شیخ زبیر نے اصول بنالیا کہ جب دو اماموں نے ایک روایت کو ضعیف کہا اور دوسے کوئی چیز ثابت نہیں تو آپ اس کو ضعیف کیوں نہیں کہتے۔ شیخ زبیر اپنے اصول کے خلاف کیسے جاتے ہیں دیکھیے جب ان سے سوال ہوا کہ زبان سے نیت کرنا کیسا ہے تو جواب دیتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ نماز میں داخل ہونے سے پہلے: "بسم اللہ موجھالبیت اللہ مودیالفرض اللہ (عزوجل) اللہ اکبر" پڑھ لیتے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نیت ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ، مالک اور احمد رحمہم اللہ) سے ثابت نہیں اور مذکورہ دلائل کی بنا پر اس سے اجتناب ہی ضروری ہے۔(زئی، زبیر، حافظ: ہدیۃ المسلمین، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵)

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نماز شروع کرنے سے پہلے زبان سے نیت کرتے "اللہ کے نام سے شروع، منہ بیت اللہ کی طرف، اللہ کریم کی بارگاہ میں ادب سے فرض ادا کرنے کے لئے۔ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔

شیخ زبیر کا تضاد کھل کر سامنے آگیا، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ان اماموں کی رائے پر عمل کیا جائے جنھوں نے کسی حدیث پر حکم لگایا ہو، اور دوسری جگہ اس کی مخالفت کرتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، جبکہ یہ واضح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ زبان سے نیت کرتے تھے، جب ایک امام زبان سے نیت کرتے ہیں اور دوسروں سے اس بارے میں کچھ انکار نہیں تو یہ اصول خود بنایا کہ وہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اپنے اصول سے روگردانی کی۔

بلکہ زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہا، جیسا کہ شیخ زبیر نے عبد المنعم کی کتاب ""کا ترجمہ کرتے ہوئے اور اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا: رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، اس (تکبیر) سے پہلے آپ کچھ بھی نہ

کہتے اور نہ زبانی نیت کرتے۔نہ یہ فرماتے کہ:میں ایسے،چار رکعتیں،قبلہ رخ ہو کر پڑھتاہوں،امام یامقتدی کی حیثیت سے،اور نہ یہ فرماتے کہ:اداءہے یاقضاءہے یا(میری یہ نماز)فرض وقت(میں)ہے۔یہ سب بدعات ہیں۔

آپ سے ان کاثبوت نہ صحیح سند سے ہے اور نہ ضعیف سند سے۔ان میں سے ایک لفظ بھی باسند(متصل)یامرسل(یعنی منقطع)مروی نہیں ہے۔اور نہ کسی صحابی سے یہ (عمل)منقول ہے۔تابعین کرام اورآئمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اسے (مستحب و) مستحسن قرار نہیں دیا۔(زئی،زبیر،حافظ:عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان رد،مکتبہ قدوسیہ،لاہور،۲۰۰۵ء،ص۱۲۶)

زبان سے نیت کوبدعت کہہ رہے ہیں اوریہ دعویٰ ہے کہ ”آئمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اسے (مستحب و) مستحسن قرار نہیں دیا۔“کیاامام شافعی رحمہ اللہ ائمہ اربعہ میں سے نہیں؟جبکہ خود شیخ زبیر نے اس قول کو صحیح ماناہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ زبان سے نیت کرتے تھے۔یہ جہالت ہے یاتعصب پسندی۔

تضاد:۴

شیخ زبیر اپنی کتاب تعدادِرکعات قیامِ رمضان میں صحیح روایات کاانکار کرتے اوراس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: " أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ " هَكَذَا فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ۔(بیہقی،احمد بن حسین:السنن الکبری،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۲۰۰۳ء،۲/۶۹۸،رقم الحدیث:۴۲۸۷)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمراور حضرت عثمان رضی اللہ عنہماکے زمانے میں لوگ رمضان میں ۲۰رکعات تراویح پڑھاکرتے تھے۔

اس روایت کاایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے،سیدنامعاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تنقیص کرتاتھا۔اس کی روایات صحیح بخاری میں متابعات میں ہیں،اورجمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ایسے مختلف فیہ راوی کی ”شاذ“روایت مؤطاامام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کرپیش کی جاسکتی ہے؟

(زئی،زبیر،حافظ:تعدادِرکعاتِ قیامِ رمضان کاتحقیقی جائزہ،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۲۰۱۱ء،ص۳۱)

شیخ زبیر نے امام بخاری کے استاذاور صحیح بخاری کے راوی علی بن الجعدپر جرح کرتے ہوئے لکھاکہ ”وہ تشیع کے ساتھ مجروح ہے“اور شیخ زبیر اپنی دوسری کتاب ”نورالعینین“میں لکھتے ہیں کہ:صحیحین(بخاری ومسلم)کے راویوں پہ جرح کرنے ولابدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والاہے۔(زئی،زبیر،حافظ:نورالعینین،مکتبۃ الحدیث،حضرو،اٹک،۲۰۱۸ء ص۳۲)

لیکن یہاں شیخ زبیر نے علی بن جعد کے بارے میں لکھا کہ وہ تشیع کے ساتھ مجروح ہے، کیا شیخ اپنے فتوے سے بدعتی ہوئے یا مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والے ؟، کیا یہ شیخ زبیر کا کھلا تضاد نہیں۔

خود شیخ زبیر علی زئی نے لکھا ہے: جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحتِ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔(زئی:نور العینین ص ۲۵، طبع سوم، ص ۶۳)

نیز شیخ زبیر لکھتے ہیں: روایتِ حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجئ، شیعہ، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے، اور جس راوی کی عدالت ثابت ہو جائے اس کی روایت مقبول ہے، اگرچہ اس کی بدعت کو اس سے بظاہر تقویت پہنچتی ہے۔(زئی، زبیر، حافظ: الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، س ن، شمارہ ۲ ص ۹)

شیخ زبیر کے اصولوں میں کھلا تضاد کیوں ہے؟ ان کا حافظہ کمزور ہے یا تعصب پسندی، جبکہ خود اصول لکھا کہ "روایتِ حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے ،اس کا بدعتی مثلا مرجئ، شیعہ، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے "تو پھر علی بن الجعد پر جرح کرنا اور اسے مجروح قرار دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

انصاف پسندی:

شیخ زبیر کی انصاف پسندی کی ایک اور مثال ملاحظہ کریں کہ اسی طرح شیخ نے ایک راوی جس کے بارے میں امام ابو داؤد سے منقول ہے کہ وہ کہتا تھا کہ "علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے قتل پر اعانت کی ہے" اُس راوی کے دفاع میں شیخ زبیر لکھتے ہیں: اس کا تعلق روایتِ حدیث کے ساتھ نہیں بلکہ اجتہادی امور کے ساتھ ہے۔

(زئی، زبیر، حافظ: القول المتین، نعمان پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے والے راوی کے بارے میں شیخ کا یہ کہنا کہ "اس کا تعلق روایتِ حدیث کے ساتھ نہیں بلکہ اجتہادی امور کے ساتھ ہے۔" لہٰذا شیخ کے نزدیک حدیث کی سند اور صحت میں کوئی فرق نہیں ہو گا کیونکہ یہ ان کا اجتہادی مسئلہ ہے۔ تو علی بن جعد کے بارے میں شیخ کا رویہ کیوں تبدیل ہوا، اور اس پر جرح کیوں کی؟ علی بن جعد کے بارے میں شیخ نے لکھا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتا تھا، اور دوسری طرف وہ راوی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام لگا رہا ہے۔ شیخ اس کو قبول کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصولِ حدیث میں شیخ کی تحقیق، تعصب میں ڈوبی ہوئی ہے۔ تعصب میں ڈوبی تحقیق، تحقیق نہیں تخریب ہوتی ہے۔ لھٰذا علی بن الجعد کے متعلق اس اعتراض کا باطل ہونا خود شیخ کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا۔

شیخ زبیر نے علی بن جعد کے بارے میں لکھا کہ اس کی روایات صحیح بخاری میں متابعات میں ہیں،یعنی امام بخاری نے جب بھی کوئی باب باندھا ہے تو اس کے شروع میں علی بن جعد کی روایات نہیں لائے بلکہ کچھ روایات ذکر کرنے کے بعد علی بن جعد کی روایات تائید کے طور پر لائے ہیں۔حالانکہ یہ بات سرے سے غلط اور جہالت پر مبنی ہے، علی بن جعد صحیح بخاری کے مرکزی راوی اور امام بخاری کے استاذ ہیں،امام بخاری نے اپنے استاذ علی بن جعد سے بخاری میں ۱۳روایات لی ہیں جن میں پانچ روایات کو امام بخاری باب باندھنے کے فوراً بعد لائے ہیں یعنی مرکزی حدیث کے طور پر لائے ہیں نہ کہ متابعت میں،ان روایات میں سے ایک روایت آپ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ بَابٌ: أَدَاءُ الخُمُسِ مِنَ الإِيمَانِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ،باب ادائے خمس کی پہلی روایت امام بخاری اپنے استاذ علی بن جعد سے روایت کر رہے ہیں۔(بخاری:۵۳)

تضاد:۵

شیخ زبیر نے تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں کہ ابو ھلال، محمد بن سلیم راوی ضعیف ہے۔

(زئی،زبیر،حافظ:تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،س ن،ص۱۰۰)

لیکن جب اسی ضعیف راوی سے اپنے مطلب کی روایت لی تو نصر الباری صفحہ ۲۲۱ پر لکھا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(زئی،زبیر،حافظ:نصر الباری،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۲۰۱۳ء،ص۲۲۱)

جس روایت میں ضعیف راوی ہو اس کو صحیح کون کہتا ہے؟کیا یہ کھلا تضاد نہیں!

تضاد:۶

شیخ زبیر اپنی کتاب نورالعینین صفحہ ۱۵۲اور۱۵۳پر لکھتے ہیں کہ روای محمد بن جابر الیمامی ضعیف تھا۔ائمہ مسلمین و مومنین کی ایک عظیم جماعت نے اسے ضعیف و متروک کہا ہے۔(زئی،زبیر،حافظ:نورالعینین، مکتبۃ الحدیث،حضرو،اٹک،۲۰۱۸،ص۱۵۲)

دوسری طرف اپنی کتاب جزءالقراءۃ صفحہ ۲۴۱پر لکھتے ہیں:محمد بن جابر الیمامی خود کہتا تھا کہ"سرق ابوحنیفۃ کتب حماد منی"ابو حنیفہ نے مجھ سے (شنیدہ) حماد کی کتابیں چرائی ہیں۔(الجرح والتعدیل:۸/ ۴۸۰وسندہ صحیح)معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ اس وجہ سے مدلس تھے۔(زئی،زبیر،حافظ:نصر الباری،ص۲۴۱)

شیخ زبیر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بغض میں اتنے اندھے ہوگئے کہ جس روای کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ "ائمہ مسلمین و مومنین کی ایک عظیم جماعت نے اسے ضعیف و متروک کہا ہے" اس کی سند کو صحیح کہہ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو مدلس ثابت کر رہے ہیں۔

تضاد:۷

شیخ زبیر اپنی کتاب "دین میں تقلید کا مسئلہ" کے صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں: امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ، حافظ ابن عبدالبر اور اسی طرح کے اقوال بعض دوسرے علماء کے بھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عامی (جاہل) عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرے گا، اور یہ "تقلید" ہے۔ (زئی، زبیر، حافظ: دین میں تقلید کا مسئلہ، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۲ء، ص ۴۴)

آگے چند صفحات لکھنے کے بعد شیخ زبیر لکھتے ہیں: کتاب و سنت پوچھنے اور کتاب و سنت پر عمل کرنے کو کسی مستند عالم نے تقلید نہیں قرار دیا۔ (زئی: ایضاً، ص ۹۸)

شیخ زبیر کے نزدیک کیا امام خطیب بغدادی اور امام ابن عبدالبر مستند عالم نہیں؟ جنہوں نے لکھا کہ مسئلہ پوچھنا بھی تقلید ہے۔

تضاد:۸

شیخ زبیر کا ماننا ہے کہ تہجد، تراویح، وتر، قیام اللیل، قیام رمضان ایک ہی نماز ہے، چناچہ اپنی کتاب تعداد رکعات قیام اللیل میں لکھتے ہیں: تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان اور وتر ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔

(زئی: تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۱۷)

شیخ زبیر اگلے ہی پیج پر اپنے اس اصول کی دھجیاں اڑاتے اور تضاد بیانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سائل کا سوال صرف قیام رمضان سے متعلق تھا جس کو تراویح کہتے ہیں، تہجد کی نماز کے بارے میں سائل نے سوال ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں سوال سے زائد نبی ﷺ کی قیام رمضان وغیر رمضان کی تشریح فرمادی۔ (زئی: ایضاً، ص ۱۸)

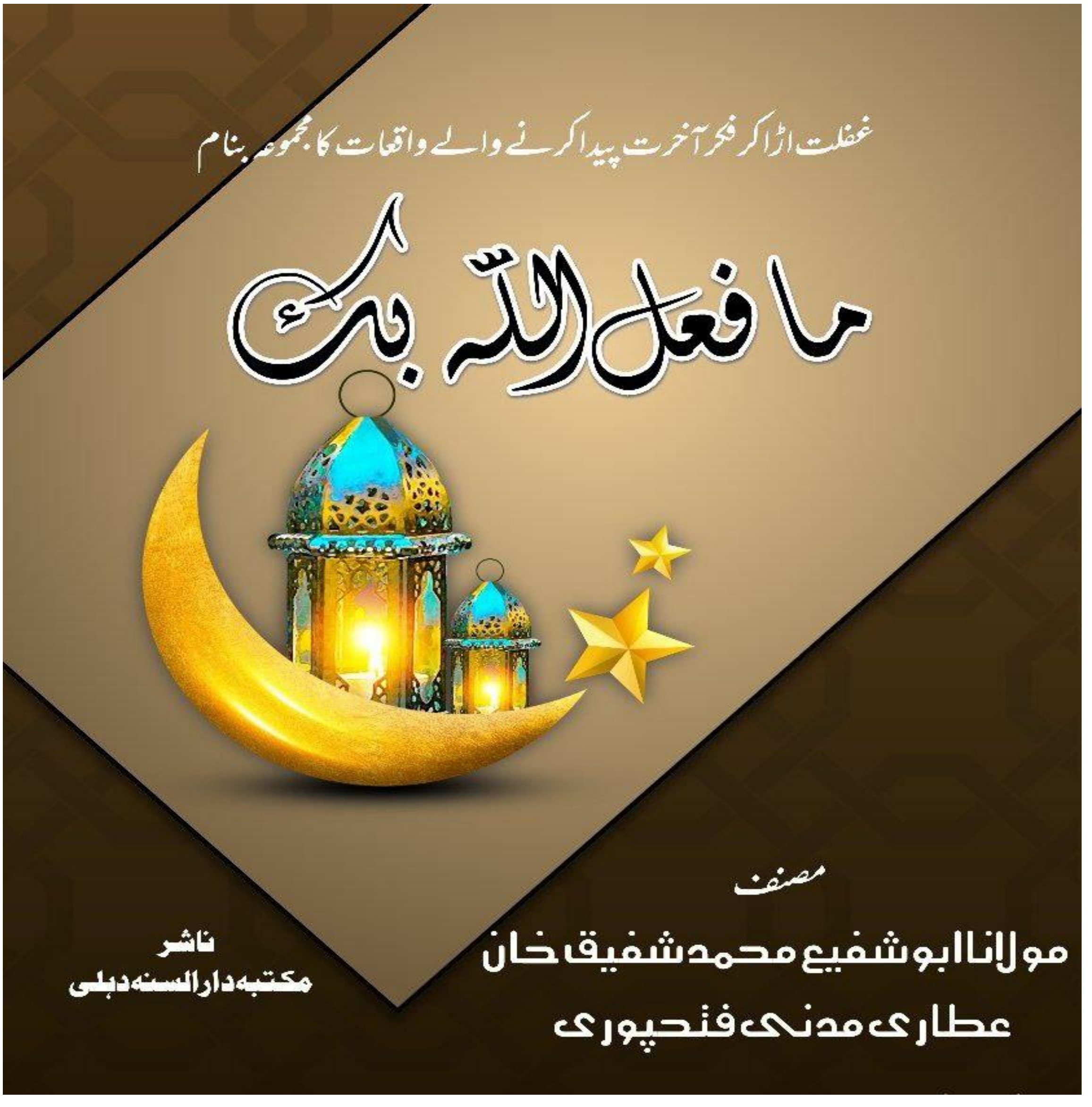
شیخ زبیر کہتے ہیں "سائل کا سوال صرف قیام رمضان سے متعلق تھا جس کو تراویح کہتے ہیں، تہجد کی نماز کے بارے میں سائل نے سوال ہی نہیں کیا تھا۔" ایک صفحہ پہلے شیخ کہہ چکے ہیں کہ "تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان اور وتر ایک ہی

نماز کے مختلف نام ہیں۔" اوراب یہاں کہہ رہے ہیں ہے "سائل کا سوال تراویح کے بارے میں تھا تہجد کے بارے میں تھا ہی نہیں "یعنی تراویح اور تہجد میں فرق ہے۔

خلاصہ تحقیق:

- اس فصل میں شیخ زبیر کی تضاد بیانیاں دکھائی گئی ہیں جس میں واضح ہوتا ہے کہ شیخ زبیر اپنے مسلک کی خاطر احادیث پر صحیح یا ضعیف کا حکم لگاتے ہیں، اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شیخ زبیر کس طرح علمائے مقلدین سے بغض رکھتے ہیں کہ ان کو جاہل کہتے ہیں اور پھر ان ہی کے اصولوں کی تعریف بھی کرتے نظر آتے ہیں اور ان کو عظیم الشان محدث بھی گر دانتے ہیں۔
- شیخ زبیر نماز تہجد اور تراویح کے متعلق متضاد نظر آتے ہیں، کبھی ایک نماز قرار دیتے ہیں اور کبھی ان کو الگ نماز بتاتے ہیں۔
- شیخ زبیر زبان سے نیت کرنے کو بدعت قرار دیتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے نماز سے پہلے نیت کرنے کی روایت کو صحیح کہتے ہیں، دوسرے لفظوں میں امام شافعی رحمہ اللہ کو بدعتی کہتے ہیں۔ جو کہ ایک بہت بڑی زیادتی ہے۔
- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق شیخ کافی متشدد نظر آتے ہیں یہاں تک کہ جس راوی کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ اس کو "مسلمین اور مومنین کی ایک عظیم جماعت نے ضعیف ومتروک کہا ہے" اس کمزور اور متروک راوی کے قول کو حجت بنا کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر تدلیس کا حکم لگاتے ہیں۔ جو کہ ایک غیر منصفانہ اور متعصبانہ طریقہ ہے۔
- تقلید کے معاملے پر بھی شیخ زبیر متضاد نظر آتے ہیں، امام خطیب بغدادی اور امام ابن عبد البر اور دیگر محدثین کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں کہ "دین کے متعلق سوال پوچھنا بھی تقلید ہے" لیکن اس پر بھی ان کی رائے میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کہ کسی مستند عالم نے "سوال پوچھنے کو تقلید نہیں کہا" اس طرح شیخ زبیر تضاد میں گھرے رہتے ہیں۔
- ابو ھلال محمد بن سلیم راوی کو شیخ زبیر ضعیف لکھتے ہیں اور اسی راوی کی روایت کو صحیح مان لیتے جب ان کی روایت شیخ کے مسلک کو تقویت دیتی ہو۔

- علی بن جعد جو کہ امام بخاری کے استاذ اور صحیح بخاری کے مرکزی راوی ہیں ان پر تشیع کا الزام لگا کر شیخ زبیر اس پر جرح کرتے ہیں اور دوسری طرف لکھتے ہیں کہ "بخاری کے راوی پر جرح کرنے والا بدعتی اور گمراہ ہے" یہ تضادات شیخ زبیر کے ورثے میں کیوں آئے اس بارے میں معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ مسلکی تعصب ایک وجہ ہے۔ جو کہ شیخ زبیر میں بہت پایا جاتا تھا۔



خلاصۃ البحث

اللہ کریم نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا،سب سے آخر میں پیارے آقا ﷺ کو مبعوث فرما کر خاتم النبیین کا لقب عطا فرمایا،پیارے نبی ﷺ کی سیرت کو کامیابی کی راہ بتایا۔امتیوں کو نبی ﷺ کی سنت پر چلنے کا حکم دیا۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے امتی آپ ﷺ کی سیرت و کردار کا مطالعہ کر کے عمل پیرا ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

مقالہ ہٰذا میں پیارے نبی ﷺ کی احادیث کو معمول بنانے پر بحث کی گئی ہے کہ کیسے صحابہ و تابعین عظام اور تبع تابعین وامت مسلمہ نے آپ ﷺ کے فرامین پر عمل کیا،چنانچہ پہلے باب میں حدیث کا معنی و مفہوم اور اس کی اہمیت بتائی گئی ہے اور نیز حدیث شریعت اسلامیہ میں حجت کا مقام رکھتی ہے۔

دوسرے باب میں شیخ زبیر کا تعارف، تعلیم، اساتذہ، تلامذہ اور اخلاق و کردار پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں قرونِ اولیٰ میں معمول بہا احادیث پر بحث کی گئی ہے کہ قرون اولیٰ میں تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر عمل تھا لیکن دور حاضر میں ان معمول بہا احادیث پر بے جا اعتراضات کیوں کیے جا رہے ہیں۔

چوتھے باب میں عقائد پر معمول بہا احادیث پر بحث کی گئی ہے کہ صحابہ و تابعین اللہ و رسول ﷺ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے اور ان عقائد پر اعتراضات کے جوابات ہیں۔ نیز محدثین کی فضیلت پر احادیث اور فضائل اعمال میں احادیث قابل عمل ہیں۔

پانچویں باب میں نماز،روزہ اور نفلی عبادات کے متعلق معمول بہا احادیث پر بحث کی گئی ہے اور جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے جوابات اور شیخ زبیر کی تضاد بیانیوں کا ذکر ہے۔

نتائج:

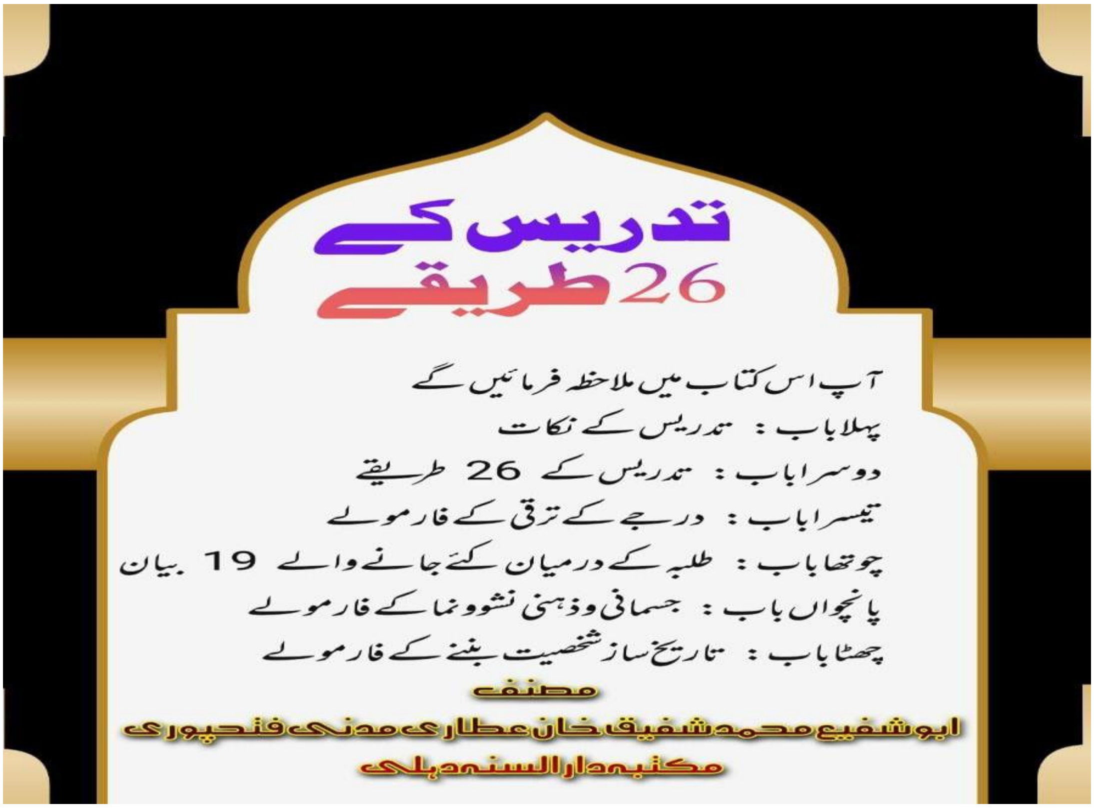
- اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اس نظریاتی و عملی دین کا مکمل نمونہ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔
- رسول اللہ ﷺ کا آخری حکم بلاشبہ کتابت حدیث کے جواز سے متعلق تھا۔ کیونکہ خود آپ ﷺ احادیث لکھواتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔
- اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین وسید الرسل کا شرف بخشا، آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین بناکر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو تکمیل دین کا اعزاز بھی عطا فرمایا۔ دین اسلام کے دو بنیادی وصف ایسے ہیں جن میں دوسرا کوئی دین و مذہب کسی طرح اس دین کا شریک و سہیم نہیں۔ ایک تکمیل دین، دوسرے حفاظت و تدوین کا پہلو۔
- نبی ﷺ کے فرامین کو معمول بنانا یہ محدثین کا عمل رہا ہے، اس میں سب سے پہلے وہ صحیح یا حسن روایت کی طرف رجوع کرتے اور صحیح یا حسن روایت ملنے کی صورت میں وہ اس پر عمل پیرا رہتے اور اگر صحیح یا حسن روایت نہ پاتے تو وہ نبی ﷺ کے فرمان سے منہ نہ موڑتے اور اپنے قیاس پر ضعیف روایت کو ترجیح دیتے۔
- نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، البتہ دعا کے طور پر اس کو پڑھا جاسکتا ہے، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اکثریت کا معمول یہ رہا ہے کہ آپ ﷺ سے جو دعائیں انہوں نے نماز جنازہ میں سنی ہیں ان کو پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ نماز جنازہ میں کسی ایک دعا کا پڑھنا بھی لازمی نہیں، بلکہ اللہ کی حمد، نبی ﷺ پر درود اور میت کی بخشش کے لئے جو مناسب لگے دعا مانگنا اور نماز جنازہ کے آخر میں دونوں طرف سلام پھیرنا۔
- محدثین کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر سیرت نبوی کے تمام گوشوں کو محفوظ کر دیا۔ نیز نبی ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ عظام کی پاکیزہ زندگیوں کے احوال بھی کتب حدیث و سیر میں مدون و مرتب ہیں۔ اس طرح عہد نبوی اور عہد صحابہ کی سیاسی، معاشرتی و معاشی سرگرمیوں سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کا اصل ماخذ کتب حدیث ہیں۔

- جلیل القدر تابعین عظام رحمہم اللہ کا یہ معمول رہا ہے کہ جب وہ رمضان میں تراویح پڑھاتے تو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے جس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان تابعین نے اپنے اساتذہ یعنی خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے امامت کے فرائض سرانجام دیے۔
- اللہ کریم کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو، اللہ کریم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیے کہ جب قرآنِ پاک کی تلاوت کی جائے تو اسے غور سے سنیں اور خاموش رہیں تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔ بالخصوص نماز میں قرآن کو غور سے سننا چاہیے تاکہ امام کی مکمل طور پر پیروی کے حکم پر عمل ہو سکے۔
- طائفہ منصورہ مسلمانوں کے وہ تمام گروہ ہیں، جن میں بہادر مجاہد ہیں، فقہاء ہیں، محدثین ہیں، زہاد ہیں، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں، اس طرح نیکی اور خیر کے اور متعدد شعبوں کے لوگ ہیں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام اقسام کسی ایک جگہ جمع ہوں بلکہ یہ تمام اقسام روئے زمین کے مختلف حصوں میں رہیں گی، کہیں محدث ہوں گے، کہیں فقیہ ہوں گے، کہیں قرآن کے قاری ہوں گے، کہیں واعظ ہوں گے اور کہیں اولیاء اللہ ہوں گے۔
- جمہور محدثین اور فقہاء حدیثِ ضعیف کو فضائل اعمال میں لینے کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بعض اوقات حدیثِ ضعیف کو احکام میں لینے کے بھی قائل ہیں، جبکہ کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ملے، اور قیاس پر ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔
- صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معمول رہا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اور محدثین نے بیس تراویح پر اجماع نقل کیا ہے بلکہ شیخ زبیر کے ہم مسلک نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی اس اجماع کو صحیح مانتے ہیں۔
- شیخ کی تحقیق میں تضادات کی بھرمار ہے۔
- شیخ اپنے اصولوں کی پاسداری میں کمزور نظر آتے ہیں۔
- شیخ مخالفین کو نیچا دکھانے کیلئے اپنے اصولوں کا گلہ گھونٹ دیتے ہیں۔
- شیخ مخالفین کو غلط القابات اور غلط ناموں سے لکھتے ہیں۔
- شیخ اپنے موٴقف پر ہٹ دھرمی سے پیش آتے ہیں اگرچہ غلط ہی کیوں نہ ہوں۔
- شیخ مخالفیں کے دلائل کو بے تکے انداز میں نظر انداز کرتے ہیں۔
- شیخ کا اندازِ تحریر سوقیانہ اور لہجہ بداخلاقی پر مبنی ہے۔

- شیخ اپنے مسلک کے دفاع میں کسی حد پر جانے کو تیار ہیں۔
- مسلک کے تعصب میں شیخ دلائل کو مسخ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔

گزارشات وسفارشات

- محقق کو منصف مزاج ہونا چاہیے۔
- محقق کا اندازِ تحریر شائستہ ہو۔
- تحقیق میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے۔
- محقق کو چاہیے کہ تمام فقہی مسالک کا احترم کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر پیش کرے۔
- محقق دوسروں کی آراء کو عزت دے اور آخر میں اپنا نقطۂ نظر احسن طریقے سے پیش کرے۔ جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ نے تبیان القرآن، شرح صحیح مسلم اور نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری میں اپنایا ہے کہ پہلے تمام فقی مسالک کے دلائل دینے کے بعد آخر میں اپنا نقطۂ نظر احسن طریقے سے پیش کرتے ہیں۔



مصادرومراجع

القرآن

۱۔ آجری، محمد بن حسین: کتاب الشریعہ، مطبوعہ انصار السنہ، لاہور، س ن

۲۔ احمد بن حنبل، امام: مسند احمد، موسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۱ء

۳۔ احمد شاکر: الباعث الحدیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ن

۴۔ امرتسری، ثناء اللہ: رسالہ ثنائیہ، مکتبہ ربانیہ، ۲۰۱۱ء

۵۔ امرتسری، ثناء اللہ: فتاویٰ ثنائیہ، مکتبہ ثنائیہ النور اکیڈمی چوک بلاک ۱۹، سرگودھا، س ن

۶۔ اسماعیل حقی: تفسیر روح البیان: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۹۸۹ء

۷۔ انصاری، زکریا بن محمد، شیخ الاسلام: فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۲ء

۸۔ البانی، محمد ناصر الدین: سلسلہ احادیث صحیحہ، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۲ء

۹۔ البانی، محمد ناصر الدین: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ۱۱/ ۲۴۹، دارالمعارف، ریاض ۱۹۹۲ء

۱۰۔ البانی، ناصر الدین: صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۱ھ

۱۱۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، ابو عبداللہ: الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء

۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ: جزء القراءۃ، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۳ء

۱۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: تاریخ کبیر، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد۔الدکن، س ن

۱۴۔ بریلوی، احمد رضا، مولانا: فاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

۱۵۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود: شرح السنہ، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۷ء

۱۶۔ ابن بطال، ابو الحسن علي بن خلف بن عبد الملک: شرح صحیح البخاری لابن بطال، مکتبۃ الرشد۔السعودیۃ، الریاض، ۱۴۲۳ھ

۱۷۔ ابن بطوطہ، محمد بن عبداللہ: رحلہ، مطبوعہ، داراحیاء العلوم، بیروت، س ن

۱۸۔ بھوپالی، صدیق حسن خان: مسک الختام شرح بلوغ المرام، المکتبۃ الاثریہ، جامع اہلحدیث باغ والی مسجد، سانگلہ ھل، س ن

۱۹۔ بھوپالی، صدیق حسن خان، نواب: عون الباری ج ۲ ص ۸۶۱، دارالرشید، حلب، سوریا، س ن

۲۰۔ بیھقی، احمد بن حسین: مناقب الشافعی، دارالتراث، قاہرہ، س ن

۲۱۔ بیہقی، احمد بن حسین: السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳ء

۲۲۔ بیھقی، ابو بکر، احمد بن حسین: شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۷ء

۲۳۔ بیہقی: الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد علی مذھب السلف واصحابہ الحدیث، طبع دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۴۰۱ء

۲۴۔ بیھقی، احمد بن حسین: کتاب الاسماء والصفات، مکتبۃ الصوادی، جدہ، ۱۹۹۳ء

۲۵۔ ابن ترکمانی، علی بن عثمان، ماردینی: الجوہر النقی، دارہ تالیف اشرفیہ، ملتان، س ن

۲۶۔ تفتازانی، مسعود بن عمر، امام: شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الرضی، قم، ایران، ۱۴۰۹ھ

۲۷۔ ابن ترکمانی، علی بن عثمان، علاء الدین، الماردینی: المنتخب فی علوم الحدیث، دار البشائر الاسلامیہ، ۲۰۰۸ء

۲۸۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع الترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء

۲۹۔ تھانوی، اشرف علی: نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۹ء

۳۰۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحکیم، ابو العباس: مجموع الفتاویٰ، مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ، ۱۹۹۵ء

۳۱۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، حرانی: قاعدہ جلیۃ فی التوسل والوسیلہ، ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، ۱۹۷۷ء

۳۲۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، حرانی: اقتضاء الصراط المستقیم، انواع الاعیاد الزمانیہ، دار الحدیث بازھر، س ن

۳۳۔ جرجانی، عبد اللہ بن عدی، ابو احمد: الجرح والتعدیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء

۳۴۔ جزیری، عبد الرحمٰن: کتاب الفقہ علی مذاہب اربعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء

۳۵۔ جرجانی، عبد اللہ بن عدی، ابو احمد: الکامل فی الضعفاء الرجال، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۷ء

۳۶۔ جیلانی، عبد القادر، شیخ: غنیۃ الطالبین، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۳۷۔ ابن جریر طبری، محمد بن جریر: جامع البیان المعروف بہ تفسیر ابن جریر،، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۳۸۔ ابن جماعہ، کنانی، محمد بن ابراہیم، ابو عبد اللہ: التنزیہ فی ابطال حجج التشبیہ، دار البصائر، قاہرہ، مصر، ۱۴۳۱ھ

۳۹۔ ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد: الجرح والتعدیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲ء

۴۰۔ ابن ابی حاتم رازی، عبد الرحمٰن: الثقات، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۷۱ھ

۴۱۔ حاکم، محمد بن عبد اللہ، نیشاپوری: المدخل، الی کتاب الاکلیل، دار الدعوۃ الاسکندریہ، س ن

۴۲۔ حاکم، محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ: المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء

۴۳۔حاکم، محمد بن عبد اللہ، نیشاپوری: المدخل الی کتاب الاکلیل، دار الدعوۃ الاسکندریہ، س ن

۴۴۔ابن حزم، علی بن حزم، ابو محمد: الاحکام فی اصول الاحکام، ضیاء السنہ ادارۃ الترجمہ، والتالیفات، فیصل آباد، ۱۴۰۴ھ

۴۵۔ابن حزم، علی بن احمد: المحلی، دار الفکر، بیروت، س ن

۴۶۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابو الفضل: فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ

۴۷۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الحافظ: نزھۃ النظر، مطبوعہ مطبعۃ السفیر الریاض، ۱۴۲۲ھ

۴۸۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: النکت علی کتاب ابن الصلاح، عمادۃ البحث العلمی، مدینہ، ۱۹۸۴ء

۴۹۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، اَبو الفضل: تھذیب التھذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الھند، ۱۳۲۶ھ

۵۰۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: الآمالی المطلقہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۵ء

۵۱۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: شرح نخبۃ الفکر، عمادۃ البحث العلمی، مدینہ، ۱۹۸۴ء

۵۲۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی: الدر الکامنہ، ۱/ ۱۵۲، مطبوعہ دار الجیل، بیروت، س ن

۵۳۔حلبی، علی بن ابراہیم: السیرۃ الحلبیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ

۵۴۔ابن حبان، محمد بن حبان، حاتم: صحیح ابن حبان، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۸ء

۵۵۔الحموی، احمد بن محمد بن علی، الفیومی، المصباح المنیر، مکتبہ لبنان، ۱۹۸۷ء

۵۶۔ابن حزم، علی بن احمد، ظاہری: الاحکام فی اصول الاحکام، دار آفاق الجدیدۃ، بیروت، س ن

۵۷۔ابن حزم، علی بن احمد، ظاہری: المحلیٰ بالآثار، دار الفکر، بیروت، س ن

۵۸۔الخطابی، ابو سلیمان احمد بن محمد البُستی: معالم السنن، دار معرفۃ، بیروت ۱۴۰۰ھ

۵۹۔ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق: صحیح ابن خزیمہ، المکتب الاسلامی، بیروت، س ن

۶۰۔خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابو بکر: الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ الالعلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۴۰ء

۶۱۔خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابو بکر: الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۴۰ء

۶۲۔خطیب تبریزی، محمد بن عبد اللہ، ولی الدین: مشکوٰۃ المصابیح، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء

۶۳۔ابو داوٗد، سلیمان بن اشعث، سجستانی: سنن ابی داوٗد، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۹ء

۶۴۔دمشقی، ناصر الدین، حافظ: الترجیح الحدیث صلاۃ التسبیح، دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۹۸۸ء

۶۵۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن، ابو محمد: سنن دارمی، دار المغني للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۱۲ھ

۶۶۔ ذھبی، محمد بن احمد، امام: میزان الاعتدال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء

۶۷۔ ذھبی، محمد بن احمد، شمس الدین: سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۵ء

۶۸۔ ذھبی، محمد بن احمد: تذکرۃ الحفاظ،، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، س ن

۶۹۔ ذھبی، محمد بن احمد، امام، شمس الدین: تذکرۃ الحفاظ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء

۷۰۔ ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید: بدایۃ المجتھد، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ

۷۱۔ ابن رجب، عبدالرحمٰن بن احمد: لطائف المعارف، دارابن حزم للطبعۃ والنشر، ۲۰۰۴ء

۷۲۔ الرملی، محمد بن ابی العباس، شہاب الدین: نہایۃ المحتاج الی شرح المہاج،، دارالفکر بیروت، ۱۹۸۴ء

۷۳۔ روپڑی، عبداللہ، حافظ: فتاویٰ اہلحدیث، ادارہ السنۃ النبویہ ڈی چوک، سرگودھا، س ن

۷۴۔ رازی، محمد بن ابی بکر، زین الدین: مختار الصحاح، مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۷۵۔ رازی، محمد بن عمر، فخر الدین: اساس التقدیس فی علم الکلام، موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۷۶۔ ابن رجب، عبدالرحمٰن بن احمد، شرح علل الترمذی، مکتبہ المنار، اردن، ۱۹۸۷ء

۷۷۔ زاہد الکوثری، محمد زاھد بن الحسین بن علی: محقق التقول فی مسئلۃ التوسل، اکبر بک سیلرز، لاہور، ۲۰۱۹ء

۷۸۔ زئی، زبیر، حافظ: فتاویٰ علمیہ، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۰ء

۷۹۔ زئی، زبیر، حافظ: مقالات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء

۸۰۔ زئی، زبیر، حافظ: توضیح الاحکام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء

۸۱۔ زئی: زبیر، حافظ: عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان کارد، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

۸۲۔ زئی، زبیر، حافظ: اہل حدیث ایک صفاتی نام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء

۸۳۔ زئی، زبیر، حافظ: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء

۸۴۔ زئی، زبیر، حافظ: نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری، مکتبہ اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۳ء

۸۵۔ زئی، زبیر، حافظ: تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء

۸۶۔ زئی، زبیر، حافظ: نور العینین، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء

۸۷۔ زئی، زبیر، حافظ: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، مکتبہ اسلامیہ، لاھور، ۲۰۱۳ء

۸۸۔ زئی، زبیر، حافظ: کتاب الاربعین شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۸ء

۸۹۔ زئی، زبیر، حافظ: الکواکب الدریہ، نعمان پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء

۹۰۔ زئی، زبیر، حافظ: جزء علی بن محمد الحمیری، مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۳۶ھ

۹۱۔ زئی، زبیر، حافظ: تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، س ن

۹۲۔ زئی، زبیر، حافظ: نصر الباری، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء

۹۳۔ زئی، زبیر، حافظ: دین میں تقلید کا مسئلہ، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۲ء

۹۴۔ زئی، زبیر، حافظ: ہدیۃ المسلمین، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۷ء

۹۵۔ زئی، زبیر، حافظ: ماہنامہ الحدیث، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۸ء

۹۶۔ زئی، زبیر، حافظ: فاتحہ خلف الامام، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۰۴ء

۹۷۔ زئی، زبیر، حافظ: تعداد رکعات قیام رمضان، مکتبۃ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۱۳ء

۹۸۔ سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، حافظ: فتح المغیث، مکتبۃ السنہ، ۲۰۰۳ء

۹۹۔ سفارینی، محمد بن احمد، حنبلی: لوامع الانوار البہیہ، مؤسسۃ الخافقین ومکتبتہا، دمشق، ۱۴۰۱ء

۱۰۰۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم: تاریخ اہل حدیث، مکتبۃ الرحمٰن السلفیہ، سرگودھا، س ن

۱۰۱۔ سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، شمس الدین: فتح المغیث، مکتبۃ السنہ، مصر، ۲۰۰۳ء

۱۰۲۔ سبکی، علی بن عبد الکافی، ابو الحسن: شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، دائرہ معارف نظامیہ، حیدر آباد، بھارت، ۱۳۱۵ھ

۱۰۳۔ سہارن پوری، خلیل احمد: المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۰۴۔ سنابلی، کفایت اللہ forum.mohaddis.com

۱۰۵۔ السیوطی، جلال الدین، الحافظ: تدریب الراوی، مکتبۃ الکوثر، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۱۴ھ

۱۰۶۔ سیوطی، جلال الدین، حافظ: تدریب الراوی، دار طیبہ، س ن

۱۰۷۔ سیوطی، جلال الدین، حافظ: تدریب الراوی، دار طیبہ، س ن

۱۰۸۔ شربینی، محمد بن احمد، خطیب: مغنی المحتاج، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۴ء

۱۰۹۔ ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن شیبہ، عبد اللہ بن محمد، امام: کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۸۹٦ء

۱۱۰۔ ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن شیبہ عبد اللہ بن محمد، امام: الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ

۱۱۱۔ ابو شھبہ، محمد بن محمد، الدکتور: الوسیط فی علوم و مصطلح الحدیث، مکتبہ عالم المعرفہ ۱۹۸۳ء

۱۱۲۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام: الرسالہ، دار التراث، قاہرہ، ۱۹۸۵ء

۱۱۳۔ شبلی نعمانی: سیرت النبی ﷺ، حذیفہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۰ء

۱۱۴۔ شیبانی، محمد بن حسن، امام: موطا مالک بروایۃ محمد بن الحسن شیبانی، المکتبۃ العلمیہ، بیروت، س ن

۱۱۵۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد: الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید، دار ابن خزیمہ للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۴۱۴ھ

۱۱٦۔ شوکانی، محمد بن علی، قاضی: الفوائد المجموحہ فی الاحادیث الموضوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

۱۱۷۔ شوکانی، محمد بن علی، قاضی: الفوائد المجموحہ فی الاحادیث الموضوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

۱۱۹۔ ابن صلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن: علوم الحدیث، فاروقی کتب خانہ، ملتان، س ن

۱۲۰۔ ابن صلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن، ابو عمر، تقی الدین: معرفۃ انواع علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰ء

۱۲۱۔ صلاح الدین یوسف، مولانا: تفسیری حواشی قرآن مجید، مطبوعہ شاہ فہد قرآن مجید پرنٹنگ پریس سعودی عرب، س ن

۱۲۲۔ طحاوی، احمد بن محمد، ابو جعفر: شرح معانی الآثار، عالم الکتب، بیروت، س ن

۱۲۳۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، امام: المعجم الصغیر، المکتب الاسلامی دار عمار، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۱۲۴۔ الطبری، محمد بن جریر: جامع البیان المعروف تفسیر طبری، المکتبۃ التجاریہ، قاہرہ، س ن

۱۲۵۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم: المعجم الاوسط، مطبوعہ دار الحرمین القاہرہ، ۱۴۱۵ھ

۱۲٦۔ طحان، محمود، الدکتور: تیسیر مصطلح الحدیث، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ۲۰۱۰ء

۱۲۷۔ ظہیر، احسان الٰہی: ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور، ۵ مارچ ۱۹۵۴ء

۱۲۸۔ ابن العماد، عبد الرحمٰن بن احمد: شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، دار ابن کثیر، بیروت، ۲۰۱٦ء

۱۲۹۔ ابن عساکر، ابو القاسم، علی بن حسن: تاریخ دمشق، دار الفکر للطباعہ والنشر للتوزیع، ۱۹۹۵ء

۱۳۰۔ ابن العربی، محمد بن عبد اللہ: عارضۃ الاحوذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

۱۳۱۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، ابو عمر: الکافی، مکتبۃ الریاض، ۱۹۹۸ء

۱۳۲۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، ابو عمر: الاستذکار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۱۳۳۔ عثمانی، شبیر احمد عثمانی: تفسیر عثمانی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن

۱۳۴۔ علی محمد سعید: فتاویٰ علمائے حدیث، مکتبہ سعیدیہ، خانیوال، ۱۹۷۷ء

۱۳۵۔ عینی، محمود بن احمد، بدر الدین: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ

۱۳۶۔ عتر، نور الدین، الدکتور: منہج النقد، دار الفکر دمشق، ۱۹۷۹ء

۱۳۷۔ عظیم آبادی، شمس الحق، ڈیانوی: عون المعبود شرح ابی داود، ۳ نشر السنہ، ملتان، س ن

۱۳۸۔ عبد الستار، شیخ: الحفاظ والمحدثین عبر ربعۃ عشر قرنا، دار القلم دمشق، الدار الشامیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء

۱۳۹۔ غمازی، احمد بن محمد بن صدیق: المثنونی والبتار، مطبعۃ الاسلامیہ، ازھر، مصر ۱۳۵۲ھ

۱۴۰۔ ابن فورک، محمد بن حسن بن فورک، انصاری: مشکل الحدیث وبیانہ، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۵ء

۱۴۱۔ فرہاروی، عبد العزیز: کوثر النبی،، مکتبہ امدادیہ ملتان س ن

۱۴۲۔ فاکہی، أبو عبد اللہ محمد بن إسحاق بن العباس المکي: أخبار مکۃ في قدیم الدھر وحدیثہ، دار خضر- بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۴۳۔ فلاح، محمد عبدہ: تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف، ناشرانِ قرآن مجید و تاجران کتب، لاہور، س ن

۱۴۴۔ ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، حنبلی: المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ۱۹۶۸ء

۱۴۵۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموتعین عن رب العٰلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء

۱۴۶۔ ابن قتیبہ، عبد اللہ بن مسلم: تاویل مختلف الحدیث، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء

۱۴۷۔ ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، حنبلی: المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ۱۹۶۸ء

۱۴۸۔ قاضی عیاض، اکمال المعلم بفوائد مسلم، دار الوفاء، مصر، ۱۹۹۸ء

۱۴۹۔ القشیری، مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، دار السلام للنشر والتوزی، الریاض، ۱۹۹۸ء

۱۵۰۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، جوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العٰلمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء

۱۵۱۔ ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، حنبلی: المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ۱۹۶۸ء

۱۵۲۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء: تفسیر ابن کثیر، دار السلام، ریاض، س ن

۱۵۳۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء: البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸ء

۱۵۴۔ ابن کثیر، اسمٰعیل بن عمر، ابو الفداء، عماد الدین: الباعث الحثیث الٰی اختصار علوم الحدیث، دار فواز، ۱۹۲۲ء

۱۵۵۔ گکڑھوی، سرفراز، احسن الکلام، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ، ۱۹۹۸ء

۱۵۶۔ لکھنوی، عبد الحیی: ظفر الامانی، مکتب المطبوعات، حلب س ن

۱۵۷۔ ابن مندہ، محمد بن اسحاق، عبدی: فضل الاخبار و شرح مذاہب اھل الآثار حقیقۃ السنن، دار المسلم، ریاض، ۱۴۱۴ھ

۱۵۸۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی: لسان العرب، دار صادر، س ن

۱۵۹۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ: سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۶۰۔ ابن حجر مکی: فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ، مصر، س

۱۶۱۔ ملا خاطر، خلیل بن ابراھیم، غرامی: خطورۃ المساواۃ الحدیث الضعیف بالموضوع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ء

۱۶۲۔ مبارک پوری، عبد الرحمٰن: تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

۱۶۳۔ مزی، یوسف بن عبد الرحمٰن بن یوسف؛ تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۶۴۔ مالک، انس بن مالک: موطا، موسسۃ زاید بن سلطان، الامارات، ۲۰۰۴ء

۱۶۵۔ مروزی، اسحاق بن منصور: مسائل احمد، عمادۃ البحث العلمی، مکہ، ۲۰۰۲ء

۱۶۶۔ محدث دھلوی، عبد الحق: اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، پاکستان، ۱۹۷۶ء

۱۶۷۔ ملا قاری، علی بن سلطان، : مرقاۃ شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۲ء

۱۶۸۔ محمد علی، مولانا: علوم الحدیث اور امام اعظم، دار العلوم الشھابیہ، سیالکوٹ، س ن

۱۶۹۔ نسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمٰن: سنن النسائی، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۹ء

۱۷۰۔ نیموی، محمد بن علی: آثار السنن مع التعلیق الحسن و تعلیق التعلیق، مکتبۃ العلم، کراچی، س ن

۱۷۱۔ نجدی، محمد بن عبد الوہاب، شیخ: الرسالۃ الاُولی، القسم الخامس، ۱۲

۱۷۲۔ نانوتوی، محمد قاسم: قصائد قاسمیہ، مکتبہ قاسمیہ جامع مسجد نور الحنفیہ مسلم پارک راجگڑھ، لاہور، س ن

۱۷۳۔ ندیم ظہیر: اشاعۃ الحدیث، مکتبہ الحدیث، حضرو، اٹک، ۲۰۱۸ء

۱۷۴۔ بو نعیم اصبھانی، احمد بن عبد اللہ: حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، السعادۃ، بجوار محافظۃ، مصر، ۱۹۷۴ء

۱۷۵۔ نووی، یحیٰ بن شرف، ابوز کریا: الاربعین النوریہ مع الشرح لابن دقیق العید، مؤسسۃ الریان، ۲۰۰۳ء

۱۷۶۔ نووی، یحیٰ بن شرف، ابوز کریا، محی الدین: المنہاج شرح صحیح مسلم، مطبوعہ المطبعۃ المصریہ، ۱۹۲۹ء

۱۷۷۔ نووی، یحیٰ بن شرف، محی الدین: تقریب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۱ء

۱۷۸۔ نووی، یحیٰ بن شرف، ابوز کریا: الاذکار، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء

۱۷۹۔ نووی، یحیٰ بن شرف، ابوز کریا: الاربعین مع الشرح لابن دقیق العید، مؤسسۃ الریان، ۲۰۰۳ء

۱۸۰۔ نووی، یحیٰ بن شرف، ابوز کریا: المجموع شرح المہذب، دارالفکر، بیروت، س ن

۱۸۱۔ وحید الزمان: حاشیہ ھدیۃ المھدی چشتی کتاب خانہ، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء

۱۸۲۔ وحید الزمان: ھدیۃ المھدی من فقہ المحمدی، چشتی کتاب خانہ، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء

۱۸۳۔ ھیثمی، علی بن ابی بکر، نورالدین، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۹۳۴ء

۱۸۴۔ ہمام بن منبہ: الصحیفۃ الصحیحہ بتحقیق ڈاکٹر حمید اللہ، ناشر رشید اللہ یعقوب، کراچی، طبع جدید ۱۹۹۸ء

۱۸۵۔ ابن ھمام، محمد بن عبدالواحد، کمال الدین: فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن

۱۸۶۔ ابن حجر الہیتمی، احمد بن محمد: الفتح المبین شرح الاربعین، دارالمنہاج، جدہ، ۲۰۰۸ء

مکتبہ دار السنہ کی کتب کا تعارف

(1)۔۔۔خطباتِ مصطفائی و خطباتِ شفیقی حصہ اوّل

اصلاحی و تبلیغی خطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ جس میں ٦ بیان پیر رضا ثاقب مصطفائی اور ٦ بیان مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری کے شامل ہیں۔

آپ اس کتاب میں ان عنوان پر خطاب ملاحظہ فرمائیں گے:

	خطباتِ مصطفائی		خطباتِ شفیقی
1	عظمتِ رسالت مآب ﷺ	1	محمد ﷺ اللہ کے مظہر ہیں
2	ذکر کی فضیلت اور اس کے اثرات	2	جمیع عالم برائے مصطفی ﷺ
3	ولی کی پہچان	3	امت کا معنی اور اس کا مفہوم
4	سنّت اور بدعت	4	امت محمدیہ کی عمر کم کیوں رکھی گئی
5	نورِ حسّی اور نورِ معنوی	5	اعلی حضرت کا عشق رسول ﷺ
6	تفسیر سورۂ تکاثر	6	تفسیر سورۂ کوثر: محبوب ہم نے تم کو سب کچھ دیا

خطیبِ اوّل: **مبلغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی**

خطیبِ ثانی و مرتب: **مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری**

(2)۔۔۔خطباتِ مصطفائی و خطباتِ شفیقی حصہ دوم

اصلاحی و تبلیغی خطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ جس میں ٦ بیان پیر رضا ثاقب مصطفائی اور ٦ بیان مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری کے شامل ہیں۔

آپ اس کتاب میں ان عنوان پر خطابات ملاحظہ فرمائیں گے:

	خطباتِ مصطفائی		خطباتِ شفیقی
7	حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے	7	شانِ مصطفی ﷺ
8	منی سے کربلا تک	8	مصطفی ﷺ دنیا کی جان ہیں
9	آؤ در تواب پے روتے ہوئے آؤ	9	اللہ عزوجل سے محبت کیجئے
10	اہلِ تقوی اور جنت	10	ماں باپ کے حقوق
11	فلسفۂ رمضان	11	اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کا چرچا رہے گا
12	تفسیر سورۂ بلد	12	تفسیر سورۂ عصر، قیامت کا بیان

خطیبِ اوّل: **مبلغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی**

خطیبِ ثانی و مرتب: **مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری**

(3)۔۔۔خطباتِ مصطفائی و خطباتِ شفیقی حصہ سوم

اصلاحی و تبلیغی خطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ جس میں ۶ بیان پیر رضا ثاقب مصطفائی اور ۶ بیان مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری کے شامل ہیں۔

آپ اس کتاب میں ان عنوان پر خطابات ملاحظہ فرمائیں گے:

	خطباتِ مصطفائی		خطباتِ شفیقی
13	اثباتِ وجودِ باری تعالی	13	حدیث کی اہمیت
14	نفس اور شیطان	14	نسبت کا بیان
15	اسلام میں احترام آدمیت	15	سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آ گئے
16	ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے	16	اللہ عزوجل کے نام پر مانگنا
17	مقصدِ حج	17	آؤ توبہ کریں
18	تفسیر سورۂ مائدہ	18	تفسیر سورۂ ملک، موت و حیات

خطیبِ اوّل: **مبلغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی**

خطیبِ ثانی و مرتب: **مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری**

(4)۔۔۔القول الاظہر شرح الفقہ الاکبر

عقائد کے متعلق ۱۳۰۰ سال پرانی امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اہم کتاب ''الفقہ الاکبر'' کا آسان اردو شرح ہے مزید باطل فرقوں کے مختصر تعارف و عقائد کا بھی بیان شامل ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... عقائد کے کتنے اور کون کون سے امام ہیں؟

☆... اللہ پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

☆... واحد اور احد میں کیا فرق ہے؟

☆... کیا اللہ عدد کے اعتبار سے ایک ہے؟

☆... کیا اللہ اپنی مخلوق کے مشابہ ہے؟

☆... اللہ کی صفات ذاتی اور فعلی کیا ہیں؟

☆... حادث اور قدیم کا کیا معنی ہے؟

☆... قرآن کے مخلوق ہونے، نہ ہونے کی بحث

☆... اللہ کی صفات قدیم کیسے ہیں؟

☆... اہل سنت کی نشانی در زمانۂ امام اعظم

☆... کیا زمین گھومتی ہے؟

☆... اللہ کا کسی کو گمراہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

☆...بندوں کے افعال کا خالق کون ہے؟ ☆... کیا گناہ بھی اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں؟

☆...مرتکب کبیرہ کے بارے میں معرکۃ الآرا بحث ☆کیا تمام قرآنی فضیلت میں برابر ہیں؟...

☆...۷۳ فرقوں کے بارے میں مختصر معلومات اور ان کے عقائد۔

☆...اگلے مہینے کا چاند کب نظر آئے گا معلوم کرنے کا فارمولا

مصنف: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

شارح: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(5)---صرف کے دلچسپ سوالات

علمِ صرف کی بہترین کتاب جس میں صرف کے قاعدوں کی علتیں اور افعال کے مختلف صیغوں کی وجہ وحکمت بیان کی گئی ہیں، مزید مراح الارواح کا متن مع اعراب وترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...وزن کے لئے "ف،ع،ل" کو کیوں خاص کیا گیا؟ ☆... فعل ماضی کے ۱۴ صیغے ہی کیوں آتے ہیں؟

☆... فعل ماضی مبنی ہے حالانکہ اس کے آخر میں حرکت ہے؟ ☆... فعل مضارع معرب کیوں ہوتا ہے؟

☆... فعل مضارع بنانے کے لئے حروف اتین کا اضافہ کیوں کرتے ہیں؟☆... فعل امر کو مضارع سے ہی کیوں بناتے ہیں؟

☆... ثلاثی مجرد کے اسم فاعل میں الف کا اضافہ کیوں کرتے ہیں؟ ☆...اسم مفعول بنانے میں میم کا اضافہ کیوں کیا گیا؟

☆... صیغوں کی تعلیل کرنے کے آسان ۱۶ قاعدے ☆...نون تثنیہ اور تنوین میں فرق

☆...ان چیزوں کا بیان جن سے ثقل لازم آتا ہے ☆...ان چیزوں کا بیان جن سے خفت پیدا ہوتی ہے

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(6)---قصور کس کا؟

کئی لڑکیاں پیدا ہونے کے بعد لوگ کہتے ہیں "اس عورت کو طلاق دے دو" آخر لڑکیوں کی پیدائش میں قصور کس کا؟ مرد کا، یا عورت کا، اس کتاب میں اسلام اور سائنس کی روشنی میں بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے مزید دلچسپ سوالات وجوابات بھی ہیں۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...زمانۂ جاہلیت کی کچھ یادیں ☆...پانچ لرزہ خیز واردات ☆...بیٹیوں کے فضائل

☆...سائنس کیا کہتی ہے؟ ☆...دلچسپ سوالات وجوابات ☆...عِلْمُ الْجَنِیْن کیا ہے؟

☆...بچے کی پیدائش کا سبب کیا ہے؟ ☆...بچے کی پیدائش کا مرحلہ ☆...بے اولادی کے 4 روحانی علاج

☆...اولادِ نرینہ کے روحانی علاج

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(7)---امّتِ محمدیہ کے سوالات اوران کے قرآنی جوابات

حضرتِ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے کم سوال کسی امت نے نہ کئے کہ امتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صرف ۱۴ سوالات کئے۔ (التفسیر الکبیر جلد ۳ ص ۱۰۲) اس کتاب میں ان سوالات کے جوابات کے ساتھ ساتھ مختصر تشریح بھی بیان کی گئی ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...امتِ محمدیہ کے ۱۴ سوالات ☆...انفال کا معنیٰ

☆...چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی حکمت ☆...حضورِ اقدس ﷺ کو روح کا علم حاصل ہے

☆...شراب حرام ہونے کا ۱۰ انداز میں بیان ☆...ذوالقرنین کے تین سفر

☆...جوئے کے دنیوی نقصانات ☆...سدِ سکندری کب ٹوٹے گی؟

☆...حَیض کی حکمت ☆...اہلِ ایمان کی شفاعت کی دلیل

☆...بندوک کی گولی سے شکار کرنے کا شرعی حکم ☆...شفاعت سے متعلق (۵) اَحادیث

☆...نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو قیامت قائم ہونے کے وقت کا علم دیا گیا ہے

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(8)---نصاب مسائلِ نماز

امامت ٹیسٹ کی تیاری کرنے کے لئے بہترین کتاب جس میں نماز کے بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...اپنی ضرورت کا علم سیکھنا فرض ہے! ☆...حصولِ علم کے ذرائع ☆...چندے کے مسائل

☆...شرائطِ نماز ☆...فرائضِ نماز ☆...واجباتِ نماز

☆...مفسداتِ نماز ☆...مکروہاتِ نماز ☆...مسائلِ سجدۂ سہو

☆...امامت کی شرائط ☆...اقتداء کی شرائط ☆...مسائلِ نمازِ جمعہ

☆...مسائلِ نمازِ عیدین ☆...مسائلِ معذورِ شرعی ☆...جماعت کا ایک اہم مسئلہ

☆...مسائلِ شرعی مسافر ☆...مسائلِ نمازِ جنازہ ☆...مسائلِ سجدۂ تلاوت

☆...مسائلِ اذان واقامت ☆...مسائلِ لقمہ ☆...چاند کب نکلے گا؟

مرتب: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(9)---شفیقیہ شرح الاربعین نوویہ

"الاربعین النوویہ" شیخ الاسلام الحافظ الامام محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی چالیس احادیث پر مشتمل کتاب ہے جس کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... مصنف کا تعارف ☆... شارح کا تعارف

☆... عربی عبارت مع اعراب ☆... عربی عبارت کا اردو سلیس ترجمہ

☆...راویوں کے حالات ☆... دیگر دلچسپ باتیں

شارح: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(10)---قرآنی سورتوں کے مضامین

قرآنِ عظیم کی (۱۱۴) سورتوں کے متعلق اجمالی دلچسپ معلومات پر مشتمل یہ کتاب ہے جو اپنے اعتبار سے بہت علمی کتاب ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... سورت کا مقامِ نزول ☆... آیات، کلمات اور حروف کی تعداد

☆... سورت کا نام رکھے جانے کی وجہ ☆... سورت کے فضائل

☆... سورت کے مضامین ☆... پچھلی سورت کے ساتھ مناسبت

☆... اور رنگ برنگے مدنی پھول

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(11)۔۔۔سب سے پہلے سب سے آخر

دلچسپ معلومات کا ایک اچھوتا انداز "سب سے پہلے فلاں کام کس نے کیا" پر مشتمل کتاب ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...سب سے پہلے کس نے منبر پر خطبہ پڑھا؟
☆...سب سے پہلے کس نے راہِ خدا میں جہاد کیا؟
☆...سب سے پہلے کس نے ثرید تیار کیا؟
☆...سب سے پہلے ترازو کس نے بنایا؟
☆...سب سے پہلے کس نے ہتھیار بنائے؟
☆...سب سے پہلے "اَمَّا بَعْدُ" کس نے کہا؟
☆...سب سے پہلے اسلام میں مسجد کس نے بنائی؟
☆...سب سے پہلے اسلام میں سولی کس کو دی گئی؟
☆...سب سے پہلے اسلام میں خطبہ کون سا پڑھا گیا؟
☆...سب سے پہلے کس نے تاج شاہی سر پر رکھا؟

☆راہب کے ۶۲ سوالات اور ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات☆

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(12)۔۔۔میری سنّت میری امّت

ان احادیث کا مجموعہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی سنت اور اپنی امت کا تذکرہ دلنواز فرمایا ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...میری سنت کو زندہ کرنے کا مطلب
☆...میری سنت میں سے یہ چیزیں ہیں
☆...میری سنت سے جس نے محبت کی
☆...میری سنت میں جس کا سکون ہو
☆...میری امت کا سلام
☆...میری امت میں ایسا شخص پیدا فرمایا
☆...میری امت کے لئے امان ہیں
☆...میری امت کی گوشہ نشینی
☆...پچھلی امتوں کی بیماریاں

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(13)۔۔۔موت کے وقت

مرنے والے کو موت کے وقت پیش آنے والے دردناک و عبرت ناک معاملات پر مشتمل واقعات کا مجموعہ ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...موت کے وقت
☆...موت کا وقت
☆...نزع کا عالم

☆…نزع کے عالم ☆…وصال کا وقت ☆…وصال کے وقت

☆…وفات کا وقت ☆…وفات کے وقت ☆…انتقال کا وقت

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(14)---شارق الفلاح شرح نور الایضاح

درسِ نظامی کے کورس میں داخلِ نصاب کتاب "نور الایضاح" کی آسان اردو شرح ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... مصنف کا تعارف ☆... شارح کا تعارف ☆... فقہی اصطلاحات

☆...بنیادی باتیں ☆... صاحبِ نور الایضاح کے غیر مفتی بہ اقوال

☆...عبارت مع اعراب ☆... سلیس اردو ترجمہ ☆... سوالاً جواباً عبارت کی شرح

شارح: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(15)---مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ

غفلت اڑا کر فکرِ آخرت پیدا کرنے والے واقیات کا مجموعہ بنام "ما فعل اللہ بک" یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد ہے کیونکہ اس کتاب میں ان واقعات کو جمع کیا گیا ہے جن میں خواب دیکھنے والا مرنے والے سے مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِكَ (یعنی اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟) کے ذریعہ سوال کر کے مرنے کے بعد پیش آنے والے معاملات دریافت کرتا ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... اولیاء اپنے پیروکاروں کی شفاعت کریں گے ☆... دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے حضرات

☆...ایک رقت انگیز رخصتی ☆...چالیس سال تک گناہ نہیں کیا

☆... شہوت پرستی کے مختلف انداز ☆...لوگوں کی چار اقسام

☆... دنیا کی چھ چیزیں اور ان کی حقیقت ☆... سفید بالوں کی فضیلت

☆...ناپ تول میں کمی کا وبال ☆... حوریں پانے کا عمل

☆... قربِ الہی پانے کا طریقہ ☆... رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پھلوں کو چوما کرتے تھے

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(16)---کیا حال ہے؟

دلچسپ و عبرت ناک واقعات کا مجموعہ بنام "کیا حال ہے؟

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... پہلا باب	:	کیا حال ہے
☆... دوسرا باب	:	صبح کس حال میں کی
☆... تیسرا باب	:	آپ کیسے ہیں؟
☆... چوتھا باب	:	کیسے ہو؟

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(17)---عقائد کی حکمتیں

اس کتاب میں عقائدِ اہلسنت کی عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ اچھوتے انداز میں حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... حکمت کیا ہے

☆... حکمت کہاں اور کیسے ملتی ہے

☆ اللہ پاک کا ہونا کیوں ضروری ہے؟...

☆... اللہ پاک کا اولاد سے پاک ہونے کی حکمتیں

☆... اللہ کو اللہ کہنے کی حکمتیں

☆... کیا اللہ پاک سوتا بھی ہے؟

☆... اللہ کا مکان سے پاک ہونے کی حکمتیں

☆... اللہ پاک کے کل کتنے نام ہیں؟

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(18)---پانچ نمازوں کی حکمت

اس کتاب میں نماز اور ارکانِ نماز کی عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ اچھوتے انداز میں حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... قرآن میں لفظِ صلوۃ کتنی بار آیا؟

☆... نماز کے اعظم الفرائض ہونے کی چھ حکمت

☆... نماز کو صلوۃ کہنے کی چار حکمت
☆... نماز کے افضل العبادات ہونے کی پانچ حکمت
☆... نماز کی برکات
☆... پانچ نمازوں کے فرض ہونے کی سات حکمت
☆... انسانی زندگی کی پانچ حالت
☆... سورج کی پانچ حالت
☆... نماز کے شرائط و فرائض کی حکمتیں
☆... قبلہ مقرر کرنے کی چار حکمت
☆... کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے کی نو حکمت
☆... نمازوں کی رکعتوں کے مختلف ہونے کی حکمتیں
☆... احکامِ الٰہی کے مختلف ہونے کی حکمت
☆... پانچ نمازوں کے ناموں کی حکمت
☆... فرضوں کے ساتھ سنن کی حکمت
☆... اعمالِ نماز کا شرعی جائزہ

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(19)---کامیابی کے 10 اصول

مایوسی کا خاتمہ کر کے کامیابی کی جانب گامزن کرنے والے اصولوں کا مجموعہ بنام "کامیابی کے دس اصول" یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد ہے کیونکہ اس کتاب میں ان اصولوں کو جمع کیا گیا ہے جن سے مایوسی کا خاتمہ ہونے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر کچھ کر گزرنے کا جذبہ نو پیدا ہوتا ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... مثبت سوچ رکھنے والا ہو
☆... نظم و ضبط کے ساتھ رہنے والا ہو
☆... لوگوں کے مزاج کو پرکھنے کی صلاحیت رکھنے والا ہو
☆... اپنے کام کو شوق و لگن کے ساتھ کرنے والا ہوں
☆... ناکام لوگوں سے سبق حاصل کرنے والا ہو
☆... سخت محنت اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے والا ہو
☆... کام کو بانٹنے والا ہو
☆... خدار اور متوکل ہو
☆... آخرت کی فکر کو مقدم رکھنے والا ہو
☆... ان سب کا سرچشمہ خوفِ خدا والا ہو

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(20)---عرفان الاثار شرح معانی الاثار

فقہ حنفی کی دلائل پر مشتمل احادیث کی مستند کتاب معانی الاثار کی اردو شرح ہے جو درسِ نظامی میں داخلِ نصاب ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... مصنف کا تعارف ☆... شارح کا تعارف

☆... متن مع اعراب ☆... متن کا سلیس اردو ترجمہ

☆... اختلافِ فقہائے کرام مع دلائل ☆... ترجیحاتِ مذہبِ احناف

مصنف: ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ المعروف امام طحاوی رضی اللہ عنہ

شارح: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(21)---شفیق المصباح شرح مراح الارواح

دعوتِ اسلامی کے جامعات المدینہ کے نصاب میں شامل علمِ صرف کی مشہور و معروف کتاب بنام ''مراح الارواح'' کی آسان اردو شرح ہے جس میں عربی عبارت پر اعراب و اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ سوالاً جواباً تشریح پیش کی گئی ہے جو اپنے اعتبار سے بڑی مفید و دلچسپ کتاب ہے۔

مصنف: الشیخ احمد بن علی بن مسعود (علیہ رحمۃ اللہ الودود)

شارح: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(22)---شفیق النحو لحل خلاصۃ النحو حصہ اول

دعوتِ اسلامی کے جامعات المدینہ کے درجۂ اولی کے نصاب میں شامل علمِ نحو کی مشہور و معروف کتاب بنام ''خلاصۃ النحو'' کی تمارین کو اس کتاب میں حل کیا گیا ہے۔

مرتب: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(23)---شفیق النحو لحل خلاصۃ النحو حصہ دوم

دعوتِ اسلامی کے جامعات المدینہ کے درجۂ اولی کے نصاب میں شامل علمِ نحو کی مشہور و معروف کتاب بنام ''خلاصۃ النحو'' کی تمارین کو اس کتاب میں حل کیا گیا ہے۔

مرتب: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(24)---تسلیم التوقیت

یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے کہ اس میں چار علوم کو یکجا کیا گیا ہے: (۱)۔ علمِ توقیت۔ (۲)۔ علمِ فلکیات۔ (۳) علمِ تقویم۔ (۴)۔ علمِ طب۔ ان چار علوم کے متعلق ایک اہم اور آسان تصنیف ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... علمِ توقیت ☆... علمِ فلکیات

☆... علمِ تقویم ☆... علمِ طب

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(25)---فیضانِ قرآن کورس

90 دن میں صرف 30 منٹ کی کلاس میں قرآن، اذکارِ نماز، دعائیں، سنتیں اور آداب سیکھنے کا منفرد کورس کی کتاب

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... فیضانِ قرآن کورس کے فوائد ☆... فیضانِ قرآن کورس کے جدول چلانے کی رہنمائی

☆... مدنی قاعدہ کے 22 اسباق ☆... 22 کاموں کی سنتیں اور آداب

☆... 23 دعائیں ☆... 10 قرآنی سورتوں کا حفظ و مشق

☆... اذکارِ نماز کا حفظ و مشق ☆... 5 کلمے، ایمانِ مجمل و ایمانِ مفصل کا حفظ و مشق

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(26)---فیضانِ شریعت کورس

ہر اتوار کو صرف 30 منٹ کی کلاس میں عقائد، عبادات، معاملات اور تصوف کے متعلق بہت کچھ سیکھنے کا منفرد کورس کی کتاب ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... درود شریف کی فضیلت ☆... فیضانِ شریعت کورس کے فوائد

☆... عقائد کے ۱۶ بیان ☆... عبادات کے ۱۶ بیان

☆... معاملات ۱۶ بیان ☆... تصوف ۱۶ بیان

☆... فیضانِ شریعت کورس کے جدول چلانے کی رہنمائی

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(27)---آسان فرض علوم

فرض علوم کے متعلق تقریباً 1200 سوالات پر مشتمل جدید انداز کی آسان ترین سوالا جوابا کتاب ہے۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... کتاب العقائد ☆... تہتر فرقوں کا بیان ☆... باطنی گناہوں کی معلومات

☆... کتاب الطہارۃ ☆... کتاب الصلوۃ ☆... کتاب الجنائز

☆... کتاب الصوم ☆... کتاب الزکوۃ ☆... کتاب الحج

☆... کتاب النکاح ☆... کتاب الطلاق ☆... کتاب الاضحیہ

☆... کتاب القسم ☆... کتاب الحدود ☆... حلال طریقے سے کمانے کا بیان

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(28)---تاریخ ساز شخصیت بننے کے فارمولے

عام آدمی کے درجے سے نکل کر تاریخ ساز شخصیت بننے اور دین وسنیت کی اشاعت کرنے کے فارمولوں پر مشتمل انوکھی تحریر

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆... پہلا باب: تاریخ ساز شخصیت بننے کے 6 فارمولے

☆... دوسرا باب: تاریخ ساز ۱۷ شخصیات

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(29)---تدریس کے 26 طریقے

جدید دور میں جدید و قدیم تدریس کے طریقوں کا مجموعہ بنام ''تدریس کے 26 طریقے'' اس کتاب میں تدریس کے طریقوں کے ساتھ ساتھ اپنی تدریس کو بہتر اور مقبولِ عام بنانے کے فارمولے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے

☆...**پہلا باب:** تدریس کے نکات

☆...**دوسرا باب:** تدریس کے 26 طریقے

☆...**تیسرا باب:** درجے کی ترقی کے فارمولے

☆...**چوتھا باب:** طلبہ کے درمیان کئے جانے والے 19 بیان

☆...**پانچواں باب:** جسمانی و ذہنی نشو نما کے فارمولے

☆...**چھٹا باب:** تاریخ ساز شخصیت بننے کے فارمولے

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

(30)---رفیق التدریس

استاد کو تدریس کے اعلی منصب کی جانب لے جانے والی ایک نمایاں تحریر جس میں تدریس میں نکھار پیدا کرنے والی چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں چھ ابواب ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆...**پہلا باب:** 63 انوکھی معلومات

☆...**دوسرا باب:** 63 انوکھے سوالات

☆...**تیسرا باب:** 63 انوکھے چٹکلے

☆...**چوتھا باب:** 63 انوکھی پہیلیاں

☆...**پانچواں باب:** 63 انوکھی حکمتیں

☆...**چھٹا باب:** 63 انوکھی حکایات

مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

یادداشت

ش	عنوان	صفحہ